کہتے تھے جو نازنیں بار اپنی گل چھاتی پہ ہے
سنگ خارا کا اب ان کے فرش گل چھاتی پہ ہے

یاد آتا ہے جہاں چھاتی پہ اس کا لوٹنا
طفل اشک آنکھوں سے آ تا وہ ہیں ڈھل چھاتی پہ ہے

واسطے اس پردے کے کرتا نہیں میں چاک جیب
داغ جو چھاتی کا ہے جاتا وہ کھل چھاتی پہ ہے

کیا لگاؤں جام منہ سے منہ میں کب جاتی ہے بوند
کرتی بیہوشی رواں ہونٹوں سے مل چھاتی پہ ہے

سوز دل کی کچھ نہ پوچھو گرمی دل سے مری
یشب کی تختی گئی جوں موم گھل چھاتی پہ ہے

سب کا دل مل جائے ہے جس دم کوئی ماتم زدہ
ہاتھ اپنا مارتا با شور و غل چھاتی پہ ہے

وہ عنایت ہو ظفر پر جس سے مٹ جائے تمام
بار غم جو اس کی اے شاہ رسل چھاتی پہ ہے

تفتہ جانوں کو ہے یوں دور جگر میں گرمی
نہ وہ شعلے میں ہے گرمی نہ شرر میں گرمی

گرم آتا ہے مرے دیدہ تر میں آنسو !
اس مسافر کو ہے دریا کے سفر میں گرمی

گرمی نالہ شب سے مرے مانند سموم
کیا تعجب ہے کہ ہو باد سحر میں گرمی

گرم نظارہ ہو کیونکر رخ نازک پہ ترے
کہ مرے دل کی طپش سے ہے نظر میں گرمی !

بوسہ لعل شکر بار سے دل سرد ہوا
پاؤں رکھتے ہی پہنچ جائے ہے سر میں گرمی

کیا بلا سوختہ جانوں کی ترے گرم ہے خاک
سوزش دل سے رہے ہے مرے گھر میں گرمی

نہ تو مشعل ہے نہ مجمر ہے نہ مشعل نہ چراغ

باندھتا جیسے ہے وہ سوز جگر کے مضموں
کیا کہوں میں کہ ہے کیا شعر ظفر میں گرمی

منزل مقصود تک ہمت مجھے پہنچائے گی
اور یا اے دل مری قسمت مجھے پہنچائے گی

اڑ کے میں پہنچوں گا دامن تک ترے مثل غبار
دیکھنا بے طاقتی طاقت مجھے پہنچائے گی

دشت میں زنداں سے میں پہنچا ہوں اور جی ہے یہ تنگ
دیکھئے یاں سے کہاں وحشت مجھے پہنچائے گی

شہرہ آفاق ہو جاؤں گا عنقا کی طرح
گر مری گمگشتگی شہرت مجھے پہنچائے گی

میں اے آرام ہی جانوں گا اے آرام جاں
آہ جو ایذا تری الفت مجھے پہنچائے گی

تلخ کامی ہی سے اپنی ہوں گا شیریں کام میں
تلخی اندوہ و غم شربت مجھے پہنچائے

وصل میں ہرگز نہ ہوتا شادگر میں جانتا
رنج آخر کو تری فرقت مجھے پہنچائے گی

گر رہے ہمراہ اے زاہد ہوائے میکدہ
خوب کعبے تک یہ کیفیت مجھے پہنچائے گی

رنج دیتا ہے ظفر آرام عقبےٰ کا سبب
آخرش محنت مری راحت مجھے پہنچائے گی

تڑپتا وصل کی ہوں یوں ہوس میں کچھ نہیں چلتی
کہ جیسے جانور تڑپے قفس میں کچھ نہیں چلتی

اگر اک آسماں ہوتا تو اس سے بس بھی کچھ چلتا
کریں اے ہمنشیو کیا کہ دس میں کچھ نہیں چلتی

ہمیں بس بس نہ سمجھاؤ اٹھو اے ناصحو جاؤ
پڑے ہیں ہم کسی ایسے کے بس میں کچھ نہیں چلتی

یہ آنا جانا دم کا ہے فقط اس کی عنایت پر
کسی کی آمدورفت نفس میں کچھ نہیں چلتی

دل و جاں سوزش غم ہے پھنکے جاتے ہیں کیا کیجے
لگی ہے آگ وہ اس خار و خس میں کچھ نہیں چلتی

لگائے گا کوئی کیا آج ان کو میری جانب سے
کہے گر سو برس تو سو برس میں کچھ نہیں چلتی

ابھی چل جائے سب تدبیر اپنی گروہ تنہا ہوں
ظفر اندیشہ ہائے چند کس میں کچھ نہیں چلتی

تری شمشیر سے گردن یہاں پھیری نہیں جاتی اگرچہ کیسی ہی
کہ ہے اقرار سر بازی زباں پھیری نہیں جاتی

پھر کر نظر وہ پھیر لیں اپنی !
و لے چشم مروت ہم سے ہاں پھیری نہیں جاتی

نصیحت ہو چکی بس ناصحو کیوں سر پھراتے ہو
جہاں آئی طبیعت مہرباں پھیری نہیں جاتی

کہے گر اور کوئی تو جواب اس کا دیا جائے
تمہاری بات اے آرام جاں پھیری نہیں جاتی

ترے بیمار کا یہ حال ہے اب ناتوانی سے
کہ کروٹ اے مسیحا نے زماں پھیری نہیں جاتی

بلا سے خاک ہو برباد سارے خاکساروں کی
سمند ناز کی اس کے عناں پھیری نہیں جاتی

خدا محفوظ ہی رکھے نگاہ چشم کافر سے
کسی سے یہ بلائے ناگہاں پھیری نہیں جاتی

مری فریاد سن سن کر ہوا وہ مجھ سے برگشتہ
کروں میں کیا کہ تاثیر فغاں پھیری نہیں جاتی

ظفر انساں کو تسلیم و رضا پر چاہئے رہنا
کہ مرضی خداوند جہاں پھیری نہیں جاتی

گل کچھ تو اس چمن کی ہوا کھا کے جھڑ پڑے
وہ کیا کریں کہ غنچے ہی مرجھا کے جھڑ پڑے

آنسو کہاں تھے چشم میں ہر قطرہ ہائے خوں !
مژگاں تلک جگر سے مرے آ کے جھڑ پڑے

سنبل ہی واں آگے ہے کہ جس جائے خاک پر
ہیں بال اس کے زلف سمن سا کے جھڑ پڑے

پایا کہیں نہ میرے دل گم شدہ کا کھوج !
پر اڑتے اڑتے طائر عنقا کے جھڑ پڑے

آیا کہیں چمن میں جو آنکھوں کا اس کے ذکر
حسرت سے پھول نرگس شہلا کے جھڑ پڑے

جاتا ہے کب نشان اگرچہ کھرنڈ بھی
زخموں پہ خشک ہو ترے شیدا کے جھڑ پڑے

کیسی ہوا چلی چمن دل میں اے ظفر
سب برگ و بار نخل تمنا کے جھڑ پڑے

نہ رہی تاب نہ تواں باقی
ہے فقط تن میں ایک جاں باقی

تل بے سوز و گداز محم نہ رہا
نام کو مغز استخواں باقی

شمع ساں دل تو جب بجھا لیکن
ہے ابھی دل میں کچھ دھواں باقی

ہے کہاں کوہکن کہاں مجنوں
رہ گیا نام عاشقاں باقی

اتنے لوئی ہوسے اس کے میں نہ رہئے
لب پہ رنگ مسی و پاں باقی

خاک دل تفتگاں پہ رکھ نہ قدم
ہے ابھی سوزش نہاں باقی

کاروان حیات سے تن زار
ہے مگر گرد کارواں باقی

سینہ کاوی نہ کرنگیں کر رہا
کس کا یاں نام اور نشاں باقی

دم محبت کا زندگی ہے مری
ورنہ ہے مجھ میں دم کہاں باقی

کچھ کھٹکتا ہے دل میں اے جراح
کوئی پیکاں ہے یا سناں باقی

خال خال اس زمانے میں ہوگا
اے ظفر کوئی نکتہ داں باقی !

نہ دل خوشی ہے نہ رنجیدہ بخ تو بس یوں ہے
جو یک نفس کبھی دوں ہے تو یک نفس یوں ہے

فغاں سے اپنی دل اہل قافلہ ہے دو نیم
جگر خراش کہاں نالہ جرس یوں ہے

قفس کے ٹکڑے اڑا دوں پھڑک پھڑک کر آج
ارادہ میرا اسیران ہم نفس یوں ہے

حذر نہ کر جو لگے آتش سے اشک مژہ
نکالا تیرے لئے ہم نے عطر خس یوں ہے

کسی کے خال لب شکریں پہ ہے اے رشک
یہ دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتی مگس یوں ہے

یہ سر ہو اور ظفر آستان فخرالدیں
اگر ہوس ہے تو کیسی مجھے ہوس یوں ہے

جو زخم دل کو مرے صاف کر کے دو ٹانکے
تو اس میں کچھ نمک سودہ بھر کے دو ٹانکے لگیں نہ چاک

ہزار تار شعاعی کو تاب دے خورشید
میں جیب سحر کے دو ٹانکے

تمہاری سوزن مژگاں سے فائدہ پھر کیا
جو زخم دل میں نہ تار نظر کے دو ٹانکے

نہ سمجھو تھا کوئی دو ٹانک کے کماں کا تیر
جو کھل گئے مرے زخم جگر کے دو ٹانکے

بغیر چٹکیوں کے زخم جگر پہ چارہ گرو
نہ تم خیال میں اس کی کمر کے دو ٹانکے

یہ چاک سینہ سیا جائے دیکھئے کب تک
لگیں جو عرصے میں دو دوپہر کے دو ٹانکے

تمہاری نرگس مخمور کا جو ہو زخمی
اسے شراب سے بے ہوش کر کے دو ٹانکے

جڑا جو دامن مژگاں سے ایک گوہر اشک
تو ہم نے بدلے ہیں اس ایک گھر کے دو ٹانکے

ہزار سوزن الماس نہ غم میں ٹوٹیں
جو ایک زخم جگر میں ظفر کے دو ٹانکے

تفتہ جانوں کا علاج اے اہل دانش اور ہے
عشق کی آتش بلا ہے اس کی سوزش اور ہے

کیوں نہ وحشت میں چھبے ہر مو بشکل نیش تیز
خار غم کی تیرے دیوانے کی کاوش اور ہے

مطربو باساز آؤ تمہاری بزم میں
سازو ساماں سے تمہاری اتنی سازش اور ہے

تھوکتا بھی دختر رز پر نہیں مست الست
جو کرے ہے اس فاحشہ پر غش وہ فاحش اور ہے

تاب کیا ہمتاب ہووے اس سے خورشید فلک
آفتاب داغ دل کی اپنے تابش اور ہے

سب مرادیں دل سے ہیں جتنی کہ اس میں خواہشیں
گرو ہمیں معلوم ہو کچھ اس کی خواہش اور ہے

ابر مت ہم چشم ہو چشم دریا بار سے
تیری بارش اور ہے اور اس کی بارش اور ہے

ہے تو گردش چراغ کی بھی فتنہ انگیزی میں طاق
تیری چشم فتنہ زا کی لیک گردش اور ہے

بت پرستی جس سے ہووے حق پرستی اے ظفر
کیا کہوں تجھ سے کہ وہ طرز پرستش اور ہے

جو یاں کا ذکر وہ دو چار یاروں میں نکالیں گے
تو ہم دل کا بخار اپنے ہزاروں میں نکالیں گے

سراپا شمع ساں جل جائیں گے لیکن زباں سے ہم
نہ حرف سوز دل آتش زبانوں میں نکالیں گے

نہیں نکلی یہ حسرت گر ترے آزردہ جانوں کی
تو خاک ارمان دل کے وہ ہزاروں میں نکالیں گے

خدانا خواستہ گر ہو گئے برہم تو پھر گھر سے
وہ بے جرموں کو بھی تقصیرداروں میں نکالیں گے

محبت کا خواص اصلانہ پایا پارساؤں میں
رہ اخلاص اب ہم پارساؤں میں نکالیں گے

نکالیں گے جو دل سے آہ آتشبار ہم اپنے
شرر شعلے میں اور شعلہ شراروں میں نکالیں گے

ستم گر جان دیں گے پر وہی ہم کر دکھائیں گے
تو پھر ہم عیب چن چن کر ستاروں میں نکالیں گے

جبیں پر چین کے افشاں مہ جبیں گر تو دکھائے گا

ظفر ہم چشم پوشی دیدہ و دانستہ کرتے ہیں
وگرنہ کام سب اپنے اشاروں میں نکالیں گے

سیتی اے قاتل تری تقریر منہ میں بن گئی !
قتل کو میری زباں شمشیر منہ میں بن گئی

آہ دل میں پر اثر تھی پر مری تقدیر سے
کیا کروں میں آکے بے تاثیر منہ میں بن گئی

کہتا ان کے روبرو کیا میں کہ حیرت سے زباں
شکل برگ غنچہ تصویر منہ میں بن گئی

بات اب وہ منہ سے جو کہتا ہے تو اگلے ہے زہر
پان کی مسی کی کیا تحریر منہ میں بن گئی

شمع میں گرمی نہ تھی جو کھا گیا شعلہ کو تو
گل کی گولی سی نہ اے گلگیر منہ میں بن گئی

پرورش کو طفل غنچہ کی بنی دایہ بہار
بوند شبنم کی برنگ شیر منہ میں بن گئی

عجز سے جب چاٹ کر خاک آدمی نے بات کی
پھر تو چٹکی خاک کی اکسیر منہ میں بن گئی

شعلہ آواز کو پابند منہ میں کر دیا
موج دود دل مری زنجیر منہ میں بن گئی

یہ تپ غم سے ظفر کاٹی ظفر سوہاں کی طرح
اب زبان عاشق دل گیر منہ میں بن گئی

کریں گے قصد ہم جس دم تمہارے گھر میں آویں گے
جو ہوگی عمر بھر کی راہ تو دم بھر میں آویں گے

اگر ہاتھوں سے اس شیریں ادا کے ذبح ہونگے
تو شربت کے سے گھونٹ آب دم خنجر میں آوینگے

یہی گر جوش گریہ ہے تو بہہ کر ساتھ اشکوں کے
ہزاروں پارہ دل میرے چشم تر میں آویں گے

گر اس قید بلا سے اب کی چھوٹیں گے تو پھر ہرگز
نہ ہم دام فریب شوخ غارت گر میں آویں گے

نہ جاتے گرچہ مر جاتے جو ہم معلوم کر جاتے
کہ اٹھا تن جا کر کوچہ دل بر میں آویں گے

گریباں چاک لاکھوں ہاتھ سے اس مہر طلعت کے
برنگ صبح محشر عرصہ محشر میں آویں گے

جو سرگردانی اپنی تیرے دیوانے دکھائیں گے
تو پھر کیا کیا بگولے دشت کے چکر میں آوینگے

ظفر اپنا کرشمہ گر دکھایا چشم ساقی نے
تماشے جام جم کے سب نظر ساغر میں آوینگے

ابروئے کج ہم ہیں چشم یار پر تاڑے ہوئے
واہ کیا آہوے کے سر پر سینگ یہ آڑے ہوئے

شمع نے اف بھی نہیں کی بے زباں سے بزم
روڑتا گلگیر کیوں ہے اس پہ منہ پھاڑے ہوئے

گر پڑے پاؤں پر مثل سایہ اس خوش قد کے سرو
کیا مجال آگے کھڑا ہوئے قدم گاڑے ہوئے

حسرت و درد و الم رنج و تعب اندوہ و یاس
ساتھ دل کے دیکھا میں نے جمع کیا دھاڑے ہوئے

تھے عدم میں جب تلک واقف نہ تھے جھگڑوں سے ہم
آ کے ہستی میں یہ سب معلوم نبھاڑے ہوئے

اڑ گئی صیاد اب دل سے ہوس پرواز کی
بیٹھا رہنے دے قفس میں ہم کو پر جھاڑے ہوئے

گرم نالوں سے ہوئی ہیں یوں تو کیا کیا گرمیاں
سرد آہوں سے ظفر لیکن بڑے جاڑے ہوئے

جب دل سوزاں کے مژگاں سے کئی تارے جھڑے
کیا کہوں کیا آگ برسی ، کیسے انگارے جھڑے

قطرے پانی کے جھڑے گیسو سے اس کے بعد غسل
کیا تماشا ہے شب تاریک میں تارے جھڑے

خوب فس فس کرنا میں تونے ہم کو گالیاں !
پھول کیا کیا واہ وا منہ سے ترے پیارے جھڑے

جھڑ پڑے مژگاں سے میرے اشک کے قطرے گر
ساری شیخی ایک دم میں تیری فوارے جھڑے

نقش پا سے اس مرے مہوش کے ہنگام خرام
سب ستارے کیا جھڑے گویا کہ سیارے جھڑے

دی قفس سے رخصت پرواز اگر صیاد نے
جست کرنے بھی نہ پائے ہم کہ پر سارے جھڑے

اے ظفر جس وقت روٹھی کاٹنے کو زلف یار
خود بخود دندان مار اس خوف کے مارے جھڑے

آئے تھے ہم عدم سے یہاں جس کے واسطے — وہ ہی نہ جب ملیں تو رہیں کس کے واسطے

ہیں جو نگاہ ناز تری چشم کے لئے — کاہے کو ہیں وہ دیدہ نرگس کے واسطے

ہووے تو ٹکڑوں سے دل اس کا سوغنی — تھوڑا سا گرچہ صبر ہو مفلس کے واسطے

وہ شعلہ خو جلائے ہے ہم کو مثال شمع — ہر رات اپنی رونق مجلس کے واسطے

کرتے ہیں یک نگاہ سے تعلیم اہل حال — ہے درس قیل و قال مدرس کے واسطے

آئے جو اس گلی سے ہوا ہو دم مسیح — شیدائیان بے دم و بے حس کے واسطے

مجھ کو یہ آرزو ہے کہ ہوں تیری خاک پا — اکسیر کی ہوس ہے مہوس کے واسطے

رکھے گا میرے بعد غم یار کس سے انس — کڑھتا ہے دل مرا اسی مونس کے واسطے

پھرتا نہیں ہے اس کی محبت سے دل مرا
ساری خرابیاں ہیں ظفر اس کے واسطے

کاش ہم اس صف مژگاں کے نہ منہ پر پڑتے — ایک دل جس پہ ہیں سو تیر برابر پڑتے

خال رخ کیونکہ چھپائے نہ دل و دیں تہ زلف — شب تاریک میں ہیں چور مقرر پڑتے

دیکھتا تو جو نہ وہ گرمی رخسار تو کیوں — داغ دل پہ ترے اے لالہ احمر پڑتے

ہارے شوق نہیں تجھ کو یہ گلہائے چمن — ہیں گلے آکے ترے سرو سمن بر پڑتے

جان دے کوہکن اور عیش ہو خسرو کو نصیب — دیکھ شیریں پہ محبت میں ہیں پتھر پڑتے

آہ سوزاں کا مری چرخ پہ انجم ہے حریف — آبلے سینہ پہ جل جل کے نہ کیونکر پڑتے

تشنہ خوں وہ نہ ہوتا جو مرا اے سفاک — کاٹنے جوہر سے نہ خنجر کی زباں پہ پڑتے

خاک اڑ جائے نہ کیوں مزرع دل کی میرے — غم و حسرت کے ہیں یاں روز ہی لشکر پڑتے

اے ظفر کس کے یہ عارض سے ہوا تھا روکش
کہ طمانچے ہیں ہوا سے رخ گل پہ پڑتے

ہو گئے شیر و شکر وہ یار بھی ایسے ہوئے — تلخ کڑوی زندگی بیمار بھی ایسے ہوئے

قد قیامت کیا بنا فتنے ہے وہ ناز بھی — اس قیامت کی نمود آثار بھی ایسے ہوئے

جو ہوئے مفتوں تمہاری نرگس بیمار کے — پھر وجابر ہجر سے بیمار بھی ایسے ہوئے

برق تھرائی کہ دامن کے کہیں ٹکڑے نہ ہوں — تیز وادی کے ہمارے خار بھی ایسے ہوئے

میرا کہنا تو نہ مانا حضرت دل نے دے — خوب پچھتائے ذلیل و خوار بھی ایسے ہوئے

ہم پہ جو صدمے ہوئے لاکھوں محبت میں تری — غیر پر اب تک نہیں دوہ چار بھی ایسے ہوئے

کنج تنہائی میں مونس ہی ہوئے تو رنج و غم — میری قسمت سے مرے غمخوار بھی ایسے ہوئے

برسے بادل لاکھ بار اس چشم تر کے سامنے — پر کبھو یارو کبھی خونبار بھی ایسے ہوئے

شکوہ رنجش نہ کر ہیں اب تو لطف ان کے ظفر
گر عتاب ایسے ہوئے تو پیار بھی اسے ہوئے

دل ہے میرا داغ دل کی یوں سیاہی کے سمے
بادشہ ہو جیسے چتر بادشاہی کے سمے

کر نشانی اے خراش ناخن دست جنوں
تو بھی داغ عشق کی مہر و گواہی کے سمے

زیر خط سبز اس کے لعل لب کو دیکھنا
کیا کھلا ہے رنگ سرخ اس رنگ کاہی کے سمے

دل ہے میرا ہی کہ جھکتا ہے تہ ابروئے یار
ورنہ رکھے کون سر تیغ سپاہی کے سمے

وہ رخ روشن پہ اپنے کھول دے زلف سیاہ
داب لے خورشید کو شب کی سیاہی کے سمے

ٹکیں قطرے گرز میں پہ میرے اشک گرم کے
پہنچے گری تا بماہی بلکہ ماہی کے سمے

یوں تو ہیں ہر ناز میں لاکھوں ہی انداز ستم
لیک وہ سب ہیں تری اس کم نگاہی کے سمے

اے صبا برباد کر دی تو نے پروانے کی خاک
ورنہ ہوتا ڈھیر شمع صبح گاہی کے سمے

جانتے ہیں جو کہ سرکش سب سے اونچا آپ کو
اے ظفر آتے ہیں وہ قہر الٰہی کے سمے

زلف جو رخ پر ترے اے مہر طلعت کھل گئی
ہم کو اپنی تیرہ روزی کی حقیقت کھل گئی

کیا تماشا ہے رگ لیلے میں ڈوبا نیشتر
فصد مجنوں باعث جوش محبت کھل گئی

دل کا سودا اک نگہ پر ہے تری ٹھہرا ہوا
نرخ تو کیا پوچھتا ہے اب تو قیمت کھل گئی

آئینہ کو ناز تھا کیا اپنے روئے صاف پر
آنکھ ہی پر دیکھتے ہی تیری صورت کھیل گئی

تھی اسیران قفس کو آرزو پرواز کی
کھل گئی کھڑکی قفس کی کیا کہ قسمت کھل گئی

تیرے عارض پر ہوا آخر غبار خط نمود
کھل گئی آئینہ رو دل کی کدورت کھل گئی

بے تکلف آئے تم کھولے ہوئے بند قبا
اب گرہ دل کی ہمارے فی الحقیقت کھل گئی

باندھی زاہد نے توکل پر کمر سو بار چست
لیکن آخر باعث سستی ہمت کھل گئی

کھلتے کھلتے رک گئے وہ ان کو تو نے اے ظفر
سچ کہو کس آنکھ سے دیکھا کہ چاہت کھل گئی

پھر بہار آئی ہے لو اور ہوا پھرتی ہے
جھاڑتی صحن چمن باد صبا پھرتی ہے

نہ چھری پھیر کر ہم ذبح یونہی ہوتے ہیں
ابھی ظالم جو تری آنکھ ذرا پھرتی ہے

میں شبیہ مہ کنعاں کو بھلا کیا دیکھوں
صورت آنکھوں میں تری مہر لقا پھرتی ہے

لاکھ تدبیر سے پھیریں مجھے میرے احباب
کوچہ یار سے پر میری بلا پھرتی ہے

کوچہ گردی کی جو کچھ دل میں ہوس باقی ہے
خاک بھی اڑتی مری بعد فنا پھرتی ہے

دے کے دل قاتل بے رحم کو پھروں کیونکر
کہ نہ تقدیر پھری ہے نہ قضا پھرتی ہے

اے ظفر گردش چشم اس کی ہے کچھ اور بلا
آسیا چرخ کی پھرتی ہے تو کیا پھرتی ہے

قدسی صفات ہو کے بشر کیونکہ ہو گئے
ہم تھے ادھر ادھر سے ادھر کیونکہ ہو گئے

کیا عاشقوں سے پوچھے ہے مژگاں سے اپنی پوچھ
یک لخت ٹکڑے ان کے جگر کیونکہ ہو گئے

دیکھا انہیں جو جیتے تھے ہستی میں آن کر
کم جیتے جیتے مثل شرر کیونکہ ہو گئے

ڈر موت سے کسی کا نہیں ہے زیادہ تر
پوچھو تو غافلوں سے نڈر کیونکہ ہو گئے

پر تو پڑا ہوا ہے ترے نور حسن
روشن وگرنہ شمس و قمر کیونکہ ہو گئے

کی گر کمی نہیں ہے تری آب تیغ نے
تو خشک میرے زخم جگر کیونکہ ہو گئے

پرسش سے اور آوے گا رونا سوا نہ پوچھ
دامان و جیب اشک سے تر کیونکہ ہو گئے

تنہا تو ایک لحظہ بھی مشکل ہے زندگی
دن تیرے حضرات نے بسر کیونکہ ہو گئے

چھیڑا نہیں ہے تو نے اگر اس کی زلف کو
برہم وہ تجھ سے اتنے ظفر کیونکہ ہو گئے

عشق تو مشکل ہے اے دل کون کہتا سہل ہے
لیک نادانی سے اپنی تو نے سمجھا سہل ہے

گر کھلے دل کی گرہ تجھ سے تو ہم جانیں تجھے
اے صبا غنچے کا عقدہ کھول دینا سہل ہے

ہمدمو دل کے لگانے میں کہو لگتا ہے کیا
پر چھڑانا اس کا مشکل ہے لگانا سہل ہے

گرچہ مشکل ہے بہت میرا علاج درد دل
پر جو تو چاہے تو اے رشک مسیحا سہل ہے

ہے بہت دشوار مرنا یہ سنا کرتے تھے ہم
پر جدائی میں تری ہم نے جو دیکھا سہل ہے

شمع نے جل کر جلایا بزم میں پروانے کو
بن جلے اپنے جلانا کیا کسی کا سہل ہے

عشق کا رستہ سراسر ہے دم شمشیر پر
بوالہوس اس راہ میں رکھنا قدم کیا سہل ہے

اے ظفر کچھ ہو سکے تو فکر کر عقبیٰ کا تو
کر نہ دنیا کا تردد کار دنیا سہل ہے

شوق خار دشت دامن گیر ہے
اور مجنوں پائے در زنجیر ہے

جذبہ دل میں جہاں تاثیر ہے
بس وہیں حب ہے وہیں اکسیر ہے

فرق مجھ میں اور مجنوں میں نہیں !
ایک صورت ایک سی تصویر ہے

کیا شگفتہ کر سکے باد بہار !
دل نہیں یہ غنچہ تصویر ہے

غفلت دنیا ہے خواب اے غافلو
عاقبت اس خواب کی تعبیر ہے

مصحف رخ پر ترے خط ہے کہاں
وہ کلام اللہ کی تفسیر ہے

دل سمجھ جائے ہمارا ناصحا
دیکھیں کیسی آپ کی تقریر ہے

خانہ زنداں ہے تجھ بن صحن باغ
موج رنگ گل نہیں زنجیر ہے

کوچہ قنفر جہاں کی اے ظفر
خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے

جب قفس کی سمت گلشن سے ہوا سی آ گئی
ہم صفیران چمن کی اک صدا سی آ گئی !

کھول کر زلف سیہ اس نے جو دیکھا آئینہ
صاف دریا پر نظر کالی گھٹا سی آ گئی

کیا ہوا منہ سے نہیں کہتی کہے دیتی ہے آنکھ
لے کے دل کو کچھ ترے دل میں دغا سی آ گئی

تھے بہ رنگ گل شگفتہ غیر کی محفل میں وہ
دیکھتے ہی مجھ کو چہرے پر اداسی آ گئی

اے قناعت کر دیا ہے تو نے مستغنی مجھے
تیری دولت ہاتھ میرے کیمیا سی آ گئی

آنکھ نیچی باغ میں نرگس کی کیوں اے صبا
روبرو شاید کسی گل کے حیا سی آ گئی

اس شب ہجراں کا منہ کالا کر اے بخت سیاہ
سر پہ میرے یہ کہاں سے اک بلا سی آ گئی

آگے تو خیدے نہ ہوں گے ایسے چرخ پیر کے
شاید اب پیری کے باعث بے حواسی آ گئی

دل ہے وہ آئینہ پھر پھر کر نہیں ہوتا ہے صاف
اے ظفر اس میں کدورت جب ذرا سی آ گئی

ہم اب کے جیتے اگر اس صنم کے در سے پھرے
کہیں گے لوگ ہمیں یہ خدا کے گھر سے پھرے

نہ ہوں وہ خنجر دست اجل کے منت کش
گلے پہ جن کے چھری یار کی نظر سے پھرے

وہ آتے آتے نہ پھر جاتے راہ سے لیکن
ہمارے طالع برگشتہ کے اثر سے پھرے

نہ پایا دل جو ہوا زلف و رخ کی یاد میں گم
اگرچہ ڈھونڈتے ہم شام تک سحر سے پھرے

دلا بجا ہے ترا دعوی جگر داری
اگر نہ منہ صف مژگان عشوہ گر سے پھرے

جسے ہو خواہش عقبیٰ کرے وہ دنیا ترک
ادھر ہو جب متوجہ کہ دل ادھر سے پھرے

تمہارے قول و قسم کا کچھ اعتبار نہیں
کہ عہد کر کے کئی بار تم ظفر سے پھرے

خزاں سے سرخی گلہائے صحن باغ اڑی
مگر نہ رونق داغ داغ اڑی

ہوا ہے کون سا دیوانہ آج دشت نورد
بگولا بن کے جو اس طرح خاک راغ اڑی

بہ رنگ نکہت گل یہ تری سبکدوشی
مجھے کہاں سے کہاں لے کے بافراغ اڑی

پہنچ گئی نہیں اس گل کی بو جو بلبل کو
تو کیوں چمن سے وہ یوں ہو کے بے دماغ اڑی

ہوا بلند فلک پر ہے میرا شعلہ آہ
ہوا یہ پتنگ نہیں لے کے یہ چراغ اڑی

پڑا جو عکس رخ آتشیں ترا ساقی
لگی ایاغ میں آگ اور مئے ایاغ اڑی

کہاں کہاں اسے پیک خیال ڈھونڈھ پھرا
ظفر ذرا بھی نہ گرد رہ سراغ اڑی

نہیں آتا سمجھ میں اپنی وہ کیا جانے کیا سمجھے
کہ اس نا آشنا کو حضرت دل آشنا سمجھے

مزہ تبدیل کرنے سے ہے کیا ہوتا مزہ حاصل
مزہ اس میں ہے کھائے بامزہ اور بے مزا سمجھے

جو اپنی جان دیے کو حیات جاوداں جانے
وہ اس آب دم شمشیر کو آب بقا سمجھے

بچھائیں زیر پا آنکھیں ہیں وہ تو خاکساروں نے
کہ جن کو خاک راہ پر اپنے ہو تم نقش پا سمجھے

انہوں نے خط جو میرا کھولتے ہی پھاڑ کر پھینکا
کوئی پوچھے پڑھا کیا آپ نے کیا مدعا سمجھے

ترے بیمار غم کا حال یہ ہے ناتوانی سے
اگر ہاتھ آئے پائے مور تو اس کو عصا سمجھے

امید زندگانی اپنی آخر قطع کر بیٹھے
ظفر عشق و محبت کا ہی ہم انتہا سمجھے

ہے دل کو جو یاد آئی فلک پیر کسی کی
آنکھوں کے تلے پھرتی ہے تصویر کسی کی

گر یہ بھی ہے' نالہ بھی ہے ور آہ وفغاں بھی
پر دل میں ہوئی اس کے نہ تاثیر کسی کی

ہاتھ آئے ہے کیا خاک ترے خاک کف پا
جب تک کہ نہ قسمت میں ہو اکسیر کسی کی

یارو وہ ہے بگڑا ہوا باتیں نہ بناؤ
کچھ پیش نہیں جانے کی تقریر کسی کی

نازاں نہ ہو منعم کہ جہاں تیرا محل ہے
ہووے گی یہاں پہلے بھی تعمیر کسی کی

میری گرہ دل نہ کھلی ہے نہ کھلے گی
جب تک نہ کھلے زلف گرہ گیر کسی کی

آتا ہے بھی اگر ہے تو وہ پھر جائے ہے الٹا
جس وقت الٹ جائے ہے تقدیر کسی کی

جو دل سے ادھر جائے نظر دل ہو گرفتار
مجرم ہو کوئی اور ہو تقصیر کسی کی

اس ابرو و مژگاں سے ظفر تیز زیادہ
خنجر نہ کسی کا ہے نہ شمشیر کسی کی !

روش گل ہے کہاں یار ہنسانے والے
ہم کو شبنم کی طرح سب ہیں رلانے والے

سوزش دل کو نہیں اشک بجھانے والے
بلکہ ہیں اور بھی یہ آگ لگانے والے

منہ سے سب زردی رخسار کہے دیتی ہے
کیا کریں راز محبت کے چھپانے والے

خاک بھی ہوگی ترے کوچے میں اپنی برباد
ہم تو مر کر بھی یہاں سے نہیں جانے والے

دیکھیے داغ جگر پر ہوں ہمارے کتنے
وہ تو اک گل ہیں نیا روز کھلانے والے

دل کو کرتے ہیں بتاں تھوڑے سے مطلب پہ خراب
اینٹ کے واسطے مسجد ہیں ڈھانے والے

نالے ہر شب جو جگاتے ہیں یہ ہمسایوں کو
بخت خوابیدہ کو ہوں کاش جگانے والے

خاک میں ہم کو ملاتے ہیں وہ جوں نقش قدم
زیر پا جن کے ہم آنکھیں ہیں بچھانے والے

خط مرا پڑھ کے جو کرتا ہے وہ پرزے پرزے
اے ظفر کچھ تو پڑھاتے ہیں پڑھانے والے

پہلے اس سے وصل کی تدبیر کرنی چاہئے !
بعد اس کے اور کچھ تقریر کرنی چاہئے !

سرکشی سے آج تک مجھ سے کشیدہ ہے وہ یار
کچھ تو اے دل کی کشش تاثیر کرنی چاہئے

مخبروں نے میری جانب سے لکھا ہے کچھ اسے
ان کی بھی کوئی خبر تحریر کرنی چاہئے !

عشق کہتا ہے کہ جاری ایک نہر خوں بھی ہو
جب رواں فرہاد جوئے شیر کرنی چاہئے

گر غم یار آئے دل میں کیونکہ میں رسوا کروں
ایسے مہماں کی تو ہاں توقیر کرنی چاہئے

شمع کا سر کیوں قلم کرتا ہے اس نے کیا کیا
زیادتی اتنی نہ اے گلگیر کرنی چاہئے !

آگیا آنکھوں میں دم یاں کرتے کرتے انتظار
جلد آؤ اتنی کیا تاخیر کرنی چاہئے

ڈھا دیے گردوں نے گنبد سینکڑوں جوں گرد راہ
بس بلند اتنی نہ یاں تعمیر کرنی چاہئے

خاک پائے فخر دیں ہے اپنے حق میں کیمیا
اے ظفر کیوں خواہش اکسیر کرنی چاہئے

جب ہما سب شکووں کے دفتر پھٹ گئے
پھر کلیجے اپنے بدخواہوں کے سارے پھٹ گئے

تل بے سوز عشق بھڑکی ہے پس مردن بھی آگ
گور پر تفتہ دلوں کے سارے پتھر پھٹ گئے

ہاتھ سے جوش جنوں کے اور خار دشت کے
جیب و دامن آخرش دونوں سراسر پھٹ گئے

نالہ کش اتنی ہوئی گلشن میں تو اے عندلیب
پردے گوش گل کے تیرا پھٹ گئے

خوب رویوں نے جو دیکھا جلوہ تیرے حسن
سب کے سینے جوں کتاں اے ماہ پیکر پھٹ گئے

اے ستمگر لے مبارک ہو کر تیرے روبرو
سب ترے فریادیوں کے آج محضر پھٹ گئے

ہو گئے پیدا مری قسمت سے دریا میں پہاڑ
تختے کشتی کے مرے کھاتے ہی ٹکر پھٹ گئے

مارے پتھر اس قدر لڑکوں نے چڑھ کر بام پر
تیرے دیوانوں کے اے رشک پری سر پھٹ گئے

کس نظر سے تو نے دیکھا میکدے میں محتسب
شیشہ مے خود بخود طاقوں کے اوپر پھٹ گئے

جوش گریہ دیکھ کر اس چشم دریا بار کا
ہو گئے تھے جمع جو بادل ہوا پر پھٹ گئے

جعلسازی کا تماشا تم نے دیکھا اے ظفر
سب کے بستے چھن گئے اور سب کے دفتر پھٹ گئے

تجھ سے بوند سرشک خود کی کوئی جس دم جھڑتی ہے
جھڑی ابر بہاری کی اے دیدہ پرنم جھڑتی ہے

تل ب سے گری شور محبت تو نے جلایا خوب مجھے
اک چنگاری ہر بن موسے وقت تپ غم جھڑتی ہ

ٹپکا تیرے لب سے نشے میں قطرہ مے اس لطف کے ساتھ
جیسے برگ گل سے کہیں گلزار میں شبنم جھڑتی ہے

کیا کیا حسرت آتی ہے ان کو خاک جو تیرے کشتوں کی
لگ کر تیرے دامن سے اے قاتل عالم جھڑتی ہے

سوتے ہیں مستی میں وہ کرتے ہی نہیں ہیں چشم بھی وا
نوبت میرے نالوں سے دروازے پر ہر دم جھڑتی ہے

تو جو رہے ہے ہم سے مدد اتنا اے گردوں لیکن
تجھ کو زیادہ ہو گئی نخوت گرد ترے کم جھڑتی ہے

نہ تو نہیں معلوم ہمیں کون آئے گا مہماں آج نیا
لیک حویلی ان کی ظفر ہاں سنتے ہیں ہم جھڑتی ہے

واں سر عارض جو موئے زلف خم کھا جائیں گے
تو بنا کر سانپ یاں افعی کے ہم کھا جائیں گے

بوسہ لب کے سوا تیرے نہ ہوگا فائدہ
گرچہ یاقوتی ترے بیمار غم کھا جائیں گے

واں پہ ٹھہریں گے نہ دیوانے ترے جوں گرباد
سیکڑوں چکر سردشت عدم کھا جائیں گے

ہاتھ میں رنج و الم کے وہ غضب چاقو ہیں تیز
انگلیاں کو بھی یہ مانند قلم کھا جائیں گے

دھیان رازق پر نہیں رکھتے یہ کہتے ہیں خسیس
کھائیں گے پھر کیا جو دام و درم کھا جائیں گے

گر یہی بے اضطراب دل تو بسمل ترے
کہتے ہیں ہم تیز شمشیر ستم کھا جائیں گے

سینہ وا کرکے نکالیں ان سیہ بختوں کی جان
جو تمہاری زلف کی جھوٹی قسم کھا جائیں گے

روز جو کھائیں گے رنج و غم محبت میں ظفر
دیکھ لینا ان کو اک دن رنج و غم کھا جائیں گے

نگاہ یار یوں داغ جگر پر جم کے بیٹھے ہے
کہ جیسے ضرب تیغ اچھی سپر پر جم کے بیٹھے ہے

ارادہ خاک میں کرتا ہے جو اپنے ملانے کا
وہ مثل نقش پا اس رہ گزر پر جم کے بیٹھے ہے

لب شیریں سے اس کے خال کو پہونچی یوں ہے
مگس جس طرح سے شہد و شکر پر جم کے بیٹھے ہے

لگا رہتا ہے تیرا باغ میں اے باغباں کھٹکا
کہاں مرغ چمن شاخ شجر پر جم کے بیٹھے ہے

ترے کوچے میں کس کی خاک یوں برباد ہوتی ہے
کہ گرداب دامن باد سحر پر جم کے بیٹھے ہے

دلا جو شہسوار عرصہ میدان ہمت ہے
عوض گھوڑے کے وہ تو شیر نر پر جم کے بیٹھے ہے

خیال زلف اس کا کیا دل پرداغ سے جاوے
کہ یہ مار سیہ اس گنج زر پر جم کے بیٹھے ہے

برنگ نقش سنگ اٹھتا نہیں ہرگز اٹھانے سے
یہ از خود رفتہ اپنا تیرے در پر جم کے بیٹھے ہے

وہ کیا بیٹھے جو مضطر ہو کر دیکھو گھر میں خاتم کے
نگینہ بیٹھتا ہے تو ظفر پر جم کے بیٹھے ہے

ترا دیوانہ مجنوں سے سوا مشہور عالم ہے
مگر مردہ پسندی شیوہ دستور عالم ہے

نہ کیونکر خندہ گل ہے بہم ہوکر یہ شبنم
غم واند وہ سے تو ام سرور دشوار عالم ہے

وہ عالم میں ہے پر عالم سے ہے اس کا جدا عالم
اسے کب پا سکے عالم یہ کب مقدور عالم ہے

وہ عالم یاں ہے دم سردی کا تیری سرد مہری سے
اثر سے سرد جس کے ہو گیا کافور عالم ہے !

ہمارا ذکر آئے ذکر کیا اللہ ری نفرت
وگرنہ یوں تو اس کی بزم میں مذکور عالم ہے

ستم ہے یہ کہ وہ شوخ ستمگر اس ستم پر بھی
پسند خلق مقبول جہاں منظور عالم ہے

ظفر جس پہ خدا ہے مہرباں سب مہرباں اس پر
کیا مقہور جس کو اس نے وہ مقہور عالم ہے

الٰہی ایسا ترے دل کا داغ گل ہو جائے
کہ جس کے سامنے گل کا چراغ گل ہو جائے

پئے شراب چمن میں اگر وہ رشک چمن
تو ہووے غنچہ گلابی ایاغ گل ہو جائے

لگی ہوائے محبت تو کیا عجب زاہد
کہ جمع گوشہ امن و فراغ گل ہو جائے

جو آئے باغ میں یکبارگی وہ رونق گل
تو اس کو دیکھ کے کیا باغ باغ گل و جائے

خدانخواستہ بجھ جائے گر یہ شعلہ آہ !
تو دل کے مشعل راہ سراغ گل ہو جائے

چمن میں کون سنے عندلیب کی فریاد
جو تیری طرح سے نازک دماغ گل ہو جائے

ظفر بعید نہیں اشک خوں سے مجنوں کے
نمود گر سرہرخسار داغ گل ہو جائے

جنوں نے حسن پرنخوت اگر سیکھی تو کیا سیکھی
نکورو ہو کے بدخصلت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

نہیں میری طرح برق جہاں کو یاد بیتابی !
وہ میری دیکھ کر حالت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

جو کھینچے یار کو اپنی طرف ہم اس کے قائل ہیں
کسی نے کھینچنی صورت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

ترے کام آئے عقبیٰ میں سیکھے کام سیکھ ایسا
پئے دنیا کوئی صنعت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

کتابیں دیکھ دیکھ آنکھوں کو پھوڑا اپنی واعظ نے
یہ کج بحثی بایں محنت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

تری طینت میں بے مہری ہے اب تو نے سکھائی ہے
کوئی رسم رہ الفت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

ظفر کچھ نیک شیوہ چاہیے انساں کو سیکھے
بری خوور بری عادت اگر سیکھی تو کیا سیکھی

سر اپنا گر تری تیغ جفا سے اڑ جائے
نہیں ہے کچھ ہمیں پروا بلا سے اڑ جائے

ہوائے وصل میں اس کے برنگ کاغذ باد
عجب نہیں کہ مرا خط ہوا سے اڑ جائے

کرے مریض محبت کو تو علاج اگر
تو اے طبیب اثر ہی دوا سے اڑ جائے

امید ہو ترے دیدار کی تو یہ بیتاب
لگا کے پر ترے شوق لقا سے اڑ جائے

سحر ہو مجھ پہ قیامت جو شب کو نیندان کی
مرے فغاں دل مبتلا سے اڑ جائے

دل اس کیہاتھ میں سیماب وار ہے بیتاب
کہیں نہ آتش رنگ حنا سے اڑ جائے

سمندر ناز کو وہ اپنے چاہتا ہے ظفر
کہ تازیانہ نہ زلف دوتا سے اڑ جائے

کسی کے روزن در دیکھ کر کھلے کے کھلے
ہمارے رہ گئے دیدے ادھر کھلے کے کھلے

کہوں میں چرخ کی خانہ خرابیاں کیا کیا
پڑے ہیں سینکڑوں عالم کے گھر کھلے کے کھلے

کلام کر نہ سکے تیرے سامنے غنچے
چمن میں سب کے رہے منہ سحر کھلے کے کھلے

کہیں ہیں یار نے شاید کھلی کھلی باتیں
وہاں سے لائے جو خط نامہ بر کھلے کے کھلے

گلوں کے ہوں گے جگر چاک چاک گلشن میں
رہیں گے بند قبا تیرے گر کھلے کے کھلے

حلاوت دم شمشیر سے تری قاتل
رہے مرے لب زخم جگر کھلے کے کھلے

نہ پایا ان سے جو ہم نے کلام کا یارا
ہمارے رہ گئے لب اے ظفر کھلے کے کھلے

ہوئے جس رات کو ہم ہجر میں روتے روتے
خواب میں وصل ہوا صبح کے ہوتے ہوتے

شمع کی طرح سے ہم رات کو روتے روتے
بہ گئے آنسوؤں میں صبح کے ہوتے ہوتے

جس کے ملنے کی تمنا تھی نہ پایا اس کو
ہو گئی عمر بسر جان کو کھوتے کھوتے

نہ ملی عشق میں فرہاد کو فرد محنت
مر گیا مفت وہ پتھر یونہی ڈھوتے ڈھوتے

تیرے دامن سے مرا خوں نہ چھٹے گا قاتل
گرچہ دامن ترا پھٹ جائے گا دھوتے دھوتے

موت یاد آئی تو غفلت سے ہوں یوں ہم ہشیار
ڈر کے جوں خواب میں چونکے کوئی سوتے سوتے

اے ظفر گریہ بارش سے مرے کیا ہے عجب
سبز ہو دانہ اگر خاک میں بوتے بوتے

اشک کے شورابے سے کیا آستیں گل جائے ہے
بلکہ چھنکے ہے زمیں پر تو زمیں گل جائے ہے اس سے تو

دل ترا ہے سخت پر یہ آہ وہ ہے جاں گداز
فولاد بھی اے نازنیں گل جائے ہے

رہتا کیوں غیر دل سے سرگرم ہم آغوشی ہے تو
جو لپیٹے سے ترے جائے کے چیں گل جائے ہے

عشق پگھلاتا ہے جس دم قطرہ زہراب غم
گوشت کیا تا استخوان تن وہیں گل جائے ہے

ہو مرے گریے سے بدتر یہ تن لاغر کا حال !
جیسے لکڑی رہ کے پانی میں کہیں گل جائے ہیں

اور بھی دلتا زیادہ ہے مری چھاتی پہ مونگ
دال جب واں غیر کی اے ہمنشیں گل جائے ہے

ہے رز گل کیا ظفر بلکہ زر خورشید بھی
دیکھ کر وہ تاب روئے آتشیں گل جائے ہے

ترے کوچے میں ہیں ہم صورت نقش قدم بیٹھے
کب اٹھتے ہیں اٹھائے سے کہ ظالم اب جم بیٹھے

کبھی افسوس وہ اور ہم نہ محفل میں بہم بیٹھے
جو ہم اٹھے تو وہ بیٹھے جو وہ اٹھے تو ہم بیٹھے

نہ آیا کر کے وعدہ رات کے آنے کا وہ مہوش
رہے ہم منتظر یاں شام سے تا صبحدم بیٹھے

جو اٹھے روز طوفاں یونہیں جوش گریہ سے میرے
عجب کیا گنبد گردوں بھی گر اے چشم نم بیٹھے

تری اک جنبش مژگاں سے اے شوخ کمال ابرو
ہمارے تو وہ سینہ میں سو تیر ستم بیٹھے

پڑا ہے شکل تصویر خیالی اپنے بستر پہ
کہاں طاقت کہ اٹھ کر یہ ترا بیمار غم بیٹھے

پھڑکتا ہے زیادہ پہلے پھنس کر دام میں طائر
کبھو آرام سے کیا تو گرفتار الم بیٹھے

نگین خانہ خاتم کی صورت سینہ کاوی ہے
کیا کرتے ہیں کیا کیا نام پیدا گھر میں ہم بیٹھے

ظفر گھبرا کے وہ اٹھ جائے آہ گرم سے میری !
کوئی ہمدم جو میرے پاس آ کر کوئی دم بیٹھے

نالہ کروں تو شور سے اس کے اک عالم گھبراتا ہے
اور اگر خاموش رہوں تو میرا دم گھبراتا ہے

دیکھ کے تیرے ناز و ادا ہر ایک تجھے دل دیتا ہے شوخ
دیکھتا ہے جس وقت ترے انداز ستم گھبراتا ہے

اگرچہ کیسا ہی کوئی قید میں ہووے ہستی کے
جاتے ہوئے وہ ہستی سے پر سوئے عدم گھبراتا ہے

ذکر نہ لا تو ہم سے ناصح ہر دم ترک محبت کا
کون سنے ان باتوں سے جی تیری قسم گھبراتا ہے

پوچھتے کیا ہو مجھ سے باعث دل کی مری گھبراہٹ کا
دیکھتا ہے جس وقت ہجوم رنج و الم گھبراتا ہے

رہ نورد دشت جنوں ہو کس میں ہے ہمت میرے سوا
قیس بھی گر اس وادی میں رکھتا ہے قدم گھبراتا ہے

آگے ظفر یہ حال تھا اپنا ہم غم سے گھبراتے تھے
ہو گئے غم کش ایسے اب ہم سے ہم گھبراتا ہے

دشت گردی تیرے دیوانوں نے پھر کیا خاک کی
خاک اڑا دی گر نہ سارے دشت و خاشاک کی

باگ لی جس وقت اپنے توسن چالاک کی
کیا کہوں برباد کیا کیا اس نے میری خاک کی

جب گل صد برگ کو وہ لے کے گلبازی کرے
دیکھے پھر حالت کوئی میرے دل صد چاک کی

کون کہتا ہے کہ یہ نکلے ہے شب کو کہکشاں
ہے مگر کوئی طناب اس خیمہ افلاک کی

جامہ آب رواں ہو جب ہجوم تارا شک
چشم عریاں کو مری حاجب ہو کیا پوشاک کی

کہہ دو حاضر ہے ابھی سر عاشق جانباز کا
ہے اگر یونہی خوشی اس قاتل سفاک کی

خاک میں مل جائے گی اے ابر تیری آبرو
دیکھ ہم چشمی نہ کر اس دیدہ نمناک کی

حسرتیں اس صید کو کیا کیا رہیں اے شہسوار
گر پڑا جو اک پر کھل کر گرہ فتراک کی

اے ظفر جو بوالہوس ہیں ان کو کب ہے تاب عشق
روکش آتش ہو کیا طاقت خس و خاشاک کی

ہمیشہ آنسوؤں سے بھی میری چشم نم پر ہے
صدف کو موتیوں سے کس نے دیکھایوں شکم پر ہ

ترے دست ستم سے مل گئے ہم خاک میں لیکن
کدورت سے ترا دل اب تلک اے پر ستم پر ہ

گئے دنیا سے خالی ہاتھ وہ آخر کر تھا جن
غرور اس پر کر اٹھا کیسہ دام و درم پر ہے

ہمارا دیدہ کوزہ تر رو لاب ہے گویا
کر ہوتا دمبدم خالی ہے اور پھر دمبدم پر ہے

کیا ہر چند میں نے مغز خالی رو برو تیرے
مگر شکووں س دل میرا ترے سر کی قسم پر ہے

ترے دیوانے جو روتے گئے زندان ہستی سے
گلوں سے اشک خوں کے دامن دشت عدم پر ہے

کہے ہے کون بہائے فلک کو اے ظفر خاکی
جھلکتی صاف ہے اس میں شراب رنج و غم پر ہے

غلط ہے شمع کے نالے سے میرے لو برابر ہے
اگر پوچھو تو بجلی بھی نہیں اک جو برابر ہے

تمہارے ابروئے خمدار سے اور ناخن پا سے
نہ تیغ مغربی ہمسر نہ ماہ نو برابر ہے

وہ سنتے ہی نہیں کوئی کہے تو کیا کہے ان سے
جو کہیئے تو برابر ہے نہ کہیے تو برابر ہے !

مجھے اے آشناؤ کام کیا ہے سیر دریا سے
روانی میرے اشکوں کی اور اس کی رو برابر ہے

ظفر رکھتے نہیں مطلب جہاں کے نکتہ دانوں سے
ہمیں فخر جہاں کا ایک نکتہ سو برابر ہے

صبا جب پاس دیکھے گل کے کانٹے
بنے پر رشک سے بلبل کے کانٹے

سموم آہ سے میرے چمن میں
ہوئے گل سوکھ کر سنبل کے کانٹے

رہے ہے پر خلش دشمن دم جنگ
نہیں یہ مرغ لڑتا کھل کے کانٹے

جو بیٹھیں دشت میں ہم اور مجنوں
نکالیں پاؤں سے مل جل کے کانٹے

بجز مژگان چشم یار ہم نے
نہ دیکھے گرد جام مل کے کانٹے

خلش سے عشق کے نالاں ہیں مشتاق !
کر بوئے اس نے حق میں گل کے کانٹے

ظفر پڑتے ہیں گری سے فغاں کے
زباں پر وقت شور و غل کے کانٹے

تار اشک خوں میں جو دیکھی مژہ الجھی ہوئی
تھی رگ برق و رگ ابر مژہ الجھی ہوئی

تیری مژگاں کو کہاں تسخیر دل سے ہے فراغ
کا میں اس ملک کے ہے یہ پیچ الجھی ہوئی

تار دامن میرے کب کانٹوں سے الجھے دشت میں
ہے جنوں دستار تیری ہر جگہ الجھی ہوئی

کیونکہ چھوٹے دیکھئے اس زلف کے پھندے میں ہے رات
جان میری باعث تار نگہ الجھی ہوئی !

دن اس فکر میں سودا سا ہے مجھ کو کہ زلف
کیوں ہے گر سلجھی ہوئی اس زنچہ گر الجھی ہوئی

یار ان کا کون دستگیر ہو دیکھی نہیں
دامن صرصر میں نوک خار رہ الجھی ہوئی

کہتے ہیں باریک ہیں آیا ہے عنقا زیر دام
اس کمر پہ دیکھ کر زلف سیہ الجھی ہوئی

حال جانے تو گرفتاری کا میری گر کہیں
ہو طبیعت تیری بھی اے رشک مہ الجھی ہوئی

گر الجھنا ہو تو منظور اس کو مجھ سے اے ظفر
تو کرے تقریر کیوں وہ کج کلہ الجھی ہوئی

رہوں بیٹھا قفس میں کیوں نہ سر کے پر سکے دابے
کو بولوں تو گلو صیاد خنجر کے سکے دابے

ہوا ہوں کشتہ اے قاتل ترا میں تجھ کو لازم ہے
کر میری نعش تو کل صنوبر کے سکے دابے

نہ جائے درد سر میرا اگرچہ لاکھ اے ہمدم
مرا سر اپنا زانو رکھ کے تو سر کے سکے دابے

جو دل طاقت نہیں رکھتا تو کہہ دو آپ کو ناحق
زمیں میں گنج و گوہر چرخ اخضر کے سکے دابے

ملا کر خاک میں کیا کیا تھا نے اہل جوہر کو
بہت تعویذ لکھ کر ہنسے پتھر کے سکے دابے

رقیب سنگدل ہم سے نہیں دیتا کسی صورت

زہے قسمت شہیدان محبت کی اگر ان کو
ظفر لا کر کوئی دیوار دلبر کے سکے دابے

جب چمن میں اس کے آنے کی خبر اڑ جائے گی
گل کی رونق دم میں اے باد سحر اڑ جائے گی

آپ کا کیا جائے گا گر خواب میں آؤ گے تم
نیند آنکھوں سے ہماری رات بھر اڑ جائے گی

کھول دے صیاد تو کھڑکی قفس کی شوق سے
بلبل بے بال و پر ظالم کدھر اڑ جائے گی

خون کو مل لے گا میرے تو کف پا سے ترے
سرخی رنگ حنا اے فتنہ گر اڑ جائے گی

آئے گا وہ مہوش اے دل تو شبنم کی طرح
تاب و طاقت تیری اس کو دیکھ کر اڑ جائے گی

یہ صبا سے کوئی پوچھے تیرے کیا آئے گا ہاتھ
خاک میری اس کے کوچے سے اگر اڑ جائے گی

شعلہ رخسار ساقی گر ہوا پر تو فگن 1
مے جو ساغر میں ہے تیر اے ظفر اڑ جائیگی

کیا جانے کیا وہاں دل نالان پہ بنی
جس کے قلق سے یاں ہے مری جان پہ بنی

پہلے تو عشق میں دل و ایمان پہ بنی
پھر ایسی بن گئی کہ مری جان پہ بنی

ناصح نہ پوچھ مجھ سے کہ فصل بہار میں
ہاتھوں سے کیا جنوں کے گریبان پہ بنی

منظور ایسا پردہ ہے کس سے کہ مہ جبیں
دیوار اور کوٹھے کے والان پہ بنی

دیتا ہی اک نگاہ پہ میں دل کے ساتھ جان
قیمت نہ ان سے اپنی بھی نقصان پہ بنی

وحشت میں جتنی خاک پڑی اڑ کے جسم پہ
پوشاک وہ مرے تن عریان پہ بنی

جوں آئینہ نہ کر سکے دل کی نہ چھپ سکے
مشکل ہے اب تو عاشق حیران پہ بنی

خط کا جواب لائے گا قاصد یقین تھا
ک سے نہ بات پھر کسی عنوان پہ بنی

زیبا ہے روئے یار پہ یوں قشقہ جبیں
جس طرح لوح ہو سر قرآن پہ بنی

مطلق نہیں عمارت ہستی کو جو قیام
گویا کہ ہے ہوا سے بیان پہ بنی

پہلے تو اس نے بار امانت اٹھا لیا
پھر کیا کہوں ظفر کہ جو انسان پہ بنی

کسی کو دوں دیجے دوستو کیا بندہ عاجز ہے
ہوا دشمن جو دل سا دوست اپنا بندہ عاجز ہے

مرے رونے پہ کیوں ہنستے ہو صاحب خوف کی جا ہے
مقدر کا نہیں مٹتا ہے لکھا بندہ عاجز ہے

تھا وہ شے ہے نالے سے کسی صورت نہیں ملتی
اسی جا پر تو یارو آہ ہوتا بندہ عاجز ہے

لگا کر ہاتھ ہم اس کان کے نالے کو بچائے
بندھا طوفان اور اس پہ دوبالا بندہ عاجز ہے

نہ پوچھو دوستو ہم سے شب فرقت کے عالم میں
کہوں کیا میں قلق جو دل پہ گزرا بندہ عاجز ہے

کروں میں عجز تم سے اور تم مجھ سے غرور اتنا
کہے کیا بندہ پرور تم سے بندہ بندہ عاجز ہے

کشش دل کی کوئی آفت سے آخر کھینچ ہی لائی
نہیں یوسف سر بازار بکتا بندہ عاجز ہے

مجھے رونے سے مت روکو کوئی رونا یہ رکتا ہے
کہوں کیا بس نہیں کچھ دل پہ چلتا بندہ عاجز ہے

بتوں کے عشق میں دیکھ اپنا عالم خلق کہتی ہے
کہ ہاں ڈریے خدا سے ہائے توبہ بندہ عاجز ہے

سبھی منہ موڑتے ہیں اب ظفر کو دیکھ محفل میں
کہو اس نے کیا کیا ہے کسی کا بندہ عاجز ہے

یوں دل اس شوخ جفا پیشہ کے بس میں پھڑکے
مرغ وحشی کوئی جس طرح قفس میں پھڑکے

ابھی ہونے کا نہیں لڑنے کو تیار عدو
پھڑکے یہ مرغ تو دو چار برس میں پھڑکے

جس طرح نعمت دنیا میں ہیں بیتاب حریص
یوں مگس گر کے نہ شربت میں نہ رس میں پھڑکے

آمد ناقۂ لیلے ہو اگر اے مجنوں !
دل ترا کیونکہ نہ اک روز جرس میں پھڑکے

خوبرو جتنے ہوں اک ایک کا دم جائے پھڑک
شوخ جس وقت کرتجا ترا اس میں پھڑکے

دل بسمل کا ہے یہ حال تری مژگاں میں
مرغ مذبوح کوئی جیسے کہ خس میں پھڑکے

وصل اس کا نہ میسر ہو اگر لاکھ برس
آنکھ میری اسی امید و ہوس میں پھڑکے

مل نہیں سکتا ہے گو طائر تصویر ظفر
پر مرے نالے سے وہ ایک نفس میں پھڑکے

ہے بجا گر کہیے دنیا سے محبت اٹھ گئی
پاس تھا جن کو محبت کا وہ خلائق اٹھ گئی

جلوہ تیرا ہی نظر آیا تصور میں ترے
آنکھ اپنی جس طرف اے ماہ طلعت اٹھ گئی

غیر جو کچھ ہم کو کہتے ہیں کھڑے سنتے ہیں ہم
جب سے دے بیٹھے تمہیں دل پائی غیرت اٹھ گئی

تشنۂ مے سے چمن میں اور اک فتنہ اٹھا
جب تری شرم و حیا اے سرو قامت اٹھ گئی

کوئی روکے سے رکے ہے توسن دیوانگی !
اب تو اس کی باگ سوئے دشت وحشت اٹھ گئی

کر چکے سو بار تیرا امتحاں اب تو ہمیں
تجھ سے امید وفا اے بے مروت اٹھ گئی

کس توقع پر کسی کی ہم لگائیں اپنا دل
اے ظفر بالکل جہاں سے رسم الفت اٹھ گئی

جب اس کا تیر نگہ ناوک قضا بن جائے
تو کیسے صید محبت کے جی پہ کیا بن جائے

ہزار عقدہ مشکل ہوں واہ ابھی دل سے !
جو تیرا ناخن ابرو گرہ کشا بن جائے

کسی روش مری آنکھوں پہ وہ قدم تو رکھے
بلا سے چشم مری چشم نقش پا بن جائے

چلے نہ یہ تراغم کش اگرچہ ہر دیوار
سرور عشق سے دیوار قہقہا بن جائے

دیا تھا ہم نے اسے باوفا سمجھ کر دل
جو تازیانہ ترا طرہ دوتا بن جائے

سمند ناز پہ وہ اپنے گرم جولاں ہوں !
تو آسماں کوئی پانی کا بلبلا بن جائے

وفور گریہ عاشق سے گر چھڑے دریا
کہ جام بادہ بھی جام جہاں نما بن جائے

عجب نہیں ہے کرشمے سے چشم ساقی کے

ظفر یہ دل جو ہے سیماب کی طرح بیتاب
اگر ہو کشتہ محبت میں کیمیا بن جائے

جو پچھے آہ کے ہیں دل کے داغ کو تکتے
ہوا کے جھوکے نہ دیکھے چراغ کو تکتے

ہم اپنے کاٹتے ہیں لب ہزار حسرت سے
تمہارے ہونٹ ہیں جس دم ایاغ کو تکتے

جو اس سے ہوتے نہ روکش تو ہاتھ سے تیرے
صبا طمانچے نہ کھاے باغ کو تکتے

ہمارے آبلہ پا کی دولت اے وحشت
گہر ہیں سیکڑوں دامان داغ کو تکتے

وہ خط کے رونگٹے ہیں زیب خال رخ ہوت
خدا کی شان ہے کیا پر ہیں زاغ کو تکتے

ہم ایسے ہوتے ہیں جن کو ہے جستجو تیری
کہ ہیں وہ ڈھونڈنے اپنے سراغ کو تکتے

نہ کیونکہ گرمی دل سے دماغ جل جائے
ظفر میں رنجرہ دل کے دماغ کو تکتے

نصیب اچھے اگر بلبل کے ہوتے
تو کیوں پہلو میں کانٹے گل کے ہوتے

جو ہم لکھتے تمہارا وصف گیسو
تو مسطر تارے سنبل کے ہوتے

جو ہوتا ظرف ساقی ہم کو معلوم
تو منت کش نہ جام مل کے ہوتے

ہمارے وقت میں فرہاد و مجنوں
جو ہوتے دن بستر مل جل کے ہوتے

خلاف شرع سے ناداں نہ ہوتا
غریق بحر عصیاں بل کے ہوتے

جتاتے مست گر نازک دماغی
تو برہم شور سے قلقل کے ہوتے

لگاتے شمع ساں گر لو نہ تجھ سے
تو یوں آخر نہ ہم گھل گھل کے ہوت

نہ ہوتے حضرت دل پا بہ زنجیر
جو سودائی نہ اس کاکل کے ہوتے

ظفر سنتے جو تیرے شعر پھر وہ
نہ قائل طالب آمل کے ہوتے !

ہاں عقل تو کہتی ہے تدبیر چلی جائے
پر تیری کنک بھی کچھ تقدیر چلی جائے

گو ہم کو جواب خط بھیجیں نہ وہ اے قاصد
پر اپنی طرف سے کچھ تحریر چلی جائے

ہم ساکن وہم مسکن فانی ہے اور اس پر بھی
دل چاہتا ہے ہوتی تعمیر چلی جاء

منظور بہر صورت ہے کلک تصور سے
تصویر پہ یاں کھنچتی تصویر چلی جائے

میں زخم کے قابل ہوں اٹھا کر اجل سر پہ
کھینچے ہوئے گر آئے شمشیر چلی جائے

جان آگئی ہونٹوں پہ تو اب تلک آتا ہ
افسوس تری اب بھی تاخیر چلی جائے

وہ خانہ دل میں میرا ہے غمکدہ، گر اس میں
آجائے خوشی ہو کر دلگیر چلی جائے

گر تیر چلے تیرا جال صید محبت کی
ہونے کو ہدف آئے سو تیر چلی جائے

وہ سامنے بیٹھے ہیں خاموش نہ بیٹھو تم
ہاں کچھ تو ظفر ان سے تقریر چلی جائے

یوں ہی تلوار نہ وہ ہاتھ میں لے کر تولے
پہلے عاشق کو نظر میں تو ستم گر تولے

شیشہ و سنگ ہے دل میرا اور اس کا کوئی
کیونکہ میزان محبت میں برابر تولے

استخوانوں کو مرے اے سگ کوئے جاناں
گرچہ لئے ہیں مزے ان کو چبا کر تولے

جب وہ دل تھے عجب کیا ہے کہ اس مہوش کو
لے کے خورشید سے میزاں میں فلک زر تولے

آ کے حل جائیں نہ کیوں اشک مری مژگاں پہ
کہ اسی کانٹے سے جاتے ہیں یہ گوہر تولے

کھائے ہے زہر غم عشق مرا دل سیروں
نہ تو ہے جانا ماشے نہ یہ مضطر تولے

ہو مرا صبر گراں سنگ ستم سے اس کے
کوئی میزان عدالت میں ظفر کو تولے

صحبت گل ہے فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی
آج کل سارے چمن کی ہے ہوا بگڑی ہوئی

دل شکستوں کا سخن کیونکر نہ ہووے نادرست
ساز بگڑے ہے تو نکلے ہے صدا بگڑی ہوئی

مجمع خوباں میں گر تصویر بن کر جائے یار
آئے پھر صورت نظر سب کو دلا بگڑی ہوئی

بیچ میں شانہ پڑا لیکن سنورتی ہی نہیں
زلف اس کی ہے مرے دل کی بلا بگڑی ہوئی

لے خبر تو اس کی اے عیسی النفس جلدی کر آج
ہے ترے بیمار کی حالت سوا بگڑی ہوئی

آدمی کہتے ہیں جس کو اک پتلا گل کا ہے
پھر کہاں کل اس کو گر کل ہو ذرا بگڑی ہوئی

کھل گئی ہم پر کہ بندوں سے کبھی بگڑی ہے آج
سر پہ ہے پگڑی جو تیرے زاہدا! بگڑی ہوئی

دیکھئے کیسی بنے ہر بات پر بگڑے ہے تو
ہے تری خو بے طرح اے دلربا بگڑی ہوئی

ہیں سبھی باتیں بناتے پر ہیں قائل اس کے ہم
اے ظفر جو بات دے کوئی بنا بگڑی ہوئی

گر دل وارستہ زندان ہوس میں بند ہے
مرغ وحشی ہے کہ گویا وہ قفس میں بند ہے

آئے دنیا کے قریبوں میں کوئی کیا تیز ہوش
شعلہ ہو سکتا کہیں بھی خار و خس میں بند ہے

ایک پل میں بیج کو توڑا میرے جوش گریہ نے
ٹوٹتا دریا ہے کب وہ سو برس میں بند ہے

ہے گرفتاری میں دنیا کی حلاوت بس حریص
یعنی ذوق انگبیں پائے مگس میں بند ہے

ساتھ دل کے دمبدم ہے انبساط و انقباض
کھلتا ہے یکدم میں ہوتا اک نفس میں بند ہے

گر مقید شرع کا ہے کوئی بدمذہب بزور
یہ سمجھئے دز و زنجیر عسس میں بند ہے

ایک سے دو تو نہیں رکھتا وہ باتوں میں ظفر
شرم سے ہو جاتا لیکن یار دس میں بند ہے

گالیاں تنخواہ ٹھہری ہے اگر بٹ جائے گی
عاشقوں کے گھر مٹھائی لب شکر بٹ جائے گی

روبرو گر ہوگا یوسف اور تو آجائیگا
اس کی جانب سے زلیخا کی نظر بٹ جائے گی

رہزنوں میں نازو غمزہ کی یہ جنس دین و دل
جوں متاع بردہ آخر ہم دگر بٹ جائے گی

ہوگا کیا گر بول اٹھے گا غیر باتوں میں میری !
پھر طبیعت میری اے بیداد گر بٹ جائے گی

دولت دنیا نہیں جانے کی ہرگز تیرے ساتھ
بعد تیرے سب یہیں اے بے خبر بٹ جائے گی

کرلے اے دل جان کو بھی رنج وغم میں تو شریک
یہ جو محنت تجھ پہ ہے کچھ کچھ مگر بٹ جائے گی

سونگ چھاتی پہ جو دلتے ہیں کسی کی دیکھنا
جوتیوں میں دال ان کی اے ظفر بٹ جائیگی

کیا کہوں جس دم مژہ اس عشوہ گر کی مل گئی
نوک سی گویا جگر میں نیشتر کی مل گئی

اس کو یہ کھٹکا ہوا آیا کوئی خانہ خراب
ہاتھ سے درباں کے جب زنجیر در کی مل گئی

پہنچا صدمہ عارض نازک پہ مل بے ناز کی
گرہوا سے زلف اس رشک قمر کی مل گئی

سر کے دینے سے کیا انکار عاشق نے کہاں
تو ہی کر گردن کب اس آشفتہ سر کی مل گئی

دیکھنا بھونچال سے مل جائے گا سارا جہاں
اک ذرا ابرو اگر اس فتنہ گر کی مل گئی

ہے دل بیتاب زیر خاک بھی گرم طپش
گور سواری ترے تفتہ جگر کی مل گئی

کیا قیامت ہے ہماری صرصر آہ وفغاں
جس سے باغ دہر میں جڑ ہر شجر کی مل گئی

نعمت دنیا کو چھوڑے کس طرح جان حریص
ہے یہ مکھی چاٹ پر شیروشکر کی مل گئی

مضطرب ہو کر جو مارا ہم نے سر دیوار سے
اے ظفر بنیاد تک بھی ان کے گھر کی مل گئی

ہے یہ ڈر دل کو نہ چشم مست مہوش کھینچ لے
اپنے مذہب میں نہ اس صوفی کو میکش کھینچ لے

شمع کی جذب محبت میں نہ ہووے گر اثر
کون پر دانے کو پھریوں سوئے آتش کھینچ لے

پھینک دے وہ کھینچ کر جانے کہ شاید مرگیا
دم کو عاشق اپنے گر کھا کر ذرا غش کھینچ لے

وہ کماں دار اپنے عاشق پر ہو گر ناوک فگن
خالی ترکش چھوڑ دے سب تیر ترکش کھینچ لے

کھینچ کر قشقہ جبیں کا نقشہ کھینچا ہے جو یار
تو مصور صورت لوح منقش کھینچ لے

زلف ہے اے شوخ کا فرکیش تیری وہ کمند
صد دل مغموم صد جان مشوش کھینچ لے

دم محبت کا ظفر دیکھیں تو پھر بھرتا ہے کون
گر ذرا تیغ ستم وہ شوخ و سرکش کھینچ لے

اشک خوں سے بھیگے مژگاں پر چمن پھولے ہوئے
ہیں شگوفے عشق کے اے گلبدن پھولے ہوئے

گر نہیں منہ میں بھرا ان کے صبا خون جگر !
ہیں یہ کیوں گلشن میں غنچوں کے دہن پھولے ہوئے

قشقہ سرخ اس جبیں پر دیکھ دیکھے سے دلا
کیا شفق کو تو سرچرخ کہن پھولے ہوئے

دیکھ کر تجھ کو چمن میں گل سماتے ہیں نہیں
پیرہن میں اپنے اے گل پیرہن پھولے ہوئے

پہن کر پوشاک جو پھولیں اگر غفلت زدے
جانیے مردے ہیں یہ زیر کفن پھولے ہوئے

منہ پھلایا دیکھ کر شاید تجھے گل گیر نے
گال اس کے ہیں جو اے شمع لگن پھولے ہوئے

پیٹ میں بات اے ظفر جن کے سما سکتی نہیں
ان کے رہتے ہیں شکم ہاں اے ظفر پھولے ہوئے

نوک مژگاں کی ہے جو نیزہ زنی میں تیزی
وہ نہ دیکھی کسی برچھی کی انی میں تیزی

گوہر اشک نے جو میرے دیا مول بہا
نہ رہی قیمت در عدنی میں تیزی

عشق نے تیز کیا تیرے لئے تیشہ مرگ
دیکھ فرہاد نہ کر کوہ کنی میں تیزی

بات بگڑے ہے تو پھر ذہن بھی ہو جائے ہے کند
تیز ہوشوں کو بن آتی ہے بنی میں تیزی

بعد کیا اشک کی کرتی ہے جگر کے ٹکڑے
دیکھی ایسی تو نہ ہیرے کی کنی میں تیزی

نہ کھلے ایک گرہ غنچہ دل گر ہو ہزار
ناخن موج نسیم چمنی میں تیزی

ہو کے تیز آئے ہے کیا منہ پہ مرے طفل سرشک
لو ابھی سے ہے یہ اس ناشدنی میں تیزی

کرتی ہیں تیر نگاہیں تری اے کافر کیش
دیکھ کیا کیا مری ناوک فگنی میں تیزی

اے ظفر ہوتا ہے ٹکڑے جگر اہل سخن
ہے زباں کی تری وہ خوش سخنی میں تیزی

نہ تو روتے ہیں نہ ہنستے ہیں نہ بکتے منہ سے
دل پہ جو گزرے ہے ہم کہہ نہیں سکتے منہ سے

بیٹھے ہیں مارے حسن کے کھنچے پہ !
نہیں وہ گیسوئے مشکیں جو سرکتے منہ سے

ہونٹ تر کرنے کو بھی لب ہیں ترستے ساقی
یا لگاتے تھے کبھی جام چھلکتے منہ سے

لوٹتے رات کو تارے ہیں کر مہوش سر زلف
قطرے ہیں تیرے پسینے کے ڈھلکتے منہ سے

سوز دل خاک چھپاؤں کہ نکلتے ہیں سدا
ساتھ ہر آہ کے شعلے سے بھڑکتے منہ سے

دیکھو زلف عرق افشاں کو نہ دیکھا ہو اگر
تم نے زہر اب کو افعی کے ٹپکتے منہ سے

منہ لگائے کوئی کیا ایسے اچکوں کو ظفر
ہیں جو کمبخت نوالے کو اچکتے منہ سے

میں ہوں ضعیف و ناتواں دور ہے یار کی گلی
اس کے ہوائے وصل پہ مجھ کو اڑا کے لے چلی

حال عدم نہ کچھ کھلا گزرے ہے رفتگاں پہ کیا
کوئی حقیقت آن کر کہتا نہیں بری بھلی

جب کف پا میں یار کے غیر نے واں لی حنا
یاں دل پائمال غم کرنے لگا تلالی

خاک پہ چہ میری کیا قدم رکھے وہ شوخ نازنیں
چبھتا ہے خار زیر پا گرچہ ہو فرش مخملی

میرا علاج درد سر یہ ہے جو تجھ سے ہو سکے
سر سے تو میرے باندھ دے اپنا دوپٹہ صندلی

کل سے وہ غنچہ لب مرا مجھ سے جدا ہو گیا
جان کو اضطراب ہے دل کو ہے میرے بے کلی

رہوے ظفر یہ تا کجا رنج و الم میں مبتلا
اس کی مدد شتاب ہو وقت مدد ہے یا علی

کم نہیں ہوتی ہے اس دنیا کی الفت بڑھتی جاتی ہے
جوں جوں عمر ہے گھٹتی جاتی غفلت بڑھتی ہے

ہووے کیا کم حسن میں تیرے بوسے جو دے تو عارض کے
بلکہ زکوٰۃ دولت سے ہاں دولت بڑھتی جاتی ہے

جب سے ہوئے ہیں مفتوں ہم اس شوخ کی چشم وحشی پر
دیکھتے ہیں ہر روز زیادہ وحشت بڑھتی جاتی ہے

تیرے حسن روز افزوں کی تابش مثل ماہ نو
خوب جو دیکھا ہم نے اے مہ طلعت بڑھتی جاتی ہے

دل کو خالی کرتے ہیں ہم جتنا اپنے رو رو کر
اتنی ہی دل میں اور ہماری حسرت بڑھتی جاتی ہے

جو کہ ہیں عاشق تیرے ان کو غم کیا خواری و ذلت کا
عشق کے نزدیک اور زیادہ عزت بڑھتی جاتی ہے

قدر ظفر ہر چیز نے پائی عالم میں کیا کہنے سے
جنس جو کم ہوتی جاتی ہے قیمت بڑھتی جاتی ہے

ہجر کی شب آپ ہی تیرے کان دل بیمار بجے
ورنہ ابھی ہے صبح کہاں نے تین بجے نے چار بجے

تو جو کہے کچھ ہم سے بجا تو ہم بھی لائیں حکم بجا
تالی دو ہی بجتی ہے اک ہاتھ سے کب اے یار بجے

حسن تو ساز عشق ہے بلبل تو نہ اگر ہو نغمہ سرا
چٹکی غنچۂ گل کی پھر بے لطف بے کار بجے

دل جو ہمارا گھر گھر ہو بتوں کا کیوں نہ جگر فریاد کرے
ہووے جہاں بت خانہ وہاں ناقوس بھی واں سو بار بجے

ہے رگ جاں لبریز فغاں انگشت سے تو گر مژگاں کے
چھیڑ دے اس کو ایک ذرا طنبور کا جیسے تار بجے

پہنچے جس دم نوبت راز عشق کے افشا ہونے کی
کیا کہوں کیا رسوائی کے نقارے سر بازار بجے

زلف سیہ کو دیکھ کے سرکش آج ظفر اس کافر کی
دل ہے مرا یوں نالاں جیسے تو بی پیش مار بجے

ہم اس طرح ہیں ہجر کی راتوں کو کاٹتے !
سینہ ہیں اپنا کوٹتے ، ہاتھوں کو کاٹتے

کرتے نہ قطع آپ اگر مجھ سے دوستی
بزم عدو میں کیوں مری باتوں کو کاٹتے

چڑھتی جو لہر زلف کی اس کی تو خط موج
دریا میں سانپ بن کے نہاتوں کو کاٹتے

کوچے میں ان کے پہنچے مرے بے خبر رفیق !
ورنہ وہ کوچے دیکھ کے ہاتھوں کو کاٹتے

دیوانے گر نہ ہوں سگ دنیا تو کیوں پھنسیں !
یہ بدخصال ٹھیک صفاتوں کو کاٹتے

ہیں تار زلف یار کے اُلجھی نہیں نہ چھیڑ !
یہ اے ظفر ہیں ہاتھ لگا توں کو کاٹتے

ہم نے اس کوچے میں جو راز حزیں دیکھا ہے
روش اشک اسے سربہ زمیں دیکھا ہے

جلوہ جو ہم نے ترا ماہ جبیں دیکھا ہے
خواب میں بھی وہ زلیخا نے نہیں دیکھا ہے

سینہ صافوں کی نہیں ہوتی مکدر صورت
کہیں آئینہ کو بھی چیں بہ جبیں دیکھا ہے

رہتی روپوش نہیں پردہ فانوس میں شمع
دل میں چھپتی ہے کہیں نور یقیں دیکھا ہے

بے خطا باندھتی ہے دل کو تری زلف سیاہ
اس قدر ظلم یہ اندھیر نہیں دیکھا ہے

خود فراموش ہوں اتنا کہ اگر آپ کو میں
دیکھ پاؤں تو یہ جانوں کہ کہیں دیکھا ہے

تیر غم کا ہے گزر دل میں خدا خیر کرکے
کہ فرشتے نے گھر اے جان حزیں دیکھا ہے

ناصحا دیکھ ہمیں چشم حقارت سے نہ دیکھ
ارے کم بخت اسے تو نے نہیں دیکھا ہے

دوست اپنا نہ ظفر ہم نے بتوں کو دیکھا
جس کو دیکھا ہے عدوئے دل و دیں دیکھا ہے

حیات قید ہے اے ہم نفس ہمارے لئے
بنا ہے تار نفس کا قفس ہمارے لئے

تمہاری زلف تلک پہنچے پنجہ شانہ
ہزار حیف نہ ہو دسترس ہمارے لئے

شتاب آ کہیں ظالم کہ ایک ایک گھڑی
بغیر تیرے ہے اک اک برس ہمارے لئے

مژہ سے اشک جو ٹپکیں ملیں بدن سے ہم
کہ عشق میں ہے یہی عطر خس ہمارے لئے

ہمارا قتل جو منظور ہے تجھے ظالم !!
تو ایک غمزہ بھی کافی ہے بس ہمارے لئے

دو لب دو چشم دو ابرو دو عارض اور دو زلف
یہ کیوں ہیں قاتل سفاک دس ہمارے لئے

ظفر بنایا اسی واسطے بشر ہم کو
کہ ہے بنائے ہو و ہوس ہمارے لئے

ناخن غم ہم کو لیڈا پیشتر پہنچائیں گے !
دیکھ لینا زخم دل کو تا جگر پہنچائیں گے

دل نہ دیتے ان کو ہم اپنا اگر یہ جانتے
وہ ہمیں صدموں پہ صدمے اس قدر پہنچائیں گے

یہ تو ممکن ہی نہیں پہنچیں در تاثیر تک
نالہ دل آپ کو گر عرش پہنچائیں گے

دل نہ جلنے دیں گے سوز غم سے ہم لیں گے بچا
دیدہ تر آپ کچھ پانی اگر پہنچائیں گے

زلف کے کوچے میں اے دل تجھ کو جانا ہ پڑا
یوں نہ جائے گا اگر تو باندھ کر پہنچائیں گے

قاصد اشک اس کے کوچے تک نہ جائیں گے اگر
میرے دل کی تو بھلا تجھ کو خبر پہنچائیں گے

نہ بیچ کر دل ان کے ہاتھوں رکھ نہ تو امید سود
دیکھنا وہ اے ظفر تجھ کو ضرر پہنچائیں گے

لگاتے مقصد ہیں روز آ کر ہماری تم سے تمہاری ہم سے
یقیں ہے بگڑے گی اب مقرر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

سدا جو باہم ہو شور فزا تمہارا حسن اور عشق اپنا
تو ہو نہ شہرت جہاں میں کیونکر تمہاری ہمسے تمہاری ہمسے

چھپائیں کس طرح دل کی حالت نگہ ہے غماز وہ قیامت
کہ صاف کہہ دیتی ہے یہ منہ پر ہماری تم سے تمہاری ہمسے

اگر ہو منظور آشتائی تو کیجے اس طرح کی صفائی
کہ پھر طبیعت نہ ہو مکدر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

کو محبت کا پاس اتنا کہ جوڑیں آپ میں منہ نہ اپنا
شکایت اغیار اور سن کر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

ہمارا آنکھوں میں آ چکا دم نہ جاؤ بالیں سے پھر کہاں دم
کہ ہے ملاقات اور دم بھر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

کسی نے بہکا دیا مقرر کہ یاں پھٹکتے نہیں تم آ کر
وگرنہ رہتی تھی صحبت اکثر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

نہ کچھ کہو تم نہ کچھ کہیں ہم سمجھ لو بس دل کی دل میں باہم
کہ چھپتی نہیں بات بندہ پرور ہماری تم سے تمہاری ہم سے

ظفر کہیں ہم جو آئیں وہاں کہ ہم اسی دن تھے دے چکے جاں
لگی تھی جس روز آنکھ دلبر ہماری تم سے تمہاری ہم سے

سودے میں ہم تمہارے خط مشک سود کے
ترساں ہیں ہم ضرر کے نہ خواہاں ہیں سود کے

شب جلوہ کس کا خواب میں دیکھا کہ صبح تک
جاری ہیں حرف میری زباں پہ درود کے

مر جائے گر کوئی جو ترا دیکھ کر لباس
تربت پہ اس کے چاہیے ہوں نخل عود کے

رنگ مسی م یہ آتے ہیں دھیان کسی کے یاد !
شب کو ستارے دیکھ کے چرخ کبود کے

نل دیا کے منہ پہ ہیں ٹیکے کلک کے
سمجھو نشان نہ اس کی جبیں پہ سجود کے

باندھے ہے اپنی ہستی اک دم پہ تو ہوا !
قائل نہیں حیات تری ہم نمود کے

پڑھتا ہوں ایک مطلع و مقطع میں حسب حال ق
دیکھے تماشے میں نے جو ملک وجود کے

اک دن وہ تھا کہ ٹوٹے نہ تھے دانت دودھ کے
پھر یہ وا گزرنے لگے کھیل کود کے

اب ہے یہ حال عالم پیری میں اے ظفر
باقی نہیں حواس بھی گفت و شنود کے

ہم قریب مرگ جن کے عشق میں غم سے ہوئے
دیکھ کر ہم کو وہ اور الٹے خفا ہم سے ہوئے

شانہ ساں گستاخ کب ہم زلف پر خم سے ہوئے
ہو کے برہم اس قدر خم رو جو تم ہم سے ہوئے

دیکھ کر گلشن میں اس روئے عرق آلود کو
لالہ و گل غرق آب شرم شبنم سے ہوئے

فتنہ اے دستار تیرے آگے گیا مارے گا دم
سینکڑوں فتنے یہاں پیدا ترے دم سے ہوئے

عشق میں مرہم گئے لیکن کبھی اے چارہ گر
زخم دل اپنے ذرا واقف نہ مرہم سے ہوئے

باغ میں اس سروقد بن کیا ہوا ماتم کدہ !
نخل بھی معلوم مجھ کو نخل ماتم سے ہوئے

کیا ہوا اگرچہ فرشتوں سے ہوئی اک بندگی
کام پر سارے خدائی کے تو آدم سے ہوئے

یہ غضب دیکھو نہیں وہ بھی ہمیں کہتے بھلا
واسطے جن کے برے ہم ایک عالم سے ہوئے

آتش غم دل میں بھڑکی ہے وہی اشک ظفر
کہتے ہیں دریا رواں کو چشم پرنم سے ہوئے

گر توڑ کے دل نالہ مرا تو سے نکل جائے
تو پار فلک کے یہ ابھی سر سے نکل جائے

ابرو ترا وہ تیغ و پسر مردمک چشم
رستم کا بھی دم جن کی اک جھڑ سے نکل جائے

رکھتی ہے اثر سب کی دعا کام ہمارا
صوفی سے نکل آئے کر جھگڑے سے نکل جائے

وہ عشق نے ڈالی ہے رسن میرے گلو میں
جس وقت کہ دھر کھینچے تو سر دھڑ سے نکل جائے

بھاگے ترا دیوانہ اگر جانب صحرا
دس بیس قدم آگے وہ جھکڑ سے نکل جائے

سودائے سر زلف کا اخراج ہے مشکل
یہ مادہ ایسا نہیں جو جڑ سے نکل جائے

تڑپے جو سر خاک ظفر عاشق بے تاب
مل جائے زمیں کوہ اکھڑ جڑ سے نکل جائے

قامت یار کی جب رعنائی
یاد آئی تو قیامت آئی !

زلف سے کیا تھا سروکار اسے
دل کو ہونا تھا مگر سودائی

حسن کے واسطے شہرت درکار
عشق کو چاہیے ہے رسوائی

دل جو الجھے تو اسے سلجھاؤ
زلف سلجھائی تو کیا سلجھائی

جنبش دامن مژگاں نے تری
دل کی آگ اور سوا بھڑکائی

تم نہ آئے سربالیں افسوس
اور مری جان لبوں پر آئی

دل بیتاب کو ٹھہرائیں گے ہم
تم نے آنے کی اگر ٹھہرائی

دیکھ اندوہ کا دل پر انبوہ
اے ظفر جان بہت گھبرائی

عشق میں ظاہر گو کہ نہیں یہ تیرا مائل رہتا ہے
لیکن اٹھا وہ دور ہے دل میں جس سے سدا رہتا ہے

خون کی بوندیں ہیں جو ٹپکتی چشم حلقہ جوہر سے
دیکھ کے اپنے بسمل کو کیا خنجر قاتل رہتا ہے

ہوتے ہیں اشک گرم سے پیدا آبلے جائے چھالوں کے
بیٹھ کے تیرا سوختہ جاں یہ جب کب ساحل رہتا ہے

دیر نہ کر بھرے سے پیالہ دیکھ تو ابر بہاری کو
جان کو تیری کب سے یہ اے ساقی محفل رہتا ہے

اشک کے دریا جن نے بہائے اور نہ بجھائی سوزش دل
رونے سے کیا حاصل اس کے وہ لا حاصل رہتا ہے

ہاتھ میں جس کے تیرا دامن آ کر قاتل چھوٹ گیا
ہائے پھر اپنے نصیبوں کو وہ کیا کیا بسمل رہتا ہے

پونچھ کبھی تو اشک ظفر کے قاتل اپنے دامن سے
آٹھ پہر وہ غم میں تیرے اے حور شمائل رہتا ہے

یہ جو تیزی تیری اے بیداد گر خنجر میں ہے
کچھ تو تھوڑی سی تاثیر نظر خنجر میں ہے

کام کیا قاتل ہمیں جب مر گئے ہم تشنہ کا
آب آب زندگی تیرے اگر خنجر میں ہے

کون ہمسر ہو سکے اس ابروئے خمدار سے
دم نہ اتنا تیغ میں نے اس قدر خنجر میں ہے

جام تجھ بن تشنہ خوں سے ہمارا ساقیا
شکل موج بادہ ملتی پیشتر خنجر میں ہے

تیر ہواک زخم کھا کر کیا دل پر آرزو
تازہ اک لذت تری مژگاں کے ہر خنجر میں ہے

ہے سوزش خاطر سفاک میں کلفت کہاں
رنگ نے اپنا دکھایا یہ اثر خنجر میں ہے

میں وہ بسمل ہوں کہ جس کو دیکھ کر آب خونفشاں
حلقہ جوہر بہ رنگ چشم تر خنجر میں ہے

دیکھیے صید محبت پر بھی ہے کیا وقت ذبح
شوق میں تیری ادھر کندی ادھر خنجر میں ہے

رنج دے ہے دست و بازو کو زیادہ کیوں وہ شوخ
کام آخر ایک ہی یاں اے ظفر خنجر میں ہے

کسی سے دل جو اے ہمدم لگا ہے !
تو دل کو ایک گویا غم لگا ہے

بجز تیزاب آب تیغ قاتل !
مرے زخموں پہ کب مرہم لگا ہے

ترا جس دن سے عالم میں نے دیکھا
مجھے بھی دیکھنے عالم لگا ہے

ذرا تھمتا نہیں تیرا جو رونا
تجھے کیا روگ چشم نم لگا ہے

پلا آب دم خنجر کہ قاتل
پھڑکنے پیاس سے یاں دم لگا ہے

نہیں ہے تجھ کو اے دل قدر ورنہ
ترے ہاتھ اک نگیں جم لگا ہے

نہ پھیلا پاؤں اس منزل میں غافل
کہ سر پہ کوچ یاں ہر دم لگا ہے

لگائے ہے جو وہ اک اور شمشیر !
ارے کیا زخم پہلے کم لگا ہے

ظفر تم طائر دل کو بچاؤ
کہ دام کاکل پرخم لگا ہے

نہیں ستاروں سے پر چرخ پیر کی جھولی ! بھری ہے کوڑیوں سے اس فقیر کی جھولی
جواب نامہ گر اس ستمگر سے لے آئے ! تو زر سے میں ابھی بھر دوں سفیر کی جھولی
خدا بچائے نظر سے گرسنہ چشموں کے کہ تاکتے ہیں گدا بھی فقیر کی جھولی
ہجوم پارہ دل نے بھری ہے زنداں میں گلوں سے اس ترے غم کے اسیر کی جھولی
چلے ہو کھیلنے ہولی تم آج کس کے ساتھ بھری جو تم نے گلال اور عبیر سے جھولی
بچھے پلنگ سے بہتر ہے تیرے اے منعم وہ چارپائی کسی گوشہ گیر کی جھولی

ظفر گدائی میں کیا کام ہے تکلف کا
نہیں فقیر کو زیبا حریر کی جھولی !

تھی جہاں مہر و وفا واں بے وفائی رہ گئی آشنائی ہو چکی ، نا آشنائی رہ گئی
صاف ہیں منہ پر مثال آئینہ دل میں ہیں غبار ہے پری رویوں کی دیکھو کیا صفائی رہ گئی
جب دم اظہار مطلب تم ہوئے چیں بر جبیں بات تھی جو دل کی وہ لب پر نہ آئی رہ گئی
لاش پر بھی میرے قاتل نے کئے ہاتھ اپنے صاف تھی مگر کچھ خواہش تیغ آزمائی رہ گئی
دین و ایماں دے چکے جب اس بت بدمست کو حضرت دل پھر کہاں کی پارسائی رہ گئی
وصل کی شب بھی نہ آئے گا مرے دل کو قرار یاد کر بے تابی روز جدائی رہ گئی
تیری صورت اے بت کافر ہے وہ نام خدا دیکھ کر حیران تجھے ساری خدائی رہ گئی
ہاتھ ہم نے پاؤں کو ان کے لگایا تو سہی لیکن اس پر ہوتے ہوتے ہاتھا پائی رہ گئی
صلح اپنی یوں تو سب سے ہے نہیں کوئی عدو ہاں مگر اک نفس سرکش سے لڑائی رہ گئی
مر گئے آخر پھڑک کر دام سے چھوٹے نہ ہم دل کی دل ہی میں تمنائے رہائی رہ گئی

نیک و بد کوئی نہ دنیا میں رہا لیکن ظفر
یا بھلائی رہ گئی کچھ یا برائی رہ گئی

دیکھئے کیونکر کاٹیں گے ہم وہ دن کن سختی کے ہم کو پہاڑ اے سنگیں دل ہیں ہجر میں یہ دن سختی کے
روز ہیں کیا کیا سخت مصیبت روز ہیں کیا کیا سخت بلا تیرے سختی کش نہیں اب تک شاکی لیکن سختی کے
منہ پر طمانچے طعن و بلا جب دل پہ سے صدمہ درد نہاں ہم بھی سہنے والے ہیں کیا ظاہر و باطن سختی کے
زلف تری وہ سخت بلا ہے سلسلہ ہیں یہ اس کے روا جو ہیں سرکش ان سے نکلتے کام نہیں بن سختی ہے
کیا ہے تعجب سخت کماں سے تیر اگرچہ کاری ہو شیشہ یعنی نازک دل متحمل ہوں کیا ممکن سختی کے
سنگ سے دور ہی بہتر تھیں گی اور ٹوٹ گیا

پکڑے ہے دل کو سخت جو اتنا کافر پنجہ مژگاں میں
سیکھے ڈھب یہ کس سے ظفر وہ چشم مفلس سختی کے

ہم تصور سے ہیں یاں اس گلبدن کو دیکھتے
یار سب پھرتے ہیں گلہائے چمن کو دیکھتے

وہ لگا کر تیر جب راہی ہوا ہم رہ گئے
دیدہ حسرت سے اس ناوک فگن کو دیکھتے

پھر چمن میں سینہ مجروح کے آئی بہار
تازہ ہم ہیں ہر گل زخم کہن کو دیکھتے

موجزن آتا نظر ہے سربسر دریائے حسن
ہیں جو ہم اس رخ پہ زلف پرشکن کو دیکھتے

ان دنوں جوبن جو ہے ان پر تو کس کس ناز سے
راہ میں چلتے ہیں وہ اپنی پھبن کو دیکھتے

لالہ وگل خاک میں کیا کیا نہ ملتے رشک سے
گر شہیدوں کے ترے پرخود کفن کو دیکھتے

وہ پری رو کر دکھا دیتی ذرا صورت مجھے
ہم لٹیئو پھر مرے دیوانہ پن کو دیکھتے

خود کسی کا تو پیا سوفار تیر یار نے
ہے صریحا سرخ ہم اس کے دہن کو دیکھتے

جاں کنی ہم بھی دکھاتے عشق میں گر اے ظفر
کرتے کیا کیا منفعل پھر کوہکن کو دیکھتے !

دل ہے سوز غم کی خاطر چشم رونے کے لئے
گھر جلانے کو ہے یہ وہ گھر ڈبونے کے لئے

تھیں یہ آنکھیں مائل نظارہ ہونے کے لئے
یاں غم دلدار میں دن رات رونے کے لئے

منزل ہستی سے بے آرام ہونے کے لئے
یاں نہ سو کنج عدم ہے خوب سونے کے لئے

حاضر اے کان ملاحت پارہ دل ہیں مرے
چاہیے گر پھول بالوں میں پرونے کے لئے

قصر شیریں واسطے خسرو کے ہووے عیش گاہ
کوہکن اے عشق ہو پتھر ہی ڈھونے کے لئے

جل گیا برق ستم سے خرمن الفت تمام
ایک دانہ بھی رہا باقی نہ بونے کے لئے

فائدہ کیا پائے گا پروانہ مل کر شمع سے
جاکے گر جاتا ہے اپنی جان کھونے کے لئے

تیر مژگاں نے کئے ہیں ظالم دیکھ تو
نیشتر کیا کیا مرے دل میں چبھونے کے لئے

اے ظفر اشک ندامت سے نہیں بہتر مجھے
اب رحمت داغ عصیاں اپنے دھونے کے لئے

دنیا کی ہیں یوں اہل ہوس چاٹ سے لپٹے
جوں شہد سے ہوں مور و مگس چاٹ سے لپٹے

شیریں سخنی یار تری وہ ہے کہ تو نے
لپٹایا اگر ایک کو اس چاٹ سے لپٹے

جو خوب ہے شے وہی ہے مرغوب محبت
بھنورا نہ بجز گل نرگس چاٹ سے لپٹے

کچھ لعت دھیا کی حلاوت کو نہ پوچھو
ہیں اس کے ابھی ناکس وکس چاٹ سے لپٹے

لپٹے کوئی کیا تلخ کلاموں سے جہاں میں
پائے جو ذرلات میں اس چاٹ سے لپٹے

تو کیا ہے اگر دانہ اسیری کے مزے سے
سب دانے ہیں اے مرغ قفس چاٹ سے لپٹے

الفت کی ظفر چاٹ پہ اس نے جو لگایا
ہم بھی رہے دو چار برس چاٹ سے لپٹے

دل ہے جو درد آشنا یہ بھی کیا اسی نے ہے
جاں جو ہے غم میں مبتلا یہ بھی کیا اسی نے ہے

ہو کے دلیر جو عدو کرتا ہے مجھ سے گفتگو
میں بھی ہوں خوب جانتا یہ بھی کیا اسی نے ہے

پہلے کرم تھا اب ستم پر نہیں کرتے شکوہ ہم
وہ بھی کیا اسی نے تھا یہ بھی کیا اسی نے ہے

کس کو ہے تاب اس قدر دل میں ترے کرے اثر
نالہ دل کو مرحبا یہ بھی کیا اسی نے ہے

دل جو مرا رفیق تھا ہوتا نہ تھا کبھی جدا
اب جو الگ وہ ہو گیا یہ بھی کیا اسی نے ہے

کوئی کرے قصور واں وہ ہے مجھ سے بدگماں
کہتا ہے سب سے برملا یہ بھی کیا اسی نے ہے

کرتا تھا شاد وصل سے اپنے جو اے ظفر مجھے
ہجر میں حال اب مرا یہ بھی کیا اسی نے ہے

ترے جو رخ پہ خط مشک فام اوپر ہے
تو دیکھتا ہوں سحر نیچے شام اوپر ہے

بدل کے ڈیوڑھا مرا نامہ خط اے قاصد
خفا نہ ہو کر لکھا میرا نام اوپر ہے

جو نکلے زلف سے تو ڈر ہے دل کو کاکل کا
وہاں تو دام کے اک اور دام اوپر ہے

بھری ہوئی ہے مئے عشق شیشہ دل میں
جو مہر داغ سے اس کے مدام اوپر ہے

چڑھائے کیوں نہ مرا سرسناں پہ اے قاتل
کہ میرا سب شہدا سے مقام اوپر ہے

وہ یوں ہے بام پہ جیسے فلک پہ عید کا چاند
بجا ہے گر نظر خاص و عام اوپر ہے

بغیر مے نہیں ہوتی فردگلو سے گزک
ظفر اک اس کے تو درکار جام اوپر ہے

جلد آئے اس سے کہہ دو کہ دنیا سے ہم چلے
اٹھکیلوں سے اب تو نہ گن گن قدم چلے

محفل سے تیر اٹھ کے جو ہم مجدم چلے
مانند شمع داغ بدل چشم نم چلے

دیوانے تیرے قید سے ہستی کے چھوٹ کر
کیا با فراغ جانب دشت عدم چلے

قبلہ ہو تیرا در تو کریں منہ نہ ہم ادھر
پر کیا کریں جو دل پہ نہ بس اے صنم چلے

کیا اٹھ کے چل سکے ترا بیمار ناتواں
جس کا کہ دم بھی ضعف سے لے لے کے دم چلے

جوں شانہ اس کی زلف سے کھینچا نہ ہم نے ہاتھ
سرپہ اگرچہ آرہ جو روستم چلے

لکھوں جو حال اس کی رکاوٹ کا میں کبھی
امکان کیا کہ ہاتھ سے میرے قلم چلے

کیا جانے راہ عشق کی تکلیف بوالہوس
معلوم ہو جو ساتھ مرے دو قدم چلے

کیا کیجئے روا نہ ظفر فوج اشک کو
جب تک کہ نالہ ساتھ نہ لے کر علم چلے

وہ ناتواں ہوں یار اگر آئے سامنے
مژگ اں کی صف نظر کو ہو دیوار سامنے

جب ہو گئے وہ ابروئے خم دار سامنے
دی پھینک اپنے ہاتھ سے تلوار سامنے

کرتے ہوئے قتل جرم وفا پر اگر مجھے
تو دیر کیا کر ہے یہ گنہ گار سامنے

دیکھا جو اس کو گرم غضب کا بنا ہوا
بھاگا نہ ٹھہرا مہر پہ انوار سامنے

گلدستہ اپنے پیش نظر کوئی ہو ن ہو !
لیکن ہوں یار کے گل رخسار سامنے

قاصد جو وہ خفا ہو تو لے کر مری خبر
تو جائیو نہ اس کے خنجر دار سامنے

جو مرد جانتے ہیں کہ دنیا ہے فاحشہ
کہتے ہیں وہ نہ آئے یہ مردار سامنے

حیراں ہوں آئے میں وہ جوہر ہے کون سا
جائے ہے جس سے یار کے سوبار سامنے

یہ چشم اشکبار وہ طوفان ہیں ظفر
آئے نہ جس کے ابر گہر بار سامنے !

صاف ہوں میں پاک ہوا صاف تم کو چاہئے
اپنے دل میں آپ یہ انصاف تم کو چاہئے

داغ ہیں سینے میں میرے غم کے سب کے بے ورم
پر نظر یک ذرہ ہے صراف تم کو چاہئے

جانتا ہوں میں کے مجنوں سے جو تم نے سلوک
عشق میرے روبرو کیا لاف تم کو چاہئے

زاہد و ہم اور وہ کوچہ سلامت تم کو ہو
یہ بہشت و دوزخ و اعراف تم کو چاہئے

کیونکہ ہم سے سیدھے سادھوں سے بنے کب آ پکی
جیسے تم تراف ہو تراف تم کو چاہئے

آسماں حاضر کرے لاکر خطوط مہر کو
گرزری کا مہر وش سوباف تم کو چاہئے

اس پری کے عشق میں ہم ہوں اگر دیوانہ وار
اے ظفر تو سیر کوہ قاف تم کو چاہئے

خاکساری کر کر روشن اس سے دل ہو جائے ہے
خاک وہ شے ہے کہ دیکھ آئینے کو چمکائے ہے

اے صبا ہوں بلبل تصویر مجھ کو کیا خبر
کب بہار آئی ہے گلشن میں خزاں کب جائے ہے

تم وہاں چلہ چڑھاتے ہو کماں پہ اور یاں !
کوئی صید عشق ہو کر مضطرب چلائے ہے

کاہے کو میری سمجھ میں آئے گی ناصح کی بات
ہے وہ دیوانہ کہ جو دیوار کو سمجھائے ہے

دل کا مشکل ہے نکلنا آ کے تیرے پیچ میں
سلجھے ہے کاکل سے تو زلفوں میں ہی تو الجھائے ہے

اشکباری سے مری ہوتا ہے شعلہ باردر
ہے یہ آتش کیا بلا پانی جسے بھڑکائے ہے

رہنما ہوتا ہے جس کا عشق اس کو اے ظفر
رفتہ رفتہ منزل مقصود تک پہنچائے ہے

نہ کیونکہ نوک مژہ یار کی نظر میں چبھے !
یہ پھانس وہ ہے کہ جو بن کے جگر میں چبھے

کرے نہ بستر گل پر وہ نازنیں آرام !
وزا بھی نازک رگ گل اگر کمر میں چبھے

نہ ہو علاج پذیر اس نگاہ کا ناسور
وہ نیش زہر بھرا گر دل بشر میں چبھے

خلش سے اس سر مژگاں کے آہ بھر بھر کر
کہوں میں کیا کہ جو نرمی سے میرے بر میں چبھے

یہ مار شمع نہیں منزل محبت میں
چلی تھی سر کے جو بل شمع خار سر میں چبھے

خلش سے نیش محبت کے کام کیا تجھ کو
کہ بیٹھ کر نہ کبھی سنگدل حجر میں چبھے

الجھ نہ کان کے بالے سے اس طرح اے زلف
کہ گونج بالے کی رخسار سیمبر میں چبھے

خیال سنگدلی میں ترے نہ آیا خواب
کہ قطرے اشک کے کنکر سے چشم تر میں چبھے

دکھائی وقت نے وہ یک بار جنبش مژگاں
تو آہ کتنے ہیں نشتر دل ظفر میں چبھے

اگر دل صاف ہو اور تو بھی دل سے آشنا ہووے
تو دل کا آئینہ پھر دیکھ کیا صورت نما ہووے

تری جب بیوفائی پر دل اپنا مبتلا ہووے
اگر تجھ میں وفا ہووے تو پھر کیا جانے کیا ہووے

خدا ناخواستہ ناخوش کسی سے تو ہوا کافر
کہ جس سے تو خفا ہو زندگی سے وہ خفا ہووے

ابھی کھل جائے دم میں ہستی موہوم کا عقدہ
حباب آسا ذرا اگر غافلوں کی چشم وا ہووے

ترے دیوان کو تجھ بن جو گھر ہو خانہ زنداں میں
تو ہر موج سرشک چشم تر زنجیر پا ہووے

اگے کیا خاک اس کی خاک سے جو نرگس شہلا
لگائے حشر نہ وہ سرسا غر آب بقا ہووے

تر جو تشنہ آب دم خنجر ہو اے قاتل
نہ میں اس سے جدا ہوں اور نہ وہ مجھ سے جدا ہووے

مثال موج و دریا مجھ میں اس میں آشنائی ہے

ظفر جس کو تمنا ہو حیات جاودانی کی
فنا ہونے سے اس کو چاہئے پہلے فنا ہووے

کیا ہے بے خبر دل کو خبرداری بہت سی کی
ہوئے ہیں ہوش گم ہو چند ہشیاری بہت سی کی

اگرچہ لے کے دل تو نے دل آزاری بہت سی کی
تری اس پر بھی ہم نے ناز برداری بہت سی کی

غلط سمجھے تجھے عیار اپنا یار ہم سمجھے
کہ یاری تو نے کی تھوڑی سی عیاری بہت سی کی

ہماری چشم گریاں کی نہ پہنچا در فشانی کو
اگرچہ ابر نیساں نے گہر باری بہت سی کی

فروغ اصلا نہ پایا روبرو اس ماہ طلعت کے
مہ کنعاں نے اپنی گرم بازاری بہت سی کی

نہ دیکھی جام مے میں تیری آنکھوں کی سی کیفیت
اگرچہ میکدوں میں ہم نے میخواری بہت سی کی

سزا ہے گر رہے بیمار تیری نرگس فتاں
کہ ہے اس فتنہ گر نے مردم آزاری بہت سی کی

نہ آیا حرف شکوہ جب زباں پر ساد لوحوں کے
تو اس نے اور بھی مشق ستمگاری بہت سی کی

سزا دیکھیں ملے گی کیا ظفر روز قیامت کو
کہ ہم نے آ کے دنیا میں گنہگاری بہت سی کی

بوند آنسو کی جو عاشق کی مژہ سے گر جائے
ابر نیساں کی جھڑی سب کی نگہ سے گر جائے

چمکے موباف زری کا تری چوٹی میں جو برق !
ہو یہ مضطر کہ نکل ابر سیہ سے گر جائے

جانے یہ خلق کہ ٹوٹا ہے فلک سے تارا
کوئی موتی اگر اس مہ کے گلے سے گر جائے

ہوں وہ افتادہ کہ گر خاک سے میری دیوار
اٹھے تو اٹھتے ہی دو چار جگہ سے گر جائے

فوج مژگاں ہو اگر تیری صف آرائے جنگ
خود بخود تیغ وہاں دست سپہ سے گر جائے

لگ چلا مہ سے بہت میری طرح سے نہ کہیں
آئینہ بھی نظر غیرت مہ سے گر جائے

گزرے اے شانہ ہم اس عقدہ کشائی سے تری
دل نہ کھل کر گرہ زلف سیہ سے گر جائے

وہ گر انبار معاصی ہوں کہ ڈالوں گر بوجھ
ٹوٹ کر چراغ ابھی تار نگہ سے گر جائے

جو ہو اس رستے پہ سیدھا ظفر اس کو ہو قیام
اور جو کوئی پھرے عشق کی رہ سے گر جائے

جو رنگ پاں سے لب یار لال ہو جاوے
تو غرق خون شفق میں ہلال ہو جاوے

بندھے خیال تری زلف کا جسے کافر
جہاں میں زندگی اس کو وبال ہو جاوے

کرے گا ترک نہ ہرگز وہ اپنی طرز خرام
کوئی بلا سے اگر پائمال ہو جاوے

فلک رکھے اس مانند بدر داغ پہ دل
جہاں میں گر کوئی صاحب کمال ہو جاوے

اگر ذرا بھی محبت میں ہو اثر تو بھی !
جو میرا حال ہے وہ اس کا حال ہو جاوے

جو دوں اسے قدر عنا سے میں ترے تشبیہ
چمن میں سرو لب جو نہال ہو جاوے

ظفر دکھاؤں جو آئینہ اس پری رو کو
تو اپنا آپ وہ محو جمال ہو جاوے

گر جھڑی اشکوں کی اے ابر مژہ لگ جائیگی
ایک ڈھیری موتیوں کی ہر جگہ لگ جائے گی

کیا رہے گی چشم میں قدر جواہر سرمہ خاک
ہاتھ اپنے جب تمہاری خاک رہ لگ جائے گی

ماہتابی پہ جو تو دیکھے گا سیر ماہتاب
ماہ کی تجھ کو نظر اے رشک مہ لگ جائے گی

حکم ہو مژگاں کو فتح قلعہ دل کے لئے
اک اشارہ میں ادھر ساری سپاہ لگ جائے گی

دل لگاتا میں نہ اس کافر سے گر میں جانتا
جان کے پیچھے بلا زلف سیہ لگا جائے گی

اس کے زخم دل میں کیا مرہم لگائے گا کوئی
جس کے دل پہ یار کی تیغ نگہ لگ جائے گی

کیوں نہ ہو ٹیڑھا ظفر سے تو کہ ہوگا یہ ہی حال
گر کسی کی آنکھ تجھ سے کج کلہ لگ جائے گی

نہ ہو سکتے بیاں ظلم و ستم بسمل سے قاتل کے
کھلے جوہر زبان خنجر قاتل سے قاتل کے

بہایا ہم نے کو دریائے خوں ہر زخم سے اپنے
کدورت کھو سکے لیکن نہ ہرگز دل سے قاتل کے

کوئی ہے چھوٹتا آساں قیامت تک نہ چھوٹے گا
کہ پہنچا خون مرا دامن تلک مشکل سے قاتل کے

وہ بعد از قتل میرے کس لئے رنجیدہ ہوتا ہے
کہ اب کیا فائدہ اس رنج لاحاصل سے قاتل کے

دہن میں ہر جراحت کے نہ جب تک ہو زباں پیدا
ادا ہو شکر احساں کیونکہ اس گھائل سے قاتل کے

نہ لیں عشاق نام عشق اس قتال عالم کا
اگرچہ ہوویں عاشق کیسے ہی قاتل سے قاتل کے

نہیں شمشیر قاتل سے تمنائے شہادت ہے
ظفر مشتاق ہو کر آئیں سو منزل سے قاتل کے

تیس دن چاند کے وعدے پہ پھراتا ہے مجھے
جب ہوا چاند تو غرہ ہی بتاتا ہے مجھے

روش عود مری گرمی بازار نہ پوچھ !
جس کے میں ہاتھ ہوں بکتا وہ جلاتا ہے مجھے

ضعف سے طاقت جنبش نہیں دل میں لیکن
درد جس وقت کہ اٹھتا ہے اٹھاتا ہے مجھے

ان کو سمجھو نہ ستارے کہ یہ بے مہری سے
فلک آنکھیں شب فرقت میں دکھاتا ہے مجھے

واعظا سوز محبت سے زیادہ وہ نہیں
تو جو اب آتش دوزخ سے ڈراتا ہے مجھے

ابر باراں کی نمط ہے مری رونی صورت
اور اگر روؤں تو رونا نہیں بھاتا ہے مجھے

اک ذرا بیٹھے تم دوروش نقش قدم
دیکھوں اس کوچے سے پھر کون اٹھاتا ہے مجھے

نہ تو دانہ ہوں نہ میں قطرہ باراں یا رب
کس لئے خاک میں یہ چرخ ملاتا ہے مجھے

آپ سے میں نہیں جاتا ظفر اس کوچے میں
کیا کروں یہ دل مضطر لئے جاتا ہے مجھے

لکھ کے حال اپنا انھیں بھی بات اپنے ہاتھ سے
کھوئی ہم نے آپ اپنی بات اپنے ہاتھ سے

چھیڑ کر اس زلف کو لیتے ہیں اپنے سر پہ ہم
اک بلا کیا کتنی ہی آفات اپنے ہاتھ سے

گرم کرکے رکھ دیا چھلے کو میرے ہاتھ پہ
واہ آ کر خوب دی سوغات اپنے ہاتھ سے

یا جگر کاوی ہے یا سینہ خراشی اپنا شغل
کام ہوتے ہی یہی دن رات اپنے ہاتھ سے

کیوں کیا آزردہ ہاتھ ان کے لگا کر پاؤں کو
ہم نے تقصیر اپنی کی اثبات اپنے ہاتھ سے

سونپ اوروں کے نہ ہاتھوں کر وہ کیا دینگے خاک
ہو سکے تو کر لے کچھ خیرات اپنے ہاتھ سے

مہرہ شطرنج سال اپنی ظفر ہے کیا بساط
کرتا ہے وہ آپ ہر دو مات اپنے ہاتھ سے

نہ کیوں کر بات اس کے روبرو اب یوں کی یوں ہووے
جسے منظور ہو یہ گفتگو اب یوں کی یوں ہووے

کبھی تو لب پہ حرف خواہش وصل آوے ہی آوے
نہاں کب تک یہ دل میں آرزو اب یوں کی یوں ہووے

جفا کو چھوڑ کر گرم وفا ہو تو یہ کیا امکاں
مبدل ہو کے ظالم تیری خو اب یوں کی یوں ہووے

خودی کو کھو خدا کو پا کر اس کو تو وہی پاوے
جسے معلوم راہ جستجو اب یوں کی یوں ہووے

ادھر کی ہو اگر دنیا ادھر لیکن نہ ہو ہرگز
اگر تقدیر اپنی الٹی تو اب یوں کی یوں ہووے

کبھی تو اس کے دامن تک ہی پہنچا خاک کو میری
صبا برباد کب تک کو بکو اب یوں کی یوں ہووے

اگر تم قیمت یک بوسہ پر اس کی گراں سمجھے !
تو واپس جنس دل اے ماہرو سب یوں کی یوں ہووے

دل صد چاک کا سینہ ہے چاک جیب سے بہتر
مناسب ہے کہ تدبیر رفو اب یوں کی یوں ہووے

گرے گر دیکھ کر وہ چشم صوفی وجد مستانہ
تماشا ہو ظفر جب ہاؤ ہو اب یوں کی یوں ہووے

خم و افتادہ دیکھ ان کو ہوا ہم کو یقیں یوں ہے
رکوع و سجدہ حق میں فلک یوں ہے زمیں یوں ہے

کوئی بھی آپ سے رہتا بھلا اندوہگیں یوں ہے
کروں میں کیا کہ قسمت میں مری اے ہم نشیں یوں ہے

جو ہیں اہل سخاوت پر عتاب اصلا نہیں ہوتے
غضب ہے کیا کہ بحر موجزن چیں بر جبیں یوں ہے

اسے چھیڑا صبا نے کوئی پوچھے کیا کیا ہم نے
ہوئی برہم جو ہم سے تیری زلف عنبریں یوں ہے

نہ کر جانے کی جلدی جائیو جاناں کو آنے دے
اگر تیرا ارادہ آج اے جان حزیں یوں ہے !

بھلا انصاف کر قاتل کہ میری طرح بھی کوئی
سر اپنا آپ رکھ دیتا تہ شمشیر کیں یوں ہے

تجھے معلوم کیا ہے کیا نہیں کیا ہے مقدر میں
تو اپنی عقل سے سمجھا کہا کر یوں نہیں یوں ہے

برنگ نقش پا ہم مرمٹیں گے پر نہ اٹھیں گے
ترے کوچے کی پکڑی اب تو ہم نے بھی زمیں یوں ہے

اگرچہ نالہ کش بلبل تو گل کا چاک ہے سینہ
ظفر عالم محبت کا کہیں یوں ہے کہیں یوں ہے

عنقا کی بھی اگرچہ خبر پائی جائے گی !
لیکن کبھی نہ اس کی کمر پائی جائے گی

گلگشت کو چمن میں اگر آئے گا وہ گل
بو اس کی کچھ تو باد سحر پائی جائے گی

ہو جائیں گے جو سیدھے مرے بخت واژگوں
سیدھی ہمیشہ ان کی نظر پائی جائے گی

پائے گا میرا اشک جہاں قدر پھر وہاں
کیا خاک آبروئے گہر پائی جائے گی

پائی اگر نہ عشق میں تلخی تو اس میں کیا
شیرینی نبات و شکر پائی جائے گی

ہنستا ہے کیا کہ چھٹتے ہی چھٹتے تو دیکھنا
ہستی تری نہ مثل شرر پائی جائے گی

پھر ڈھونڈتا پھرے گا نہ کھو دل کو رائیگاں
گم ہو کے جنس یہ نہ ظفر پائی جائے گی !

ترے زخمی سے کہتا چارہ گر یوں تھا سنا یوں ہے
کہ پہلے تو نہ شق تیرا جگر یوں تھا سنا یوں ہے

مری قسمت ہے باز آیا مرے تو قتل سے ورنہ
ارادہ آج تیرا فتنہ گر یوں تھا سنا یوں ہے

پریشاں حال دیکھا ہم کو تیرے عشق میں سب نے
بھلا مجنوں کہاں آشفتہ سر یوں تھا سنا یوں ہے

لگے کیوں رکنے آنسو سے بہاتے کیوں نہیں دریا
تجھے منظور تو اے چشم تر یوں تھا سنا یوں ہے

نہ یوں باور نہ یوں باور خدا جانے کہ ہے کیونکر
کہوں میں کیا کہ حال اے نامہ بر یوں تھا سنا یوں ہے

نہ ہوتا اس سے گر جرم وفا تو قتل کیوں ہوتا
وہ کہتا میرا لاشہ دیکھ کر یوں تھا سنا یوں ہے

خدا جانے ہوا اب کیا جو اس نے پھیر لیں آنکھیں
کہ پہلے تو نہیں مدنظر یوں تھا سنا یوں ہے

وہ آوے یا نہ آوے پر کہا تھا رات آنے کو
کیا اقرار تو اس نے سحر یوں تھا سنا یوں ہے

دل ان کی زلف سے الجھا وہ ہم سے اسلئے الجھے
یہ قصہ فی الحقیقت اے ظفر یوں تھا سنا یوں ہے

کیا عجب پھولوں کی بدھی گر کمر پر بوجھ ہے
نازکی سے ایک گل بھی اس کے سر پر بوجھ ہے

کثرت نعمت بھی منعم کو کرے ہے زیر بار
دیکھ جوش بار شاخ بارور پر بوجھ ہے

وہ گرانبار الم ہوں میں کہ بعد از مرگ بھی
گرد میری خاطر باد سحر پر بوجھ ہے

گر اٹھا دے تو بڑا احساں کرے اے تیغ یار
سر پہ دوش عاشق خستہ جگر پر بوجھ ہے

آسماں کو بھی ہوئی اس کے اٹھانے کی نہ تاب
واہ کمبختی کہ ڈالا وہ بشر پر بوجھ ہے

احمقوں کو گو کہ دنیا نے دیا ظاہر وقار
فی الحقیقت پر وہ لادا گاؤ خر پر بوجھ ہے

حق محبت کا ظفر ہوتا نہیں جب تک ادا
سنگدل گویا دل و جان بشر پر بوجھ ہے

گزرتا رنج یاں کیا کیا نہیں ہے !
تجھے کچھ بھی خبر ہے یا نہیں ہے

جو یہ سچ ہے کہ دل کو دل سے ہے راہ
تو قاصد کی بھی کچھ پروا نہیں ہے

نہ کر تو خانہ دل کی خرابی
کہ گھر تیرا ہے یہ میرا نہیں ہے

نہ پوچھا درد دل جو تو نے بے درد
یہ بے رحمی ہے استغنا نہیں ہے

پھرا قاصد مرا کیوں واں سے الٹا
نصیبہ گر مرا الٹا نہیں ہے

مرا دل اڑ کے پہنچے پاس تیرے
مگر بے پر ہے اڑ سکتا نہیں ہے

بھلائی کر کہ تیرا بھی بھلا ہو !
برائی کا ثمر اچھا نہیں ہے

نہیں احوال میرا کس کو معلوم
مگر تجھ سے کوئی کہتا نہیں ہے

رقیبوں کی شرارت ہے وگرنہ
ظفر وہ شعلہ خو ایسا نہیں ہے

کیا وہ آپ نے ہم سے بیاں کیا تھا ہوا کیا ہے
کرو تم یاد اقرار زباں کیا تھا ہوا کیا ہے

بہا دریا ئے خوں جانا تھا قطرہ کوئی ٹپکے گا
تصور ہم کو چشم خونفشاں کیا تھا ہوا کیا ہے

یہ جانا تھا کرے گا تو وفا پر کی جفا تو نے
ارے ظالم ہمیں تجھ سے گماں کیا تھا ہوا کیا ہے

تجھے تھا ساتھ جانا وہ گیا تو رہ گئے تنہا
ارادہ تیرا جان ناتواں کیا تھا ہوا کیا ہے

تمنا تھی جواب خط کی قاصد کے کئے پرزے
ستم ہے مطلب دل میر جاں کیا تھا ہوا کیا ہے

جلا کرتا تھا دل یا جان بھی جلنے لگی دیکھو !
کہ میرے سینے میں سوز نہاں کیا تھا ہوا کیا ہے

گیا وہ سوکر فکر کمر میں گم ہے تو اے دل
کہاں تھا کون تھا کیا تھا میاں کیا تھا ہوا کیا ہے

ملا تھا خاک میں کون آگے اب ہے کس کی بربادی
نہیں معلوم زیر آسماں کیا تھا ہوا کیا ہے

اگر ہم جانتے ایسا نہ دیتے دل ظفر اس کو
کہیں کیا ہم نے سوچا مہرباں کیا تھا ہوا کیا ہے

اشک خود بہہ کر جو شب مژگان تر سے تھے چلے
سینکڑوں نالے مرے خون جگر سے تھے چلے

خط مرا پہنچا رسید آئی مگر ہے یہ خطر
ذکر کچھ بے ڈھب مرے واں نامہ بر سے تھے چلے

گر کسی کے قتل پر تم نے کمر باندھی نہ تھی
باندھ کر تلوار کیوں اپنی کمر سے تھے چلے

کونچے کٹواتے اگر اس کوچے میں رکھتے قدم
سر کٹانے کی ہوس تھی ہم جو سر سے تھے چلے

ایک آہو کیا ہزاروں دشت میں شیر ژیاں
بھاگ کر ظالم ترے وحشی کے ڈر سے تھے چلے

اے کمال ابروہوا کیا جانے دل کس کا ہدف
تیر کتنے متصل تیری نظر سے تھے چلے

دیکھتا اس وقت کوئی حال میرا اے ظفر
جب وہ رخصت ہو کے مجھ سے میرے گھر سے تھے چلے

بھرا ہے اشک کا سینے کے داغ میں پانی !
بھرا ہے تیل کی جا اس چراغ میں پانی

عرق سے ہو رخ تو خط یہ کس روش پہ بہار
کرے ہے سبزے کو سیراب باغ میں پانی

ہم اٹھا تربت فرہاد وقیس پہ روئے
رہا ہمیشہ رواں کوہ و داغ میں پانی

نشے میں جان کے بیہوش مجھ کو ساقی بزم
عوض شراب کے دے ہے ایاغ میں پانی

گئی نہ سوزش دل اشک کے بہانے سے
بجھی نہ آگ پڑا گو اجاغ میں پانی

ہوا ہمیں تو یہ ظاہر نزول باراں سے
کہ نزلے سے ہے فلک کے دماغ میں پانی

ظفر ہزار مے و میکدہ سے بہتر ہے
اگر نصیب ہو کنج فراغ میں پانی

نہ دائم غم ہے نے عشرت کبھی ویں ہے کبھی ووں ہے
تبدل یاں ہے ہر ساعت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

گریباں چاک ہوں گا ہے اڑاتا خاک ہوں گا ہے
لئے پھرتی مجھے وحشت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

ابھی ہیں وہ میرے ہمدم ابھی ہو جائیں گے دشمن
نہیں اک وضع پر صحبت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

جو غل شیشہ گریاں ہوں تو غل جام خنداں ہو وں
یہی ہے یاں کی کیفیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

کسی وقت اشک ہیں جاری کسی وقت آہ و زاری
غرض حال غم فرقت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

کوئی دن ہے بہار گل پھر آخر ہے خزاں بالکل
چمن ہے منزل عبرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

ظفر اک بات پر دائم وہ ہو وے کس طرح قائم
جو اپنی ماہیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

جب تلک دنیا نے ہم سے کچھ برائی کی نہ تھی
ہم کو آگاہی برائی اور بھلائی کی نہ تھی

یہ توقع ہم کو تم سے بیوفائی کی نہ تھی
آشنائی کی تھی ہم نے کچھ برائی کی نہ تھی

تھے مکدر تم ہی ورنہ میرے دل کا آئینہ
بے کدورت تھا اسے حاجت صفائی کی نہ تھی

لگ گیا تھا جن دنوں کنج قفس میں اپنا دل
ہم اے صیاد کچھ پروا رہائی کی نہ تھی

تو نے کس کے دیدہ پرآب سے پونچھے تھے اشک
آج وہ سرخی ترے دست حنائی کی نہ تھی

دل فریبوں میں جو اس نا آشنا کے آ گیا
ایسی کیا آگے کسی سے آشنائی کی نہ تھی

ماہ نو نکلا تھا کیوں کشتی لئے مثل گدا
حسن سے تیرے تمنا گر گدائی کی نہ تھی

جانتے تھے چین سے گزریں گی راتیں وصل کی
ہم نشیں ہم کو خبر روز جدائی کی نہ تھی

زلف اس کی ہم سے بل کرنے لگی ناحق ظفر
ورنہ کوئی وجہ ایسی کج ادائی کی نہ تھی

چھپے ہیں ایسی جگہ وہ جہاں ہوا نہ لگے
اگر خیال بھی جاوے تو واں پتا نہ لگے

بلائے جاں ہے وہ دل اس سے اے خدا نہ لگے
کہ ڈر ہے جان کے پیچھے کہیں بلا نہ لگ

ہوس میں کشتہ مہوس ہوا نہ کچھ حاصل
بجز نصیب کبھی ہاتھ کیمیا نہ لگے

عجب نہیں ہے مرے شور نالہ دل سے
کہ آنکھ رات کو تیری بھی دلربا نہ لگے

تری گلی کے سوا تیرے آستاں کی قسم
اگر بہشت بریں ہو تو جی مرا نہ لگے

دکھا نہ بام پہ ہر شام اپنا جلوہ حسن
کسی کی تجھ کو نظر دیکھ مہ لقا نہ لگے

حذر ہے مجھ سے یہاں تک تجھے کہ اے قاتل
مرے گلے سے تو خنجر جفا نہ لگے

کچھ ایسا رنگ محبت کا ہو کہ خوں مرا
گلے تمہارے کف پا سے اور حنا نہ لگے

کب اس جنبش مژگاں نظر پڑی کہ ظفر
جگر میں نیشتر اپنے ہزار ہا نہ لگے

میری اور مجنوں کی جو تصویر ہے ایک ہی سی ہے
دونوں کی حالت اگر تغیر ہے ایک ہی سی ہے یعنی جو کچھ

بوالہوس ہوں یا ہوں عاشق سب وہاں ہیں ایک سے
عزت و توقیر ہے ایک ہی سی ہے

ایک دل اور ایک جاں دوچار ہو جاتے ہیں جب
ہوتی پھر دونوں میں جو تقریر ہے ایک ہی سی ہے

قتل سب عاشق ہوں گر جرم وفا پر کیا عجب
ان گنہگاروں کی جو تقدیر ہے ایک ہی سی ہے

موم میں کیوں کر کروں دل کو ترے اے سنگدل
آہ و نالہ میں تو جو تاثیر ہے ایک ہی سی ہے

قتل گر منظور ہے میرا تو میرے واسطے
ابروئے قاتل ہے یا شمشیر ہے ایک ہی سی ہے

مرگ میرے درد کا چارہ بتاتے ہیں طبیب
سب کے نزدیک اس کی جو تدبیر ہے ایک ہی سی ہے

دل اسیر غم ہے میرا میں غم دل کا اسیر
پاؤں میں دونوں کے گر زنجیر ہے ایک ہی ہے

ہو گئے جو خاک راہ عشق ان کے سامنے
اے ظفر ہے خاک یا اکسیر ایک ہی سی ہے

جو دل میں بات ہوتی ہے زباں پر وہی ہوتی ہے
اسے ہیں پھیرتے پھر پھر کے ہاں پر وہی ہوتی ہے

کل اس غمزے سے دل تو بچ گیا پر دیکھئے کیا ہو
کہ آفت آج جان ناتواں پر وہی ہوتی ہے

فلک کے آئینہ میں عکس افگن مانگ ہے اس کی
نظر سب آسماں پر کہکشاں پر وہی ہوتی ہے

کہاں ہے مے کہ ساقی سیر دریا کی ہو کیفیت
مجھے تو یاد اس آب رواں پر وہی ہوتی ہے

کہاں ہیں اشک کوئی بوند ہے دل میں جو لہو کی
مری مژگان چشم خونفشاں پر وہی ہوتی ہے

اگر ہو عشق کا دعویٰ تو ساتھ اس کے وفا بھی ہو
کہ دیکھا کام آخر امتحاں پر وہی ہوتی ہے

ظفر میں جانتا ہوں رکھتے ہیں جس گفتگو سے وہ
کروں کیا میرے ان کے درمیاں پر وہی ہوتی ہے

جو مست شوق یا د چشم مست یار میں جھومے
وہ کیوں بدمست ہو کر خانہ خمار میں جھومے

جنوں کا وہ نشہ ہے جس کو ہو وہ عمر بھر اپنی
برنگ بید مجنوں وادی پرخار میں جھومے

یہ کچھ دود جگر فرہاد کا ہے جمع اے شیریں
سیہ بادل ہے جو ہیں دامن کہسار میں جھومے

یہ کس کا جلوہ مستانہ تھا ایسا سرور افزا
کہ نخل باغ اپنے جوش برگ و بار میں جھومے

کہے کیا کوئی اس سے اور سنے وہ بے خبر کس کی
کہ جوں دن رات بیٹھا نشہ پندار میں جھومے

خوشی ہے مقصوں کی روز حاضر ہوں کئی ہاتھی
کوئی دروازے پر جھومے کوئی بازار میں جھومے

دکھائے گر کرشمہ اپنی چشم مست کا ساقی
ظفر صوفی بھی ہو تو مستی سرشار میں جھومے

عشق کے بندے ہیں ہم مولا ہمارا عشق ہے
جان و ایماں عشق ہے عاشق کا پیارا عشق ہے

عشق کنجی ہے ہزاروں مخزن اسرار کی
کرتا لاکھوں راز پنہاں آشکارا عشق ہے

عشق کے رستے پہ عاشق ہوں نہ محتاج عصا
ان کا رہبر عشق ہے ان کا سہارا عشق ہے

جائے سو نکلے اٹھیں سے اک صدائے دردناک
بن گیا ہر استخواں بے جسم سارا عشق ہے

سن کے مجنوں کی کہانی نیند آتی ہے مجھے
میری لوری عشق میرا گاہوارا عشق ہے

دل کے کانوں سے سنو فریاد و سازو مری
چھپ کر اس پردے میں یہ کس کو پکارا عشق ہے

سرد مہری پر ظفر تم عشق کی مت جائیو
رکھتا اس سردی میں آتش کا شرارا عشق ہے

واں کماں ابرو ہے اور ہر موئے مژگاں تیر ہے
یاں ہے کب شکل کماں اور آہ سوزاں تیر ہے

موج رنگ گل مجھے تجھ بن ہے موج خونچکاں
شاخ گل سرتاسر اے رشک گلستاں تیر ہے

کیا کہا اے صید افگن صید ناوک خوردہ نے
جو لب سوفار سے اس طرح خنداں تیر ہے

سرکشوں کو پڑتی ہے آہن دلوں سے احتیاج
دیکھو گر باور نہیں محتاج پیکاں تیر ہے

جانتا ہے جو حلاوت زخم تیر عشق کی !
نیشکر کی طرح سے کھاتا وہ انساں تیر ہے

سرو گلشن رشک سے اس قدر رعنا کے ترے
سینۂ گلشن میں اے سرو خراماں تیر ہے

رات بھر مجھ کو تصور میں ترے ناوک فگن
شعلہ گر پیکاں ہے تو شمع شبستاں تیر ہے

تو بہت پھرتا تھا سرکش کہکشاں نے اس لئے
ناک میں تیرے دیا اے چرخ گرداں تیر ہے

سہتا ہے جی نشانہ دل نہ ہو جاوے کہیں
اے ظفر اس کی نگاہ چشم فتاں تیر ہے

دل میں اک آواز نے از خود نہیں بھڑکا گئی
ہوسو گری دم نائی کی نے میں آ گئی !

تیری چشم مست کی گردش وہ ہے اے مست ناز
محفل ہشیاروں کی جس کو دیکھ کر چکرا گئی

دل ہوا سوز محبت سے جو سرگرم طپش
شعلہ کانپ اٹھا فقط کیا برق بھی تھرا گئی

خانہ تن سے کرے کیا جاں نکل جانے کا قصد
کیا کرے انبوہ غم وہ دیکھ کر گھبرا گئی

دل کے غارت گر کے ہاتھوں کیا کہوں کیا کیا ہوا
دل گیا اور ساتھ دل کے دین گیا دنیا گئی

سنتا ہے زاہد کا رونا وہ بھلا کب اے ظفر
کان میں جس کے صدائے خندہ مینا گئی

پان کی سرخی نہیں لب پر بت خونخوار کے
لگ گیا ہے خون عاشق منہ کو اس تلوار کے

خال عارض دیکھ لو حلقے میں زلف یار کے
مار مہرہ گر نہ دیکھا ہو دہن میں مار کے

انجم تاباں فلک پر جانتی ہے جس کو خلق
کچھ شرارے ہیں وہ میری آہ آتشبار کے

طوبیٰ جنت سے اس کو کام کیا ہے حوروش
جو کہ ہیں آسودہ سائے میں تری دیوار کے

پوچھتے ہو حال کیا میرا قمار عشق میں !
جھاڑ بیٹھا ہاتھ میں نقد دل و دیں ہار کے

یہ ہوئی تاثیر عشق کو کسی سے سنگ آب
اشک جاری اب تلک چشموں سے ہیں کہسار کے

ہے وہ بے وحدت کہ جو سمجھے ہے کفر و دیں میں فرق
رکھتی ہے تسبیح رشتہ تار سے زنار کے

وعدہ دیدار جو ٹھہرا قیامت پر تو یاں
روز ہوتی ہے قیامت شوق میں دیدار کے

ہوشیاری ہے یہی کچھ ظفر اس سے حذر
دیکھئے جس کو نشے میں بادہ پندار کے

جب تصور قد کا تیرے سروقد بندھ جائے
پھر تو ہر نالہ مرا سولی مجھے دکھلائے ہے

اس قدر ہے ناتوانی سوجکر لیتا ہے دم
دم مرا جس دم مرے سینے سے لب پر آئے ہے

ہر ترحم چشم کیا ہو ہر مژگاں سے مرے
اس سے برسے آپ پہ خوناب تر بر سائے ہیں

محو حیرت ہے بہ رنگ غنچہ تصور دل !
اے صبا ہرگز نہ کھلتا ہ ے نہ یہ کھلائے ہے

وہ ہے ڈوبے آشنا ہی دیکھتے ہی سب کھڑے
دل مرا چاہ ذقن میں اس کے غوطے کھائے ہے

وقت گریہ اور بھی بھڑکے زیادہ دل کی آگ
آنسوؤں سے چشم تر روغن گر ٹپکائے ہے

گردشیں چشم مفتی کی ظفر ہے وہ بلا !
دیکھ کر جس کو فلک کی عقل بھ چکرائے ہے

جلا دل گری سوز جگر پہنچی تو یہ پہنچی !
جگر کر دل کی ہم کو کچھ خبر پہنچی تو یہ پہنچی

نہ بے دردوں سے دل ملتا نہ مجھ کو درد دل ہوتا
اذیت دل کے ہاتھوں سے اگر پہنچی تو یہ پہنچی

گیا اے چارہ گر سر درد اپنا سر کے جانے سے
دو اہم کو ہم جو کارگر پہنچی تو یہ پہنچی

جو وہ پردہ نشیں پہونچا دکھاتا حال کیا ہوتا
کر حالت اپنی اس کی دیکھ کر پہنچی تو یہ پہنچی

گیا دل بھی گئی جس دم نظر اس شوخ کی جانب
پہنچ دونوں گئے پہ خوشتر پہنچی تو یہ پہنچی

نہ پہنچا کوئی اپنے پاس پہنچا جب کہ وقت آیا
اجل کو آفریں ہے وقت پر پہنچی تو یہ پہنچی

مرا ہوں اب جگر کیونکر نہ اس آہ جگر کا میں
مدد کو نالہ دل کی ظفر پہنچی تو یہ پہنچی

شب ہاتھ ہمارے جو مئے ناب نہ آئی
کیفیت سیر شب مہتاب نہ آئی

برقع کو اٹھایا رخ تاباں سے جو اس نے
خورشید جہاں تاب کو بھی تاب نہ آئی

صحرا میں گھٹا گور پہ ہم بادہ کشوں کی !
کب آئی کہ بادیدہ پر آب نہ آئی

جا کر جو عدم سے نہ پھر آیا کوئی ہمدم
کیا یاد اسے صحبت احباب نہ آئی

منہ پھیر گئی قتل سے ظالم تری مژگاں
کام اپنے کوئی تیغ سیہ تاب نہ آئی !

کھاتا ہی رہا حلقے میں دل زلف کے چکر
کس روز یہ کشتی سرگرداب نہ آئی

تھا ہم کو خیال آوے گا وہ خواب میں لیکن
نیند آنکھوں میں شب اے دل بیتاب نہ آئی

تیرے خم ابرو میں کیا سجدہ جو ہم نے
بہتر نظر اس سے کوئی محراب نہ آئی

دیکھا دل بیتاب کو اپنے تو ظفر پھر
خاطر میں مرے ماہئ بے آب نہ آئی

دیکھو تو آہ شیوہ یہ آدمی میں کیا ہ
حال اس کا غم میں کیا ہے اور بے غمی میں کیا ہے

برہم ہوئی ہے ہم سے پھر تیری زلف کافر
دیکھیں کہ اب ہے ہوتا اس برہمی میں کیا ہے

ہر اشک وہ گہر ہے میرا کہ جس کے آگے
کہیے کہ آبداری در ثمیں میں کیا ہے

تیغ نگہ سے تیری سینہ سپر ہوا دل
توہی بتا کہ اس کی ثابت قدمی میں کیا ہے

خوں ہو کے بہہ چلا دل آنکھوں کی راہ شاید
سرخی سے آنسوؤں کے دیکھو نمی میں کیا ہے

دونوں میں ہم کو یکساں جانے بلا ہماری
افسردگی میں کیا ہے اور خرمی میں کیا ہے

دم باز ہے وہ ظالم دیتا دم و دلاسا
بھرنا ظفر دم اس کا تو ہمدمی میں کیا ہے

عیب وہنر نہ پوچھو تم آدمی میں کیا ہے
تم میں بھی کچھ نہ کچھ ہے پیارے ہمیں میں کیا ہے

بے نور عشق سب میں تنہا ہمیں میں کیا ہے
یہ بھی اگر نہیں تو پھر آدمی میں کیا ہے

عاشق سے وہ جو اتنی کرتا ہے کم نگاہی
منظور اس کو دیکھیں اب اس کمی میں کیا ہے

حاضر ہیں تیرے وحشی، کرتو شکار ان کو
کرتا شکار افگن تو اس کمیں میں کیا ہے

کس طرح دل سے اٹھیں صد رنج و غم کے صدمے
اے غمگسار باقی اس دم غمیں میں کیا ہے

ہیں خاک سے نکلتے رنگیں ہزار ہا گل !
کیا جانے یہ دفینہ یارب زمیں میں کیا ہے

پہنچا حبیب یزداں جس جائے اے ظفر واں
پر مارنے کی طاقت روح الامیں میں کیا ہے

کسی کے جب تصور کی نظر بندی لگی ہونے
تو ہو کر چشم بندی گھر کی در بندی لگی ہونے

الٰہی خیر ہو پھر چشم میں تحریر سرمے کی
سیاہ ناز وغمزہ کی کم بندی لگی ہونے

یہاں مشتاق نے آنکھوں سے باندھا تارا شکوں کا
وہاں کانوں کے بالوں پہ گہر بندی لگی ہونے

جگر کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے طفل اشک نکلے ہیں
ہمیں معلوم اب اس کی جگر بندی لگی ہونے

کمینے بھی لگے اب شعر کہنے کیا تماشا ہے
کہ مضموں بندی ان روزوں چھپر بندی لگی ہونے

کہاں مرغ نظر اس گلشن رخسار تک پہنچے
کہ تار اشک سے پہلے ہی پر بندی لگی ہونے

کسی نے کچھ نہ کچھ بہتان باندھا کھل گیا ہم پر
جو اپنی ان کے کوچے میں ظفر بندی لگی ہونے

ترے جوڑے کا او کافر جو کوئی نام لیتا ہے !
تو عاشق کھا کے مکا سا کلیجہ تھام لیتا ہے

کھلا رنگ شفق سے یہ کہ ہر روز اپنی گردن پر
ہزاروں خون ناحق چرخ نیلی فام لیتا ہے

شب فرقت میں نیند آتی نہیں اور بیقراری سے
سحر تک کروٹیں بستر پہ یہ ناکام لیتا ہے

وہ مرغ ناتواں صیاد کیا نالہ کرے جس کا
ہوا ہوتا ہ ے دم گردم بھی زیر دام لیتا ہے

نماز فجر و مغرب ہے یہ عاشق کی کہ اٹھ اٹھ کے
بلائیں اس رخ وگیسو کی صبح و شام لیتا ہے

کروں ہوں ساتھ چاک جیب کے میں سینہ بھی اپنا
جنوں کے کام دیکھو کام میں یہ کام لیتا ہے

یوں کیوں کر نہ خوں اپنا ظفر میں وقت بیہوشی
کہ اس لعل لب میگوں کے بوسے جام لیتا ہے

قاصد اشک اس کو جب میری خبر پہنچائیں گے
تو نشانی کے عوض لخت جگر پہنچائیں گے

دل نہ دیتے ان دل آزاروں کو گر ہم جانتے
دل کو ایذا یہ ہمارے اس قدر پہنچائیں گے

اس طرح کرتے ہیں ہم سے کیوں کنارہ کیا سبب
گور کے ہم کو کنارے وہ مگر پہنچائیں گے

اپنی ہم آہ رسا کی جب بنائیں گے کمند
ایک دم میں دل کو بام چرخ پہ پہنچائیں گے

جس سے ہے امید الفت میں تجھے سودائے سود
دیکھنا اے دل وہی تجھ کو ضرر پہنچائیں گے

لوح پیشانی پہ جو لکھا ہے ٹلنے کا نہیں
آب گریہ اپنا ہم سر تک اگر پہنچائیں گے

دیکھ لینا رفتہ رفتہ حضرت عشق ایک دن
منزل مقصود پہ ہم کو ظفر پہنچائیں گے

بیٹھے بیٹھے دھیان ہم اپنا ادھر دوڑائیں گے
وہ نظر آوے نہ آوے پر نظر دوڑائیں گے

ہوگا کیا ہوں گے ہوا کے گروہ گھوڑے پر سوار
ہاں سواری میں ہوا خواہوں کو پر دوڑائیں گے

بوسہ زلف ورخ کا اپنے ہم کو دیجے کے نہیں
خوب ساجب تک نہ وہ شام و سحر دوڑائیں

جام مے چوری گیا تو پھر نہیں آنے کا ہاتھ
ہم کٹورا ساقیاگر عمر بھر دوڑائیں گے

تیرے دامن تک تو ہاں معلوم ہم کو دسترس
ہاتھ اپنے جیب کی جانب مگر دوڑائیں گے

عشق میں اس شوخ ہر جائی کے ہم کو اسقیں
حضرت دل دیکھیے کس کس کے گھر دوڑائیں گے

غیر سے خط و کتابت اس کی جانے کی نہیں
وہ یونہی کاغذ کے گھوڑے اے ظفر دوڑائیں گے

لگا تیغ ور بھی گر دم تڑاکل چھاتا ہے
پر اس سے نظر کیوں دیکھ اے قاتل چھاتا ہے

اگر روتی ہے اے شبنم چمن سے جا کے باہر رو
تری اشکوں سے پانی گل کا زخم دل چھاتا ہے

چھا کر غم کے خم پی جائیں گے کیوں ساغر مے پر
عبث تو ہم سے آنکھ اے ساقی محفل چھاتا ہے

اڑالیتا ہاے ہاتھوں ہاتھ وہ دزد حنا دل کو
چھاتا بھی ہے گر کوئی بصد مشکل چھاتا ہے

چھاے کوئی کالا چور دل کو پر جو تو پوچھے
کیوں منہ پر کر تیرے رخ کا کافر تل چھاتا ہے

نہیں ہونے کا موزوں اس سے اس انداز کا مصرع
تری قامت کا مضموں سرولا حاصل چھاتا ہے

ظفر اک عاشق جانباز ہے مرنے پہ دم دیتا
وگرنہ جان یاں ناداں سے ناعاقل چھاتا ہے

پاس جاناں کے کہا کس نے کہ جانا منع ہے !
دل کو پر اس دشمن جاں سے لگانا منع ہے

ہوکے سرکش گر پڑا فوارہ آخر سر کے بل
جھک کے چلنا چاہیے یاں سر اٹھانا منع ہے

گل کھلایا تازہ یہ خون شہید ناز نے
ہوں نہ جب تک پھول ان کو پان کھانا منع ہے

کرکے منہ اس در کی جانب آہ کھینچوں کس طرح
تیرے قبلے کی طرف اے دل لگانا منع ہے

اپنے زخموں سے کہا فس فس کے زخمی نے تڑپ
آج سے شادی کا دن آنسو بہانا منع ہے

عشق کے مذہب میں ہے واجب بہانا اپنا خوں
خون بہا کر ذکر پر قاتل سے لانا منع ہے

عشق نے دل کو ظفر اتنے دیے کیوں آبلے
یہ وہ ہے بیمار جس کو آب و دانا منع ہے

خاک میں توقیر پیش دلستاں جا کر لی !
دل لگانے کی ہمیں یہ داد واں جا کر لی !

ہاتھ سے تیرے زمیں پر کب ملی راحت ہمیں
ہاں مگر زیر زمیں اے آسماں جا کر لی

ہو گئی اک عید سی عاشق کو جب اس کے گلے
تیغ تیری اے بت نامہرباں جا کر لی

ہوگیا قندمکرر بوسہ شیریں دہن
لب سے لب مل کر زباں سے جب زباں جا کر لی

ساتھ ہی جاتے مگر باتیں گے وہ جلدی گئے
دوران سے میری جان ناتواں جا کر مرلی

جو کر ہو واصل تجلی کب ہو دوئی سے آشنا
ہے وہ دریا بعد دریا میں جہاں جا کر لی

دید دادید اے ظفر پر دے میں ٹھہری یار سے
دیکھ لو اپنی نظر اس سے کہاں جا کر لی !

میں ہوش میں ہوں یا رب یا کچھ مجھے وحشت ہے
گر جوش ہنسی کا ہے گر گریے کی شدت ہے

گر شعلے میں گرمی ہے تو گل میں نزاکت ہے
ہر شے میں نظر آتی اللہ کی قدرت ہے

نالے میں مرے دل میں یہ داغ محبت کے
تربت پہ چراغوں کی کچھ بھی نہیں حاجت

یکساں ہے موحد کو مسجد ہو کہ مے خانہ
یہ جائے پرستش ہے وہ جائے عبادت ہے

شعلے سے نکلتے ہیں میرے بن ہر موسے
سینے میں بلا میرے اک سوز محبت ہے

مجذوب ہوں یا سالک عاقل ہوں کہ دیوانہ
کیا جانیے میں کیا ہوں اور کیا مری حالت

جلوہ تجھے اپنا وہ ہرشے میں دکھاتا ہے
پردہ تیری آنکھوں کا پر تیری ہی غفلت ہے

کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوش محبت میں
اے فخر جہاں سب وہ تیری عنایت ہے

میری اور مجنوں کی ہاں تصویر دونوں کی کھنچے
ساتھ دونوں کے مگر زنجیر دونوں کی کھنچے

بوالہوس جھوٹا ہے گر عاشق چہ ہے جرم وفا
کھال واجب ہے پئے تعزیر دونوں کی کھنچے

دل جگر دونوں میں فریادی مگر کیا فائدہ
آہ جب سینے سے بے تاثیر دونوں کی کھنچے

کھنچیں جدول مصحف رخ پر اگر زلفیں تری
ایک سی دونوں طرف تحریر دونوں کی کھنچے

ٹھہرے ہم اور غیر گر یکساں تو ظالم چاہیے
جاں شکنجے میں بھی بے تقصیر دونوں کی کھنچے

ان بھووں سے دیکھیں اس دم کون ہوتا ہے دو چار
جب برابر ایک دم شمشیر دونوں کی کھنچے

ان کے کھنچنے پر جو سمجھاتے گئے یار و رفیق
اور وہ سن کر ظفر تقریر دونوں کی کھنچے

تو نظر آیا نظر اپنی جدھر کو پڑ گئی
کہ شب کو ماہ روشن سے چراغ اونچا دکھاتا ہے

سب پہ ہیں لطف و عنایت ایک مجھ پر ہے عتاب
قد اپنا باغ میں وہ رشک باغ اونچا دکھاتا ہے

روبرو گلشن میں اس روئے عرق آلودہ کے
بنا کر آشیاں گویا کہ زاغ اونچا دکھاتا ہے

ہو کے سرگرم شرارت کی جدھر تو نے نگاہ
جو سینہ کوہ اپنا داغ داغ اونچا دکھاتا ہے

کس کی غمخواری پڑی ایسی مصیبت عشق میں
کبھی نیچا کبھی اسے خاک راغ اونچا دکھاتا ہے

جانتا ہوں میں بھی ملتی خاک میں ہے آبرو
تو دست شاخ پہ رکھ کر ایاغ اونچا دکھاتا ہے

ظفر رہتا ہے جس کو گور کی تنگی کا ڈر ہر دم
مکاں وہ کب بنا کر بافراغ اونچا دکھاتا ہے

سرمہ دے چشم میں اس نے جو نکالا پانی
مردم چشم لگے ناچنے کالا پانی !

خشک ہے دامن صحرائے جنوں میں جو خار
اس کو دیتا ہے مرے پاؤں کا چھالا پانی

سنگ دل آہ پسیجے نہ کبھی دل تیرا
کوہ کو کردے اگرچہ مرا نالا پانی

یاد قامت میں ترے روؤں جو اے سرو رواں
تو لب قد سرآب ہو بالا پانی

کردے آب دم شمشیر سے ایسا سیراب
کہ نہ مانگے ترا پھر چاہنے والا پانی

ہوش آرائش تن خاک ہو اس مجنوں کو
جس نے جز خاک کبھی سر پہ نہ ڈالا پانی

دیکھے گر وہ گل رخسار عرق ناک ظفر
تو بھرے باغ میں سیرابی لالا پانی

چھڑکتی آب ہے شبنم جو رخ گل دھوکے
تولتی ہے اسے منقار کو بلبل دھوکے

زاہد خشک کو ہے شربت کوثر کی طلب
ہاں پلادو اسے پانی قدح مل دھوکے

خاک عاشق کی لگی ہے تو جھٹک دے ظالم
تو خراب اپنا نہ کر دامن فرغل دھوکے

شانہ و آئینہ خورشید ہوئے کر حاضر !
بیٹھے جب منہ کو وہ باشانو تجمل دھوکے

رحمت اے اشک ندامت کر کیا تو نے سفید
روسیاہ ہوں کہ سیہ نامے کو بالکل دھوکے

کرتی ہے پاک مرے زخم کو مانند شراب
اب تیغ نگہ مست تغافل دھوکے

حرص دنیا کی نمائش پہ نہ جانا یہ سراب
دے ہے اے تشنہ صحرائے توکل دھوکے

اس کے بھیگے ہوئے بالوں سے حذر کر اے دل
کہ ترے پیچھے پڑی ہاتھ وہ کاکل دھوکے

یا علاج ہے وہ ظفر خاک سر راہ ترا
آب حیواں بھی پئے تو ہم دلدل دھوکے

جائے کیوں دیر میں اور کیوں وہ حرم میں آوے
جس کو اللہ نظر اپنے صنم میں آوے

درم و داغ جگر کام نہ غم میں آوے
دل یہ کہتا رہا لے لیتا وہ ہم میں آوے

اس دم سرد سے تو یار نہ دم میں آوے
ہاں جو کچھ نالہ میں دم ہو تو وہ دم میں آوے

تیرے کوچے میں اگر آئے ترا سوختہ جاں
تو وہ یہ جانے کہ ہم باغ ارم میں آوے

بوسہ لعل لب یار وہ یاقوتی ہے
جس سے طاقت دل بیمار الم میں آوے

لے گیا ساتھ جو ہستی سے ہے بیتابی دل
چین کیا خاک اسے جا کے عدم میں آوے

دل میں دیکھ اپنے تماشائے جہاں غور سے دیکھ
گر نظر تجھ کو نہ یہ ساغر جم میں آوے

دے سوا تیرے دم اور یہ گرچہ سوبار
دم ترے کشتہ شمشیر ستم میں آوے

کیوں نوشتے کا گلہ کیجئے کہ پھرنے کا نہیں
اب تو جو حرف ظفر آئے قلم میں آوے

تم حضرت دل میرے گر یار بنے رہجے
فوج غم و حسرت کے سردار بنے رہجے

رہجے تو ہیں اس گھر میں پر رہتا ہے یہ نقشہ
حیرت سے ہیں ہم نقش دیوار بنے رہجے

شاید کہ وہ عیسیٰ دم آ جائے عیادت کو
اس واسطے ہیں اب ہم بیمار بنے رہجے

دامن تلک اس کے تو پہنچے نہ کبھی آنسو
میرے ہی گلے کے ہیں وہ ہار بنے رہجے

دکھلاتے یہ بت آنکھیں گر شیخ جی صاحب کو
پھر دیکھتے وہ کیونکر دیندار بنے رہجے

دیتا جو ہمیں فرصت رنج و الم حرماں
اپنے دل غمگیں کے غم خوار بنے رہجے

ہم اس گل خوبی کو دیتے جو نہ دل اپنا
تو خلق کی آنکھوں میں کیوں خار بنے رہجے

آنکھیں ہیں بنی رہتی وہ تیری بلا کافر
ڈورے بھی نشے کے ہیں نار بنے رہجے

ان مست نگاہوں کی دیکھی نہیں کیفیت !
صوفی بھی ظفر ورنہ مے خوار بنے رہجے

ترے دانتوں کے آگے سلک گوہر کیا ہے یوں ہی ہے
لبوں کے روبرو یاقوت احمر کیا ہے یوں ہی ہے

وفور اشک کے آگے سمندر کیا ہے یوں ہی ہے
اور اس کے بلبلے سے چرخ ہمسر کیا ہے یوں ہے

نہ کر اتنا ستم تو نیم جاں پر اپنے جانے دے
کہ اس میں جان باقی اے ستمگر کیا ہے یوں ہی ہے

خدا جانے پری رویوں نے کیوں اس کو لگایا منہ
وگرنہ آئنہ میں ایسا جوہر کیا ہے یوں ہی ہے

نہ یہ آنکھیں نہ یہ مژگاں نہ یہ گوش او نہ یہ ابرو
ترے مکھڑے کے آگے ماہ انور کیا ہے یوں ہی ہے

جو پی جاتے ہیں آنسو بھر کے اپنی چشم ساقی میں
وہ کیا جانے کہ مے کیا اور ساغر کیا ہے یونہی ہے

جو تجھ سے ہو سکے تو خانہ عقبیٰ کو دے تزئیں
نہ کر آرائش دنیا کہ یہ گھر کیا ہے یونہی ہے

بجھا تجھ سے نہ سوز دل ذرا بھی بس تجھے دیکھا
یہ جوش گریہ تیرا دیدہ تر کیا ہے یوں ہی ہے

کہوں میں حسن میں گر تجھ کو رشک ماہ کنعانی
تو جھوٹ اس میں بتا اے ماہ پیکر کیا ہے یونہی ہے

درازی کو شب ہجراں کی جب دیکھا تو یہ دیکھا
کہ اس کے آگے طول روز محشر کیا ہے یونہی ہے

ظفر آیا کہ جس کے ہاتھ نسخہ خاکساری کا
مرے نزدیک پھر وہ کیمیا گر کیا ہے یونہی ہے

اے غافلو شباب کے وہ سن گزر گئے ! اب لطف زندگی کا کہاں دن گزر گئے
ہوں سخت جاں کہ زندہ ہوں ورنہ ہزار ہا صدمے اس ایک جان پہ مجھ بن گزر گئے
پیدا ہوئی نہ صبح اور آخر جہاں سے ہم گھڑیاں شب فراق کی گن گن گزر گئے
موجود وہ پری کسے سمجھے کہ جس کو دیکھ ہستی سے آدم و ملک و جن گزر گئے
تھا رہا عشق میں دم شمشیر پرگزر مشکل گزرنا اپنا تھا لیکن گزر گئے
اک جلوہ ایسا وہ بت کافر دکھا گیا ایماں سے آج کہتے ہیں مومن گزر گئے
گزری جو ہم پہ کیا کہیں ہم جب ادھر سے تم گزرے نہ آہ اور کئی دن گزر گئے

ظاہر پہ اب کمال زمانے میں ہے ظفر
تھے وہ جو لوگ صاحب باطن گزر گئے

جس وقت تری زلف سیہ صاف کھل گئی دل کی گرہ سی غیرت مہ صاف کھل گئی
تو دل کی بات کہہ کہ نگہ صاف کھل گئی تھی بلکہ وہ جوبات کی تہ صاف کھل گئی
تیرا نہ جوش اشک گھٹا اور ہزار بار بدلی برس کے ابر مژہ صاف کھل گئی
سینے سے میرے تیرلیا اس نے جب نکال تھی خون دل کی بند جو رہ صاف کھل گئی !
کھلتی نہ کیوں کسی سے ترے بانکپن کی طرح ٹیڑھی جو دیکھی تیری کلہ صاف کھل گئی
چھپتی ہے کوئی چاہ کی چتون بھی انکھیں ! جس دم لی نگہ سے نگہ صاف کھل گئی
غافل کبھی ہوئے کبھی ہشیارہم یہاں گر آنکھ بند ہو گئی گہ صاف کھل گئی !
چھپ چھپ کے گرچہ آپ گئے گھر میں غیر کے لیکن خبر ہزار جگہ صاف کھل گئی

نشتر سے کھل گئی نہ رگ جاں میر ظفر
کھلتے ہی پردہ نوک مژہ صاف کھل گئی

بدن پہ بال ہیں یوں اس ملول کے کانٹے کہ ہوں درخت میں جیسے ببول کے کانٹے
زیادہ کوئی سے کیونکر نہ ہو خلش پیدا کہ حق میں بوئے ہے وہ بوالفضول کے کانٹے
تری درازی مژگاں کا ہے بڑا کھٹکا کہ ہم نے دیکھے نہیں اتنے طول کے کانٹے
رقیب نیش زن اس گل کے ہم نشیں ہیں مدام یہ کیا ستم ہے کہ ہیں پاس پھول کے کانٹے
جو دیکھے اس گل عارض کو باغ میں گل چیں چنے گلوں کی جگہ ہوش پھول کے کانٹے
کلام کیوں نہ ہو سنجیدہ نکتہ سنجوں کا کہ تولتے ہیں وہ لے کر اصول کے کانٹے

غم و الم کے شتابی دل ظفر سے نکال
الٰہی صدقے سے اپنے رسولؐ کے کانٹے

نہ ہم پوچھ اے ہمدم بھلی کیا ہے بری کیا ہے
بتائیں اب تجھے کیا ہم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

اگرچہ عقل تو رکھتا ہے اور کچھ ہوش رکھتا ہے
تو آپ ہی سوچ یہ ہر دم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

بھلائی اور برائی یاں ہیں دونوں پر سمجھ اتنا
زیادہ کیا ہے کیا ہے کم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

رہے انسان و حیواں میں بتا پھر فرق کیا باقی
اگر جانے نہ یہ انساں بھلی کیا ہے بری کیا ہے

مثال آئینہ ہے گو کہ صورت آشنا لیکن
نہیں سیرت سے تو محرم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

جو نیکی و بدی کا فکر ہے سو ہے وہ ہستی میں
عدم میں کچھ نہیں یہ غم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

وہ کہیے جو بھلی ہو اور بری ہرگز نہ ہو اس میں
ظفر کو سوچ اک عالم بھلی کیا ہے بری کیا ہے

کسی سے سیکھ کر کرتا ہے باتیں ہم سے تو ایسی
سنی تھی آج تک ہم نے نہ تیری گفتگو ایسی

صبا جو پھر رہی بیمادلی سی آج گلشن ن میں
خدا جانے کہ ہے کس گل کی اس کی جستجو ایسی

لگائے گر نہ منہ آئینے کو تہ اے پری پیکر
تو کس صورت سے ہو عالم میں اس کو آبرو ایسی

کھلی رہ جائیں گی بعد از فنا بھی دیکھنا آنکھیں
کہ ہے ہم کو کسی کے دیکھنے کی آرزو ایسی

کہا تصویر مجنوں دیکھ کر اس نے مصور سے
کھنچی میرے بھی دیوانے کی صورت ہو بہو ایسی

ترے رخسار و گیسو سے بتا تشبیہہ دوں کیونکر
نہ ہے لالے میں رنگ ایسا نہ ہے سنبل میں بو ایسی

مری ہر بات پر وہ آج ہی ہوتا ہے کیا برہم
ظفر اس بے مروت کی ہمیشہ سے ہے خو ایسی

جب اس عالم سے اس عالم میں ہم گریہ کناں آئے
کہاں دل میں کہاں تھے ہم کہاں آئے

مری بالیں پہ وہ آرام جاں اک دم نہ آوے گا
اگر سو بار دم آنکھوں میں آئے لب پہ جاں آئے

دل اپنا لگ گیا کنج قفس میں اب کسے پروا
بہار آئے چمن میں ہمصفیرو یا خزاں آئے

پھیریں خانہ بخانہ مہر و مہ پہ حیف اے گردوں
کہ میرے گھر نہ یک شب وہ مہ نامہرباں آئے

جواب صاف ہی تو کاش دے تسکین کے بدلے
بلا سے صبر تو دل کو مرے اے دلستاں آئے

ترے ہاتھوں سے گرچہ ناک میں دم اپنا آتا ہے
مگر کیا تاب جو لب پر کبھی آہ و فغاں آئے

لگا کس کی منزل ہستی میں دل کیا خاک ہم اپنا
کہ ہیں دو روز اس مہماں سرا میں میہماں آئے

نہ آئے وہ کبھی جتنے رہے ہم روز درباں سے
کہ اب وہ آئے یہ آئے وہاں آئے یہاں آئے

ظفر ساتھ سے ہے گردش زدوں کی جان کا بچنا
کہ ہم گردش میں آئے جب سے زیر آسماں آئے

شروع مخمسات

نہیں مستوجب تعظیم وزارت پنکھا   جو کہیں اہل شریعت کہ ہے بدعت پنکھا
اک تماشا ہے اسے کہتی ہے خلقت پنکھا   رکھتی ہے گرمی ہنگامہ عشرت پنکھا

آتش شوق کو ہے موجب شدت پنکھا

نور و الطاف و کرم کی ہے یہ سب اس کی جھلک   کہ وہ ظاہر ہے ملک اور ہے باطن میں ملک
اس تماشے کی نہ کیوں دھوم ہو افلاک تلک   آفتابی سے تجمل جس کے ہے خورشید تلک

شہ بنا اس شہ اکبر کی بدولت پنکھا

شائق اس سیر کے سب آج ہیں بادیدہ دل   واقعی سیر یہ ہے دیکھنے ہی کے قابل !
چشم انجم ہو نہ اس سیر پہ کیونکر مائل   سیر یہ دیکھیے ہے وہ نیّر والا منزل

جس کے ایواں کا رکھے ماہ سے نسبت پنکھا

رنگ کا جوش ہے ماہی سے زبس ماہ تلک   ڈوبے ہیں رنگ میں مدہوش سے آگاہ تلک
آج رنگین ہے رعیت سے لگا شاہ تلک   زعفراں زار ہے اک باغ سے درگاہ تلک

دیکھنے آئی ہے اس رنگ سے خلقت پنکھا

عشرت و عیش کا ہے باغ میں انبوہ عجب   عرق شبنم گل ٹپکے ہے گرمی کے سبب
بے طلب غنچوں نے ہیں ناز سے کھولے ہوئے لب   شاہدان چمن اس دم ہیں جو سرگرم طلب

دامن باد سے چاہیں ہیں بہ منت پنکھا

غنچہ پوچھے ہے صبا سے کہ بتا دے کیا ہے   چشم کیوں شوق میں نرگس کے ہمیشہ وا ہے
کیا تماشا ہے کہ دیکھے ہے دیکھا کیا ہے   سایہ برگ سے گل باغ میں یہ کہتا

کیا تماشا ہے کسے دیکھیے ہے دیکھا کیا ہے   سایہ برگ سے گل باغ میں یہ کہتا ہے

وقت نظارہ مرے منہ پہ لگا مت پنکھا

ہر سحر شوق میں کیا وجد کرے ہے اپنے   دیکھتا برگ جو شاداب تڑپے ہے اپنے
ہاتھ پہ گل در شبنم جو دھرے ہے اپنے   جوش فوارہ سے دامن جو بھرے ہے اپنے

گوہر قطرہ نیساں لطافت پنکھا !

آگے بھی ہمدم و دمساز سے سنتے ہیں سدا   لعض آواز سے ہلجائے ہے دل انساں کا
وہ بجا کہتے ہیں ہر بات کہ ہم نے دیکھا   ہر ٹکورے پہ ہے پنکھے کی طرح دل ہلتا

آج نوبت سی لگا کرنے یہ نوبت پنکھا

حرکتیں دیکھ کے پنکھے کی کہیں اہل خسرو   کہ وہ ہے غم کی طرف مار رہا دست رد
لیک میں نے اس اشارے سے یہ پایا مقصد   ہے تماشائیوں کو اپنے یہ بلاتا شاید

دست جاناں کی جو رکھتا ہے شباہت پنکھا

چشم نم کو جو وہاں بہر تماشا جائے   جام صہبا کی طرح سخت ہنسی آ جائے
کیونکہ جوں شیشہ ہستی سے نہ دم الٹا جائے   عیش و عشرت کا ہے یہ جوش کہ گھبرا جائے

گر جھلے دل پہ نہ غش وقت حرارت پنکھا

مرد و زن شاہ و گدا کو دکھ و پیر و برنا !   جو ہوا خواہ ہیں پنکھے کے وہ سب ہیں یکجا
ہر طرف شور سا ہے اور بھی ہے غوغا   کی ہے ہنگامہ عشرت نے قیامت برپا

ایک نیزے پہ ہے خورشید قیامت پنکھا

دیکھ کر مکھ پنکھے میں یہ سوجھی ہے مثال   مہ و خورشید بغل گیر ہیں ہنگام وصال
لیک صناع کی ہے اور یہ صنعت کا کمال   اس میں جوں ابروئے مہر و جو بنایا ہے ہلال

ہے مہ عید صفت موجب شہرت پنکھا

خوشنمائی میں تماشا یہ کوئی پنکھا ہے   طرفہ و نادر و زینت وہ و زیب افزا ہے
زیور حسن پری چہرہ دمہ سیما ہے   شاہد عیش کے ماتھے پہ بھلا لکھا ہے

ہے خلا کار یہ جینے کی جو صورت پنکھا

جو کہ خواہان مے عیش ہیں ان سے کہہ دو   تم کو منظور اگر یہ ہے کہ کیفیت ہو
دو تم آرائگی بزم مے الفت کو   نہیں آویزہ کر طاقوں میں پنکھے ہیں دیکھو

سرو وحدت ہے اگر دیکھئے پنکھے کا جلوس لیئے یک رنگ ہیں سب باعث رنگیں ملبوس
کیوں نہ پنکھے سے دل طالعیاں ہو مانوس الٹا لٹکا ہے یہ پڑھنے کو نماز معکوس
کوئی عابد ہے بڑا اہل ریاضت پنکھا

کون اس پنکھے سے روکش ہو یہ ہے تاب کسے مہر جب دیکھ کے پیشانی عجز اپنی گھسے !
سربلندی ہوئی اس واسطے عالم میں اسے اس کی درگاہ میں پنکھا یہ جھڑے ہے جیسے
قصر جنت میں اگر حور ہے جنت پنکھا

دل گرفتوں کا یہاں کیوں نہ ہو تفریح مزاج یہ تماشا مرض غم کا مجرب ہے علاج
ہر طرف عیش کا سامان ہے عشرت کا رواج اے ظفر خاطر یاران ہوا خواہ کو آج
فرحت افزا ہے دم گرمی صحبت پنکھا

مخمس ثانی

کوئی جاوے جو ادھر شام وپگا ہے گا ہے
تو کہتے اس سے یہ بانالہ و ہے گاہ

چاہیے زخم سرخال بنا ہے گا ہے
اس طرف بھی تمہیں لازم ہے لگا ہے گاہ

دم بدم لحظہ بہ لحظہ نہیں، گا ہے گا ہے

دل پہ سوزش سے سدالب یہ ہے ہر دم دم سرد
اشک سرخ آنکھوں میں ہے رنگ ہے رخسار کا زرد

ہمدمو پوچھو نہ تم حال دل غم پہ درد
ہے بلا کثرت انبوہ ہجوم غم و درد

دل کو فرصت نہیں اتنی کہ کرا ہے گا ہے

کیا کہوں کیونکہ غم ہجر میں گھڑیاں گن گن
دن سے ہم رات کیا کرتے ہیں اور رات سے دن

مر بھی جاویں اسی حالت میں اگر ہم اس بن
بزم جاناں میں ہمیں بار کہاں ہے لیکن

دیکھ لیتے ہیں اسے ہم سر راہے گا ہے

فرصت اک دم کی نہ دی ہم کو ہجوم غم نے
خون کے دریا کئے جاری کیا چشم نم نے

جو نہ کہنا تھا کیا تیرے لئے عالم نے
اب تو یہ عہد کیا چاہ کے تم کو ہم نے

روسیہ ہو جو کسی اور کو چاہے گا ہے

جب سے میں عشق میں اس شوخ کے ہوں بے خور و خواب
کر فغاں لب پہ ہے اور چشم سے جاری خوناب

دیکھنا اس کو بھی اک دن یونہی با چشم پر آب
وہ بھی ہو جاوے گا میری ہی طرح سے بیتاب

اس کو پہنچا جو ظفر صدمہ آ ہے گا ہے

مخمس ثالث

گوش دل میں مرے آئی سحر آواز سروش
کر کسی یار کے شکوے سے نہ کر کچھ تو خروش

گر کہیں یار برا، لطف سے تو ہو جا خاموش
یار عیار ہے پھر یار سے اے صاحب ہوش

لطف کن لطف کو بیگانہ شود حلقہ بگوش

مجھ سے ہے کس لئے بیگانگی اتنا کرنا　　　اس شے تنہا ہو تو ایسا کر وہ ہو تجھ پہ فدا
گر دیئے سے جو مرے زہرا سے دیوے بلا　　　تو خفا ہو کے نہ کر آپ کو اپنے سے خفا

لطف کن کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

مجھ سے بے کار کو کرنا ہے گر اپنا منظور　　　کر رہے حلقہ طاعت میں سا میرے حضور
ترک کر بخل و نفاق و حسد و عجب و غرور　　　لطف کر اپنا عمل لطف کر اپنا دستور

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پدر و مادر و خواہر، زن و پور و دختر　　　عم و عمزاد و اخی، خواجہ و مہتر و کہتر
ہمدم و مونس و غمخوار و رفیق و نوکر　　　لطف سے اپنے تو سب ہوتے ہیں تابع یکسر

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

عازم کعبہ ہو تو خواہ ہو تو ساکن دیر　　　لطف کن لطف کہ ہے لطف سے انجام بخیر
تو کرے لطف تو کوئی نہ کرے تجھ سے بیر　　　لطف سے ہووے ہے اپنے سے سوا اپنا غیر

لطف کن لطف کو بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے وحشی صحرا ہی نہیں تنہا رام　　　لطف سے ماہی و مرغ آئے تہ حلقہ دام
لطف سے بنتے ہیں انساں ہی فقط کیا خدام　　　لطف سے ہووے پرستار پری، دیو غلام

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے آدمی ہے فیل کی گردم پہ سوار　　　لطف سے ڈالتے ہیں ناک میں اشتر کے مہار
لطف سے پکڑے گئے شیر و پلنگ، ہدرومار　　　لطف وہ شے ہے کہ بن جاتے ہیں اغیار بھی یار

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے کن کے ہوئے کہتے ہیں دونوں عالم　　　لطف سے روح ہوئی داخل جم آدم
لطف سے گرچہ ہو معشوق بھرے عشق کا دم　　　لطف سے غیر بنے بندہ بے دام و درم

لطف کن کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف ہے مطلب اظہار وفا کی تمہید　　　لطف ہے قفل درخانہ الفت کی کلید
صاحب لطف کی بر آئے ہے آخر امید　　　کر لیا لطف سے یوسف کو زلیخا نے خرید

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

قیس لیلیٰ پہ بنا لطف کے باعث مجنوں　　　کوہکن لطف سے شیریں کا ہوا تھا مفتوں

ہیر کے واسطے تھا لطف سے رانجھا مخزوں   لطف سا نے کوئی جادو ہے نہ کوئی افسوں

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

عاشق لطف ہیں ہم عاشق و ہم جانانہ   لطف سے شمع جلی شب تو جلا پروانہ
لطف وہ شے ہے کہ اغیار کرے یارانہ   گر نہ ہو لطف تو اپنا بھی بنے بیگانہ

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف کیا آگے ہے کیا چیز طلسام اکسیر   روبرو لطف کے سب ہیچ ہے حب اور تسخیر
حق تعالیٰ نے بڑی لطف میں دی ہے تاثیر   لطف بن غیر ہو کب دام محبت میں اسیر

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

تو کرے سبزہ بیگانہ پہ گر لطف عیاں   ہو کے خوش تجھ سے وہ خوشبو ہو مثال ریحاں
کوئی کیا اس عی ہو بیگانہ وش نافرماں   لطف سے تابع فرماں ہو ترا بادل وجاں

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف ہے دل کے پھنسانے کو وہ دام گیسو   لطف ہے کھینچنے کو دل کے کمند جادو
مدعی ہو کہ مخالف ہو کہ بدخواہ وعدو   ہو ترے حلقہ طاعت میں کرے لطف جو تو

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

تو بگولا نہ سمجھ بلکہ ہوا اور تراب   جی میں ہے لطف چلے اس کے یہ ہمراہ رکاب
ہے کہاں شعلہ جوالہ کدھر ہے گرداب   صاحب لطف کے ہیں حلقہ بگوش آتش و آب

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

بزم عشرت میں بھی ہے لطف سے لطف اک ہر شے   گر نہ ہو لطف تو بے لطف ہے سب نغمہ و نے
لطف سے جم کے ہے حلقہ طاعت میں جو مے   یہ بجا دائرہ عیش میں دف کہتا ہے

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

حلقہ موج ہوا قوس قزح قوس ہلال   گردش چرخ بریں، گردش مہ، گردش سال
گردش ساغر مے، گردش فانوس خیال   سب تجھے کہتے ہیں یہ حلقہ بگوشوں کی مثال

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

جب کماں خوب جھکی لطف سے باعجزہ و نیاز   لیا آغوش میں جب تیر سا ترکش طناز
سب کے گوشوں سے بوقت کشش تیر انداز   کہ نکلتی ہے یہی دل سے کماں کے آواز

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پرتو لطف سے خورشید کے ہو نور آگیں   رات کو کہتا تھا گردوں پہ مہ ہالہ نشیں
حلقۂ بندگی مہر ہے یہ ہالہ نہیں   مہر کو مہر کرے غیر محبت آگیں
لطف کن لطف کہ بیگانہ حلقہ بگوش

کچھ گل و سرو میں بھی لطف کا دیکھا اسلوب   ان کو بھی بلبل و قمری نے جو سمجھا محبوب
اے ظفر لطف ہے وہ شے کہ ہے سب کو مرغوب   یہ گلستاں میں کہاں بلبل شیراز نے خوب
لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

مخمس رابع

جب تری شمشیر سے کٹتے ہی سر اڑ جائیں گے   دل سب کے باعث خوف و خطر اڑ جائیں گے
ہم نہیں وہ جن کے وساں دیکھ کر اڑ جائیں گے   اور تو دھمکی میں اے بیداد گر اڑ جائیں گے
پر نہیں ٹلنے کے ہم ٹکڑے اگر اڑ جائیں گے

ہم صفیرو اب تو میں پھندے میں اس کے پڑ چکا   لاکھ پھڑکوں پر نہیں ممکن کہ ہوں اس سے جدا
پوچھو اس ظالم سے تو مقراض کیوں ہے ڈھونڈتا   پر کترنے کی مرے صیاد کو ہے فکر کیا
دام ہی کی کشمکش سے میرے پر اڑ جائیں گے

صدقے اس رفتار کے قربان اس انداز کے   اٹھتے ہیں سو فتنے ساتھ اک پاؤں کی آواز کے
دل کو ٹھکرا کر چلے جب تو کسی جانباز کے   دیکھ کر انداز کو تیرے خرام ناز کے
ہوش بھی کبک دری کے فتنہ گر اڑ جائیں گے

ہوں جدا جس روز سے اس رونق محفل سے میں   کچھ تڑپنے میں نہیں کم پارۂ بسمل سے میں
دن تو بے تابی میں ہی کرتا ہوں بسر مشکل سے میں   کروٹیں لوں گا جو یونہی شب کو درد دل سے میں
کھل کے گلہائے نہالی تا سحر اڑ جائیں گے

لیز شمع سوو ذر تارذ لشف مرغ روحس گھڑی دیکھ کر ہر تار بارش موتیوں کی سی لڑی
جنبش باراں ہوا باندھی تو ہے تو نے بڑی چشم دریا بار نے باندھی جو اشکوں کی جھڑی
دیکھنا تیرے دھوئیں اے ابر تیر اڑ جائینگے

ہجر کی شب میں نے جب دیکھا نہیں ہوئی سحر کان بھیرے لگائے پر نہ بولے جانور
تب تو یہ میں نے کہا ناچار سینہ کوٹ کر گوش بر آواز کیوں رہتا جو یہ ہوتی خبر
آج دنیا میں سے سب مرغ سحر اڑ جائیں گے

اے گل خنداں بتا ہم کو ہمارا کیا قصور مثل خار راہ پھینکے ہے گلی سے تو جو دور
ہم کچیوں کو اٹھانا خاک در سے کیا ضرور ضعف سے ہے ہم کو صر مرجنبش مژگان سور
ایک جھونکے میں خدا جانے کدھر اڑ جائیں گے

کچھ نہ پوچھو ہمدمو جو دل میں ہے سوزنہاں ساتھ دم کے ہر نفس نکلے ہے شعلہ یا دھواں
سوزش دل سے کرونگا میں اگر آہ وفغاں برج آتشباز کی صورت بروج آسماں
دیکھنا بھر کر مرے دود جگر اڑ جائینگے

روز فرصت کیا کرامت ایک سنتے ہیں جدید روز کہتے ہیں کہ باغ قدس کی کرتے ہیں دید
آخرش ان کو بنا کر طائر عرش مجید شیخ صاحب کو اڑا دیں گے اگر یونہیں مرید
ل نہ سکتے ہوں گے تو بھی عرش پر اڑ جائیں گے

صبح گلشن میں صبا تیرا اگر ہووے گزر کہیو بلبل سے ذرا اٹھا کر اے شوریدہ سر
کر رہی ہے چہچے کیا شاخ گل پر بیٹھ کر یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

بات جو کرتے نہیں ہرگز فریب و مکر بن تو ہوا خواہی کا دعویٰ معتبران کی نہ گن
گل کھلے گا جب کہ ہوگا کوئی ان کا ممتحن لوگ باغ سبز دکھلاتے تو ہیں پر ایک دن
ہاتھ کے طوطے سے ان کے اے ظفر اڑ جائیں گے

مخمس خامس

گفتگو اوروں کے شامل کبھی ایسی تو نہ تھی   ہوتی خفت ہمیں حاصل کبھی ایسی تو نہ تھی
رہتی اس بزم میں کل کل کبھی ایسی تو نہ تھی   بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی
جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

پوچھتا ہوں دل بیتاب سے میں یہ ہر بار   کہ نہ سیماب نہ تو برق نہ شعلہ نہ شرار
پھر جو تو مضطرب اتنا ہے بتا تو سہی یار   لے گیا چھین کے کون آج ترا صبر و قرار
بیقراری تجھے اے دل کبھی ایسی تو نہ تھی

یوں تو مدت سے ترا شیفتہ روئے نکو   پر جواب حال ہوا ہے یہ نہ دیکھا تھا کبھو
بس نظر ملتے ہی دل پہ نہ رہا کچھ قابو   تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو
کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

جلوہ اپنا جو مہ چاردہ نے دکھلایا   میں نے پوچھا یہ نیا نور کہاں سے پایا
آج تو اوج پہ جو اتنا چمک کر آیا   عکس رخسار نے کس کے ہے تجھے چمکایا
آب تجھ میں مہ کامل کبھی ایسی تو نہ تھی

جو ہمارے لئے خالق نے بنائی تکلیف   وہ ہمیں عشق کے رستے میں خوش آئی تکلیف
پہ کیوں کیا کہ بڑی ان دنوں پائی تکلیف   اب کی جو راہ محبت میں اٹھائی تکلیف
سخت ہوتی ہمیں منزل کبھی ایسی تو نہ تھی

کروے خانہ زنداں کی مری جی کا سکوں   میری وحشت کا وہ غل سنکے ہم کہتے ہیں یوں
دمبدم آج ہے زنجیر کی جھنکار فسوں   پائے کو ہاں کوئی زنداں میں بنا ہے مجنوں
آئی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

نہیں پروا اسے افسوس کہ میرا بسمل   تڑپے ہے خاک پہ اب تک کہ گیا خاک میں مل
نہیں معلوم وہ کافر ہے کدھر کو مائل   نگہ یار کو اب کیوں ہے تغافل اے دل
وہ ترے حال سے غافل کبھی ایسی تو نہ تھی

کچھ خوش آتا ہی نہیں اس کو مری ایذا بن   بلکہ درپے ہے مرے قتل کے وہ رات اور دن
اس کے ہاتھوں سے مری جان بچے کیا ممکن   چشم قاتل مری دشمن ہے ہمیشہ لیکن
جیسی اب ہو گئی قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی

جانتا ہے اے تو خوب کہ ہے عاشق زار — دل تو کیا جان کے دینے میں نہیں ہے انکار
وہ کسی بات پہ تجھ سے نہیں کرتا تکرار — کیا سبب تو جو بگڑتا ہے ظفر سے ہر بار
خو تری حور شمائل کبھی ایسی تو نہ تھی

مخمس سادس

نظر پڑے جو کہیں چاک در کھلے کے کھلے — شگاف دل کے رہے سربسر کھلے کے کھلے
عجب ہے کیا کہ رہیں لب اگر کھلے کے کھلے — کسی کے روزن در دیکھ کر کھلے کے کھلے
ہمارے رہ گئے دیدہ ادھر کھلے کے کھلے

کرے ہے سر پہ فلک جس کے روز فتنہ بپا — جو گھر کو چھوڑ کے ہے آخرش نکل جاتا
نہ پوچھ مجھ سے یہ خانہ خراب ہے کیسا — کہوں میں چرخ کی خانہ خرابیاں کیا کیا
پڑے ہیں سینکڑوں عالم میں گھر کھلے کے کھلے

پڑی وہ حسن کی ہے تیرے دھاک گلشن میں — کہ عندلیب ہوئی جل کے خاک گلشن میں
تجھے بتائیں گے جب شرمناک گلشن میں — گلوں کے ہوں گے جگر چاک چاک گلشن میں
رہیں گے بند قبا تیرے گر کھلے کے کھلے

گئے وہ دن کہ لگا کر ہزار ہا باتیں — نصیب وصل کی ہوتی تھیں ہمدمو راتیں
کرے گا ہم سے وہ اب بیدھڑک ملاقاتیں — لکھی ہیں یار نے شاید کھلی کھلی باتیں
وہاں سے لائے جو خط نامہ بر کھلے کے کھلے

نسیم صبح سے گلشن میں جب کھلے غنچے — تو اپنے حسن پہ نازاں بہت ہوئے غنچے
دہن میں رکھتے زباں کو ہزار تھے غنچے — کلام کر نہ سکے تیرے سامنے غنچے
چمن میں سب کے رہے منہ مگر کھلے کے کھلے

بیان کرنے کو تھا تجھ سے میں دم بسمل — جو زخم کھانے میں مجھ کو ہوئے مزے حاصل
پہ ایک بات کا کہنا بھی ہو گای مشکل — حلاوت دم خنجر سے تیرے اے قاتل
رہے مرے لب زخم جگر کھلے کے کھلے

یہ اپنے حسن پہ مغرور تھا وہ مہ پارا　　کہ کچھ بھی کہہ نہ سکے ہم ہزار سر مارا
جو مدعا تھا رہا دل کا دل میں ہی سارا　　نہ پایا اس سے جو ہم نے گلا کا یارا
ہمارے رہ گئے لب اے ظفر کھلے کے کھلے

مخمس سابع

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسماں ہم　　دل اس کے ہاتھ سے پر درد ہے اور چشم سے پر نم
کروں گا پر نہ شکوہ گرچہ ہوں گے لاکھ غم پر غم　　کیے جاؤں گا میں ہر دم یہی جھک ہے دم میں دم
خدا وارم چہ غم خدا دارم چہ غم دارم

فلک کے ہاتھ سے کیا کیا مرا دل رنج سہتا ہے　　کہ اک اشکوں کا دریا چشم سے دن رات بہتا ہے
نہیں فرصت ذرا غم سے اسی میں غرق رہتا ہے　　مگر تائید حق پر جب نظر کرتا ہے کہتا ہے
خدا دارم چہ غم دارم خدادارم چہ غم دارم

غم واندوہ سے حالت ہوئی ہے اس قدر میری　　کہ ہوتا غم سے غمگیں آپ صورت دیکھ کر میری
اگرچہ بار غم سے اب شکستہ ہے کمر میری　　نہیں پر دل شکستہ میں خدا پر ہے نظر میری
خدا دارم چہ غم دارم چہ غم دارم

مرا دل رنج و غم سے ہے بہت جس وقت گھبراتا　　تو یہ احوال ہوتا ہے کلیجہ منہ کو ہے آتا
نہیں ہرگز سمجھتا کوئی گر ہے لاکھ سمجھاتا　　مگر میں جب یہ کہتا ہوں تو بارے ہے ٹھہر جاتا
خدا دارم چہ غم وارم چہ غم دارم

بلا سے گر نہیں کوئی رفیق و آشنا میرا　　خدا پردھیان ہے میرا نگہبان ہے خدا میرا
خدا آساں کرے گا، گو ہے مشکل مدعا میرا　　خدا حامی ہے میرا اور خدا مشکل کشا میرا
خدادارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

نہیں غمخوار کوئی کون کر سکتا ہے غمخواری　　توقع جن سے یاری کی تھی وہ کرتے ہیں عیاری
خدا سے اپنی میں رکھتا ہوں امید مددگاری　　زباں ہے جب تلک منہ میں زباں سے ہے یہی جاری
خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

کوئی مغرور اپنے زور پہ ہے کوئی دولت پہ　　کوئی نازاں شکوہ و شان پہ ہے کوئی حشمت پہ
ظفر تکیہ کہاں میں نے فقط اس کی عنایت پہ　　کسی سے میں نہیں کہتا ہوں راضی اپنی قسمت پہ
خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

مخمس　　نامکمل

منہ چڑھے میری آہوں کی فغانوں کے　　منہ آگے ہے شرمندہ ان شعلہ فشانوں کے
اف منہ سے نہ کیوں نکلے ہر پیر جوانوں کے　　نالوں میں بلا گرمی ہے سوختہ جانوں کے
اس کوچے میں بیٹھے ہیں بہتیرے مکانوں کے

جب بستر گل پر تو رکھتا ہے قدم اپنا　　ہر بار رگ گل ہے پاؤں میں ترے چبھتا!
آگاہ نزاکت سے ہو گر تو گل رعنا　　عارض کے تلے دھر کر کیوں ہاتھ کو ہے سویا
قربان ترے رخ پہ چھلوں کے نشانوں کے

ہے دود فغاں ہی سے کیا رنگ فلک کالا!　　آہوں کے ہے شعلوں سے خورشید بھی تھرایا
سوزش مرے نالوں کی مت پوچھ کہوں میں کیا　　ان نالوں کی گرمی سے ہیں سوکھ گئے دریا
گویا لب ساحل ہیں لب تشنہ دہانوں کے

دم ناک میں ہے آیا پھولوں کے مہکنے سے　　ہے مغز اڑا جاتا بلبل کے چہکنے سے
اچھلے نہ کلیجہ کیوں پتے کے کھڑکنے سے　　اللہ ری نزاکت وہ غنچے کے چٹکنے سے
بولے کہ نہ پھٹ جاویں پردے کہیں کانوں کے

جب جسم میں مجنوں کے خوں کا نہ رہا قطرہ　　اور آنکھ سے آنسو کا کوئی نہ بہا قطرہ
اس دم کہیں صحرا میں پانی کا نہ تھا قطرہ　　جوں آبلہ پا سے کانٹوں پہ گرا قطرہ
تھا آب بقا حق میں ان خشک زبانوں کے

معلوم نہیں تیری اے عشق یہ ہے کیا خو　　آ کر جگر و دل کو اک دم میں مرے لو ہو
دکھلانے لگا اپنی جب شان تجمل کو　　ساتھ آہ و فغاں کے یوں آنکھوں سے بہے آنسو
ہو فوج رواں جیسے با ساز و نشانوں کے

اے عیسیٰ دوراں ہے تیرا یہ سخن شیریں — امکان نہیں غم سے دے ہم کو ذرا تسکیں
تو حق میں ہمارے ہے جلا دم آگیں — جاں بخش ہیں یہ تیرے گو لعل لب رنگیں
پر ہم کو تو اے ظالم لالے پڑے جانوں کے

جادو کی کمندیں میں یا آنکھوں کے ڈورے ہیں — مژگاں ہیں تری کافر بقہر کے نیزے ہیں
اور ابروؤں کو تیری سب دیکھ کے کہتے ہیں — کاجل کی بھویں تیری تحریر ہی کہتے ہیں
رستم کے یہ چلے ہیں حلقوں کے کمانوں کے

دل پہ اک نہ ہو جب تک دنیا کی تمنا سے — کیا کام نکلتا ہے تسبیح و مصلی سے
ناداں سے نہیں کہتے ہم کہتے ہیں داناں سے — دانا ہے جو دل اپنا پھیرے ہے وہ دنیا سے
کیا پھیرنے سے حاصل تسبیح کے دانوں کے

زلفیں تری بکھری ہیں عالم میں جو مستی کے — نکھری ہیں بلا میں یہ چھوڑینگی نہیں ڈس
اور گوشوں کے آویزے دشمن ہوں نہ کیوں جی کے — جوں آبلہ زہر آگیں ہو کام میں عقرب کے
زلفوں میں نہاں یوں ہیں ہیرے ترے کانوں کے

ہر شعر صفائی میں ہے سلک گہر اپنا — ہے ہر ورق دیواں گنجینہ زر اپنا
جاری نہ رہے سکہ کیوں علم و ہنر اپنا — ہے نقد سخن رائج عالم میں ظفر اپنا
منہ کھول دیے ہم نے مدت سے خزانوں کے

مخمس ناسخ

ان کو بد وضعوں سے صحبت میں کہوں تو کیا کہوں — اور مجھ کو ان سے الفت میں کہوں تو کیا کہوں
پوچھتے ہو کیا حقیقت میں کہوں تو کیا کہوں — کہنے میں ہوتی ہے خفت میں کہوں تو کیا کہوں
یارو کہنا ہے قباحت میں کہوں تو کیا کہوں

عاشقی کو عاشق کامل سے پوچھا چاہیے — زخم کھانے کا مزا گھائل سے پوچھا چاہیے
گزرے ہے بسمل پہ جو بسمل سے پوچھا چاہیے — دل کی جو حالت ہے اس بیدل سے پوچھا چاہیے
دل ہی جانے ہے وہ حالت میں کہوں تو کیا کہوں

حال دل اپنا کبھی کہے میں گر آتا ہے کچھا   میں تو کچھ کہتا ہوں اور غیر اس کو سمجھتا ہے کچھ
ہو جہاں جی میں فانی واں کہا جاتا ہے کچھ   کہاں کہوں ہو کر مکدر وہ تو جھنجلاتا ہے کچھ
واں تو دل میں ہے کدورت مس کی کہوں تو کیا کہوں

ایک تو رش رقیب اور دوسرے ہجراں کا غم   سوختہ جاں سینہ بریاں دل ہے خواں اور چشم نم
کیا کروں اس کی جفاؤں کا بیان میں دم بدم   کچھ وپچھو دوستو جو کو کہے اس نے ستم
ان کا کہنا ہے شکایت میں کہوں تو کیا کہوں

یوں تو آنکھوں میں پھرا کرتی ہے اکثر اس کی شکل   شوق پر کہتا ہے ظاہر دیکھ چل کر اس کی شکل
کل نظر جو آ گئی قسمت سے دم بھر اس کی شکل   جی میں تھا کچھ میں کہوں گا دیکھ کر پر اس کی شکل
ہو گئی سکتے کی حالت میں کہوں تو کیا کہوں

کونہ کی منہ سے بیاں شرح و تمنائے وصال   ان کو سب معلوم ہے جو دل میں گزرے ہے خیال
کوئی چھپتی ہے محبت اس کا چھپنا ہے محال   میری نظریں ہی کہے دیتی ہیں میرے دل کا حال
ان سے اپنا راز ازالفت میں کہوں تو کیا کہوں

تم کو غیروں سے نہیں محفل میں فرصتی ایک آن   جو سنے تو گوش لی سے راز دل کا سب بیان
کیونکہ سرگوشی کروں ہے مجھ سے عالم بدگمان   کان لگنے سے ترے سب کے لگے ہوئے ہیں کان
تجھ سے اے کان ملاحت میں کہوں تو کیاں کہوں

کوئی وحشت مجھ کو سمجھاتا ہے اور کوئی جنوں   دل سے نکلی ہے فغاں اور چشم سے جاری ہے خوں
دوستی میں ان کی ہے جو کچھ مراحال زبوں   دوستی تو چاہتی ہے یہ کہ کچھ ان سے کہوں
اور کہوں تو ہو عداوت میں کہوں تو کیا کہوں

بستر غم پر پڑا ہوں زار و بیمار و غریب   چشم تر رخ زرد دل پردرد جاں حسرت نصیب
اس کی دوری سے ہوا ہوں میں تو مرنے کے قریب   مجھ سے چل تو درد دل کیا پوچھتا ہے اے طبیب
سب کہے دیتی ہے صورت میں کہوں تو کیا کہوں

لے کے نامے کو مرے جب نامہ بر چلنے لگا   جی میں آیا کچھ کہوں پ سوچ کر جی میں کہا
آرزوئے شوق شرح ہجر عجز و التجا   مدعائے خط تو سب قاصد کو میں نے لکھ دیا
اب زبانی وقت رخصت میں کہوں تو کیا کہوں

تم جو فرمات ہو یہ مجھ کو تجھے سودا ہے کیا   آپ کی جانے بلا احوال اب میرا ہے کیا
ہے حلاوت عشق میں کیا اور مزا اس میں ہے کیا   تم نہیں آگاہ ناصح عشق میں ہوتا ہے کیا

تم سے اے حضرت سلامت میں کہوں تو کیا کہوں

ہر نفس سینے سے نالے کو ہے آہنگ سفر　　ہوتے ہی مژگاں سے رخصت قطرہ خون جگر
مجھ کو گرے سے کہاں فرصت لکھوں میں شعر تر　　یہ تو جلدی میں غزل میں نے کہی ہے اے ظفر
تو ہی کر گر وقت فرصت میں کہوں تو کیا کہوں

مخمس عاشر

تم ہواے خواجہ معین سرودان حق پرست　　تم ہو رمز آگاہ کن اور واقف سرالست
تم مددگار ظفر ہو کیوں ظفر کو ہو شکست　　پر فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہیں پاؤ دست
یامعین لادین چشتی دستگیری لازم ست

راہ دنیا ہے بلندو پست اور پرپیچ و خم!　　جابجا اس میں گل اندیشہ ہے اور لاے غم
ہر قدم پر خوف سے کرتا ہے سولغزش قدم　　استقامت کا بہت ہے آپ کا دست کرم
یامعین لادین چشتی دستگری لازم است

گھر رہے ہیں کوہ سے پر مرے بارگاہ　　اور میں عاجز نحیف و ناتوں ماندکاہ
وقت تریکی ہے اور ہر گام پر تاریک چاہ　　ظلمت آباد جہاں میں پھرتا ہوں گم کردہ راہ
یامعین لادین چشتی دستگیری لازم ست

نشہ غفلت سے یہ بدمست ہوں میں بے عمل　　جوش مستی سے ہے پاے ہوشیاری میں خلل
ہوں گرا پڑا برنگ اشک مژگاں سر کے بل　　دستگیری گر تمہاری ہو تو میں جاؤں سنبھل
یا معین الدین چشتی دستگری لازم ست

خاک پر سے جو کر مل سکتا نہ ہو جوں نقش پا　　تم اٹھاؤ تو وہیں ہوں وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا
عیسی جان بخش ہو تم اور خضر رہنما　　دردمندوں کی دوا ہو ناتو انوں کے عصا
یامعین الدین چشتی دستگیری لازم ست

طوف کرتا ہے تمہارے آستاں کا آسماں　　کعبہ اہل صفا ہو قبلہ گاہ مقبلاں
خواجہ ہر دو جہاں ہو شاہ شاہان جہاں　　آپ کا دست حمایت چھوڑ کر جاؤں کہاں

یامعین الدین چشتی دستگیری لازم ست

آستاں بوسی کا مجھ کو شوق تو ہے اس قدر پر کروں کیا میں ہوں بے طاقت قدم سے سربسر
اڑ کے میں پہنچوں ابھی میرے اگر ہوں بال وپر ہے تمہاری ہی فقط چشم عنایت پر نظر
یامعین الدین چشتی دستگیری لازم ست

وہ تمہارا نور باطن ہے کہ خورشید منیر روبرو ہے اس کے ذرہ بلکہ ذرے سے حقیر
تم پہ روشن ہے کہ میں اے خواجہ روشن ضمیر دوجہاں میں جانتا ہوں تم کو اپنا دستگیر
یامعین لادین چشتی دستگیری لازم ست

بحر غم میں یہ ظفر جوں موج ہو کر بے قرار مارتا ہے دست وپاتا ہاتھ آ جاوے کنار
پر کنارہ دور ہے اور ہے تلاطم بے شمار چاہتا ہے دستگیری ہے یہ وقت اضطرار
یامعین لادین چشتی دستگیری لازم ست

مخمس احدعشر

مجھے ہر روز جلنا آتش فرقت میں یونہی تھا مجھے ہر شب تڑپنا درد کی شدت میں یونہی تھا
غرق رہنا ہمیشہ مجھ کو اس حالت میں یونہی تھا مرا تو حال ہونا آپ کی الفت میں یونہی تھا
نہیں شکوہ مجھے تم سے مری قسمت میں یونہی تھا

عدو پر ان دنوں گر لطف بے پایاں ہے ہونے دو وفا کے گرچہ پردے میں جفا پنہاں ہے ہونے دو
نہ پوچھو ہمدمو جو کچھ کہ ہونا واں ہے ہونے دو رفیق اشفاق پر ان کے اگر نازاں ہے ہونے دو
کہ ان کا ڈھنگ ہم سے بھی کبھی شفقت میں یونہی تھا

شب ان کی بزم میں خون جگر اپنا پیا ہم نے جو اب اصل نہ بدگویوں کی باتوں کا دیا ہم نے
کسی نے جو کہا کانوں سے اپنی سن لیا ہم نے نہ بولے منہ سے کچھ غیروں میں ہم اچھا کیا ہم نے
ہمیں خاموش رہنا لازم اس صحبت میں یونہی تھا

ہوئی ہے قیس کو صحرا نوردی میں ہی یونہی شہرت کہاں دشت جنوں کو اس نے چھانا تھا باہیں وحشت
اسے دیوانے پن میں ہم سے تھی کچھ بھی نہیں نسبت اڑائی خوب ہم نے خاک تھی مجنوں کو کیا نسبت

کہ وہ تو آ گیا اس وادی وحشت میں یونہی تھا

اگر اس کو کہاں میں نے تو فرمایا بتایا باعث
مجھے معلوم کچھ اس کا نہیں ہرگز ہوا باعث
نہ جس مطلب پہ اوروں سے کبھی پوچھا گیا باعث
بجزیہ اعرض غیروں کی ہوئی اس طرح کیا باعث
گزارش کرتا بندہ بھی تو ہاں خدمت میں یونہی تھا

ہمیں منظور تھا جو کچھ مقرر ہم وہ کر جاتے
کہ جاتے اس جہاں سے آج ہم اور چشم تر جاتے
نہ آتے آپ گر یک دم تو ہم جی سے گزر جاتے
تم اپنے وقت آ پہنچے وگرنہ ہم تو مر جاتے
ارادہ ہو چکا اپنا غم فرقت میں یوں ہی تھا

کیا تو نے نہایت کیوں نحیف اے دل مزاج اپنا
تجھے کرنا کچھ اندیشہ تھا پیش از احتیاج اپنا
دکھاتا کیا ہے حال ناتوانی ہم کو آج اپنا
دل بیمار جب ہم نے کا تھا کر علاج اپنا
کہ آیا فرق کچھ تیری ابھی طاقت میں یونہی تھا

مرا دم دیر سے آنکھوں میں تھا مشتاق نظارہ
نہ تھا پر دیکھنے کا تیرے اک لحظہ مجھے یارا
ترحم چاہیے تھا کچھ تجھے اے شوخ و خود آرا
دکھا کر غیر کو صورت مجھے کیوں رشک سے مارا
کہ میں تو مر رہا دیدار کی حسرت میں یونہی تھا

وہی آتا ہے یاں جس کی گرفتاری ہے قسمت میں
نکل سکتا نہیں پھر آ گیا جو کوئی الفت میں
پا ہ کیا سمجھ کر تو بتا رنج و مصیبت میں
نہیں جائے گریزاے دل اگر تجھ کو محبت میں
تو آیا تو ارے دیوانے اس آفت میں یونہی تھا

خدا جان کوئی وہ ہے پری یا حور یا انساں
تصدق جایئے اس شکل کے اس حسن کے قرباں
نہ پوچھو مجھ سیکیا حیرت فزا ہے جلوہ جاناں
ظفر تم دیکھتے ہو جس طرح آئینے کو حیراں
کل اس کو دیکھ کر میں بھی رہا حیرت میں یونہی تھا

مخمس اثناعشر

آچکی لکھتا ہوں بصد خون جگر بند کے بند
پھیلتا اپنی ہوں قینچی سے کتر بند کے بند
مطلب دل کے ہیں یہ زیر نظر بند کے بند
بھیجے خط اسے لکھ لکھ کے اگر بند کے بند

نہ پڑھے کھول کے وہ دے یونہیں ہر بند کے بند

اک طرف کھینچے ہوئے تیغ وہ ابرو کافر   ایک جانب کو لئے نیزے ہیں مژگاں یکسر
ایک سو سرمے کے دنبالے نے کھینچا خنجر   دل تیری چشم سے غائب ہو کہاں جائے کدھر
رستے سب ہو گئے اس تیرے نظر بند کے بند

جوش مستی میں جو کل چند بتان زیبا   کھول کر بند قبا سینے کو کرنے لگے وا
بے تکلف انھیں بس دیکھ کے یہ میں نے کہا   جامہ زیبوں کے ہیں کیا بند قبا بند بلا
دل عشاق ہوئے کھلتے ہی پر بند کے بند

جن کو دی عقل خدا نے ہے وہ اتنا سوچیں   کار بیگانہ سے کیا فائدہ ہووے گا ہمیں
غیر کے کام میں کس واسطے ہم دخل کریں   کام جس کا ہو اسی سے ہو کماں کی یہ بندھیں
جز کمال گر کبھی ہاتھوں سے چھپر بند کے بند

سانپ کاٹے جو کسی کو تو دوا ہے اس کی   پڑھ کے منتر کوئی تدبیر کرے جھاڑنے کی
پر یہ کافر وہ بلا ہے کہ نہیں چھوڑتی جی   افعی زلف کا کاٹا نہ بچے کتے ہی!
باندھیں پڑھ پڑھ کے فسوں ساز اگر بند کے بند

گرچہ دل میں دم بسمل مرے لاکھوں میں خروش   اور پھر اس پہ یہ عالم کو رہا میں خاموش
اس کا مت پوچھ سبب اے بت غارتگر ہوش   تھا تری شوخ تبسم میں حلاوت کا یہ جوش
رہ گئے میرے لب زخم جگر بند کے بند

جوہری ہو کے اگر جمع جہاں کے آویں!   اور خوش آب گہر کان عدن کا لا دیں
آب و تاب ان کی و کیا خاک ہمیں دکھلا دیں   نکلیں دنداں ترے ہنسنے میں تو چپ رہ جاویں
دہن درج میں دندان گہر بند کے بند

کوچ کی اپنی سنائی ہمیں جب اس نے خبر   اپنا اک سکتے کا سا ہو گیا عالم سن کر
ہائے ہوتی ہمیں کچھ طاقت گفتار اگر   کچھ نہ کچھ کہہ کے انھیں روکتے ہم وقت سفر
پر زباں ہو گئی بندھتے ہی کمر بند کے بند

لے کر ہم اس کو جو گلشن میں سحر گہ جائیں   جو کہے منہ سے وہ گل لالہ و گل سہہ جاتیں
منہ ہے کیا غنچوں کا جو سامنے کچھ کہہ جائیں   گر کھلے باتوں میں وہ غنچہ دہن رہ جائیں

باغ میں غنچوں کے منہ باد سحر بند کے بند

جی تو چاہے ہے کبھی گل کی ہوس میں صیاد — پہنچوں میں باغ تلک ایک نفس میں صیاد
پر کروں کیا کہ میں اب ہوں ترے بس میں صیاد — باندھ کر پر نہ مجھے چھوڑ قفس میں صیاد
فائدہ کرنے سے کیا طائر پر بند کے بند

تیرے سودائیوں کو دی ہے سزائے تقصیر — لا کے زنداں میں کیا یاروں نے ہر چند اسیر
شوق صحرائے جنوں جن کے ہوا دامنگیر — گئے دیوانے نکل مثل صفائے زنجیر
قید خانوں کے یونہی رہ گئے دربند کے بند

پنجہ اس یار کا ہے پنجہ خورشید مثال — ہے خجل جس کی سرانگشت سے انگشت ہلال
اس کے تشبیہ مضامیں کا نہ پوچھو احوال — بندھ گیا پنجہ جاناں کا جو شب ہم کو خیال
کہہ دیے ہم نے مخمس کے ظفر بند کے بند

مخمس ثلاثہ عشر

سبزہ و گل ہو تو ابر تر بھی واجب ہے کہ ہو — سب ہوں تو بر میں سمن بر یہ بھی واجب ہے کہ ہو
ابر ہو تو بادہ و ساغر بھی واجب ہے کہ ہو — بزم عشرت ہو تو وہ دلبر بھی واجب ہے کہ ہو
اور خلوت ہو تو خالی گھر بھی واجب ہے کہ ہو

ہے اگر منظور دکھلاتی شکوہ و شان عشق! — آبلے دل کے بنا خیمے سر میدان عشق!
داغ نقد عشق کر اور درد کر ساماں عشق — عزم بے ساماں نہ کچھ دیکھ اے سلطان عشق
اک ہجوم غم سے یاں لشکر بھی واجب ہے کہ ہو

جمع ہوں جب کشتگان خنجر نازو ادا — اور چاہیں غمزہ قاتل سے اپنا خوں بہا
کون شاہد ہو گا وہاں بیچ ہے شہادت کے سوا — خون کا دعویٰ کریں جس دم شہیدان وفا
مہر داغ خوں سے محضر بھی واجب ہے کہ ہو

ناصحا یہ جوش سودا اور یہ جوش بہار — خار و گل دونوں سے ہے زیبائش مجنون زار
دور گلگشت چمن ہے وقت سیر سبزہ زار — چبھ رہے ہوں وادی وحشت کے گر پاؤں میں خار

تو گل داغ جنوں سر پر بھی واجب ہے کہ ہو

جتنے برہم ہوں زیادہ ہوں وہ گیسو خوشنما!   جتنی ہو پرخشم جادو خوشنما
ہے ہر اک طرز عتاب عربدہ جو خوش نما   اس کی ابرو پر نہ ہوں کیوں چین ابرو خوشنما
تیغ ہو تو تیغ پر جوہر بھی واجب ہے کہ ہو

اے شکار افگن وہ خنجر لا کہ جس میں آب ہو   آب وہ زہر اب ہو یا آب شہید ناب ہو
اس سے پرگچیر ناوک خوردہ کو کچھ تاب ہو   قطرہ پیکاں سے صید تشنہ کیا سیراب ہو
یاں رواں آب دم خنجر بھی واجب ہے کہ ہو

دیکھنا جب کچھ حصول مقصد و مطلب ہو دل   اور فارغ ساری تشویشوں سے روز و شب ہوں
آشنا و اشد سے اس گلشن میں شاید جب ہو دل   سیر گلزار جہاں سے یوں شگفتہ ہو دل
غنچہ آسا کچھ گرہ میں زر بھی واجب ہے کہ ہو

ہے وہی وہ جس سے باغ خلد کا بے لطف سیب   زلف وہ کافر کہ دے دل کو ہزاروں کے فریب
رخ کو دیکھو تو عبادت گاہ جاناں شکیب   کیونکہ محراب دو ابرو کو نہ ہو بینی سے زیب
ہو جہاں مسجد وہاں منبر بھی واجب ہے کہ ہو

سوچ لے دل میں کہ اس کی زلف ہے ناگن بلا   جس کو کافر نے ڈسا پانی نہیں وہ مانگتا
مان کہنا تو مرا دست ہوس کو مت بڑھا   سانپ کا سا ہے کھلانا چھیڑنا اس زلف کا
اے ظفر ہاں یاد کچھ منتر بھی واجب ہے کہ ہو

مخمس اربعہ عشر

زمانے کے جواب حالت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے   تو کیا ہے رنج یا راحت کبھی یوں ہے کبھی دوں ہے
غرض اللہ کی قدرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے   نہ دائم غم ہے نے عشرت کبھی وں ہے کبھی ووں ہے
تبدیلیاں ہے ساعت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

جو منہ میں آئے ہے کہتا ہوں یہ بیباک ہوں گا ہے   فغاں کو اپنی پہنچاتا سر افلاک ہوں گا ہے
نکلتا گھر سے میں شوریدہ وحشتناک ہو گا ہے   گریباں چاک ہوں گا ہے اڑاتا خاک ہوں گا ہے

لئے پھرتی مجھے وحشت کبھی یوں سے کبھی ووں ہے

کبھی وہ دمبدم بھرتے ہیں میری دوستی کا دم
کبھی یہ دشمنی گر مر بھی جاؤں ہو نہ ان کو غم
رکھوں چشم وفا کیا ان سے ہے وہاں اور ہی عالم
ابھی ہیں وہ مرے ہمدم ابھی ہو جائیں گے برہم
نہیں اک وضع پر صحبت کبھی یوں سے کبھی ووں ہے

ہوا جس روز سے میں فیضیاب بزم مستاں ہوں
سمجھتا شادی واندوہ عالم دونوں یکساں ہوں
عجب عالم دکھایا تو نے ساقی تیرے قرباں ہوں
جو شکل شیشہ گریاں ہوں تو بشکل جام خنداں ہوں
یہی ہے یہاں کی کیفیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

سنوارے زلف کو اپنی اگرچہ سو طرح سنبل
دکھائے روئے رنگیں کی ہزار اپنی نزاکت گل
لگانا دل کو اس گلشن میں تو اپنے نہ اے بلبل
کوئی دم ہے بہار گل پھر آخر ہے خزاں بلبل
چمن ہے منزل عبرت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

تلون سے مزاج یار کے ہے یاں حذر لازم
ہوا سو بار جھوٹا اور پھر ہرگز نہیں نادم
کبھی کچھ کہتا ہے ظالم کبھی کچھ کہتا ہے ظالم
ظفر اک با پہ دائم وہ ہووے کس طرح قائم
جو اپنی پھیرتا نیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

مخمس خمسۂ عشر

جواپنی کچھیر نا نیت کبھی یوں ہے کبھی ووں ہے

کچھ خبر پہلے کدورت اور صفائی کی نہ تھی   وجہ کوئی صلح کی صورت لڑائی کی نہ تھی
تھے جدائی میں مگر سیر جدائی کی نہ تھی   جب تلک دنیا نے ہم سے کچھ برائی کی نہ تھی

ہم کو آگاہی برائی اور بھلائی کی نہ تھی

آگے شہرت کیا تمہاری دلربائی کی نہ تھی   دلربائی میں مگر بات اس کھائی کی نہ تھی
ہم نے تو اپنا سمجھ کر آشنائی کی نہ تھی   یہ توقع ہم کو تجھ سے بیوفائی کی نہ تھی

آشنائی کی تھی ہم نے کچھ برائی کی نہ تھی

ہے دل بے کینہ میرا وہ مصفا آئینہ   زنگ سے آلودہ وہ جو ہرگز نہ دیکھا آئینہ
یہ کبھی محتاج صیقل کا نہ ہوتا آئینہ   تھے مکدر تم ہی ورنہ میرے دل کا آئینہ

بے کدورت تھا اسے حاجت صفائی کی نہ تھی

شوق گلشن سے نہیں اب اپنے بس میں اپنا دل   ہے بدلتا رنگ کیا کیا اک نفس میں اپنا دل
تھا یہ تنگ آزاد ہونے کی ہوس میں اپنا دل   لگ گیا تھا جن دنوں کنج قفس میں اپنا دل

ہم کو اے صیاد کچھ پروا رہائی کی نہ تھی

وقت گریہ غمزدوں کے کیا بلا اُمڈے تھے اشک   مثل دریا روکنے سے رک نہیں سکتے تھے اشک
ہرگھڑی ہر لحظہ جاری سب کی آنکھوں سے تھے اشک   تو نے کس کے دیدہ پر آب سے پونچھے تھے اشک

آج وہ سرخی ترے دست حنائی کی نہ تھی

سامنے اس شوخ کے جس وقت میں شیدا گیا   یک بیک قابو سے میرے دل نکل میرا گیا
وہ خدا جانے کہ باغ سبز کیا دکھلا گیا   دل فریبوں میں جو اس نا آشنا کے آ گیا

اس نے کیا آگے کسی سے آشنائی کی نہ تھی

دولت خوبی کا تیرے مہروش ووصف کیا   ماہ بھی جس سے سدا دریوزہ گر ہے حسن کا
تو نے اپنی آنکھ سے کیا شام کو دیکھا نہ تھا   ماہ تو کشتی لئے نکلا تھا کیوں مثل گدا!

حسن سے تیرے تمنا گرگدائی کی نہ تھی

اس مہ نامہرباں سے ہم نے کی تھی دوستی　　یہ سمجھ کر ہم جدا اس سے نہ ہوویں گے کبھی
پر نہ تھا معلوم یوں آجائے گی آزردگی　　جانتے تھے چین سے گزریں گی راتیں وصل کی

اسطفیٰ ہم کو خبر زور جدائی کی نہ تھی

شکل مثل سایہ ہوئیہ ہاتھ اپنا سر بسر　　ہم نے انگلی بھی اسے اپنی لگائی ہو اگر
کیا خطا کیا جرم پھر برہم جو ہے وہ اس قدر　　زلف اس کی ہم سے بل کرنے لگی ناحق ظفر

ورنہ کوئی وجہ لیکن کج ادائی کی نہ تھی

مخمس ستہ عشر

سب آج شرح دردوالم لکھ کے بھیج دوں　　جتنا کہ ہے فسانہ غم لکھ کے بھیج دوں
جو دل میں ہے اٹھاؤں قلم لکھ کے بھیج دوں　　خط غلامی اپنا صنم لکھ کے بھیج دوں

اورجو کہے خدا کی قسم لکھ کے بھیج دوں

آگاہ خوئے یار سے ہوتا اگر نہ میں　　قاصد خط اس کو لکھتا کبھی بے خطر نہ میں
مشق جفا سے اس کی ہے تو بے خبر نہ میں　　ڈرتا ہوں وہ قلم نہ کرے ہاتھ ورنہ میں

جو جو کئے ہیں اس نے ستم لکھ کے بھیج دوں

کیا کیا تھے یار اپنے زمانے کے انتخاب　　سب نے عدم کی راہ لی اے ہستی خراب
ہووے مثال نامہ نہ کیوں دل کو پیچ و تاب　　لا سکتا رفتگاں کا نہیں کوئی بھی جواب

خط کس کے ہاتھ سوئے عدم لکھ کے بھیج دوں

اس گل کی ایک عمر سے تھی جستجوئے وصل　　پائی پر اب تلک نہ کہیں میں نے بوئے وصل
اب جی میں ہے کہ یوں ہو اگر گفتگوئے وصل　　معلوم تو ہو اس کو مری آرزوئے وصل

وصلی پہ حال رنج والم لکھ کے بھیج دوں

لکھتے ہیں بار بار وہ مجھ کو کہ تو شتاب — لکھ بھیج حال عشق ہوا ہے جگر کباب
اس کے سوا بن آتا نہیں اور کچھ جواب — جا کر دکھاؤں دل کے جو ہیں داغ بے حساب

گر ہو حساب دام و درم لکھ کے بھیج دوں

قاصد رواں ہو باندھ شتابی سفر کا رخت — کھل جائے گا کہ ایسا تو عرصہ نہیں ہے سخت
ہرچند اس الم سے مرا دل ہے لخت لخت — یہ کیوں لکھوں کہ میں ہوں سیہ روز تیرہ بخت

مضمون خط و خال بہم لکھ کے بھیج دوں

میری طرف سے غیر نے کیا جانے کیا کہا — جو اعتبار کچھ نہ رہا میرے قول کا
تو ہے مرے نوشتے کو بھی جھوٹ جانتا — باور نہ ہو کبھی تجھے اے شوخ بے وفا

سو عہد نامہ گر بقسم لکھ کے بھیج دوں

اس کا خیال زلف ہے کیا کیا وبال دل! — لیکن اسے ذرا نہیں آتا خیال دل
ہو وہ بھی کچھ تو واقف رنج و ملال دل — پرزے پہ میں جگر پہ ظفر اس کو حال دل

مژگاں اگر مری ہو قلم لکھ کے بھیج دوں

مخمس سبعہ عشر

بچے دنیا یونہی بک بک کے عبث جان کھپائی — نہ دیا منزل عقبیٰ کا مجھے رستہ دکھائی
مگر اب جی میں ہے یہ چھوڑ کے سب بیہودہ درائی — ملا ذکر تو گویم کہ تو پاکی و خدائی

نروم مسن بجزاں رہ کہ توآں رہ نہ نمائی

نہ پھروں عہد سے جب تک کہ مرے دم میں رہے دم — رکھوں پیمان محبت کو ترے یوں ہی محکم
طلب وصل تری ہو نہ مرے دل سے کبھی کم — ہمہ درگاہ تو جویم ہمہ درکار تو پویم

ہمہ توحید تو گویم کہ بہ توحید سزائی

نہ چپ و راست سے گر ہووے تری نصرت و یاری — نہ ترا عرش سے تا فرش اگر فیض ہو جاری
تو کہے کیونکہ خدایا یہ خدائی تجھے ساری — تو خداوند یمینی ' تو خداوند یساری

تو خداوند زمینی ' تو خداوند سمائی

نظر آتی ہے جہاں میں جو سفیدی و سیاہی — قلم صنع پہ دے ہے ترے دن رات گواہی
تری یکتائی مبرا ہے ہر اک شے سے الٰہی — تو زن و جفت نہ جوئی تو خود و جفت نخواہی

احدا بے زن و جفتی ملکا کام روائی

نہ پرستش کا تو محتاج نہ محتاج عبادت — نہ اعانت تجھے درکار کسو کی نہ حمایت
نہ شراکت ہے کسی سے نہ کسی سے ہے قرابت — نہ نیازت بولادت نہ بفرزند تو حاجت

تو جلیل الجبروتی تو امیر الامرائی!

جسے تو چاہے امیری دے جسے چاہے فقیری — جسے تو چاہے بزرگی دے جسے چاہے حقیری
کرم و عفو سے کیونکر نہ کرے عذر پذیری — تو کریمی تو رحیمی تو سمیعی تو بصیری

تو معزی تو مذلی ملک العرش بجائی

گنہ و جرم پہ بھی کرتا ہے تو رزق رسانی — تیرے الطاف سے محروم نہ میخوار نہ زانی
کہ وہ ستار ہے تو واقف اسرار نہانی — ہمہ راعیب تو پوشی ہمہ راعیب تو دانی

ہمہ رارزق رسانی کہ تو موجود عطائی!

خرد و وہم سے گو دل نے کوئی بات تراشی — کہ ہو اول و آخر کی حقیقت کا متلاشی
مرے نزدیک سوا اس کے ہے سب سعی خراشی — نہ بدلے خلق تو بودی نبود خلق تو باشی

نہ تو خیزی نہ نشینی نہ فراشی نہ تو کاہی

رہے مصروف ثنا میں ترے ہر چند خلائق! — نہ ادا پہ وہ ثنا ہو جو ثنا ہے ترے لائق
کہ وہ فوق اور ہے جس فوق سے ہے سب سے فائق — نہ سپہری نہ کواکب ' نہ بروقی نہ وثائق

نہ مقامی نہ منازل نہ نشینی نہ بپائی

نہ توصیف تری رکھتی نہایت سے درازی   نہ لگے ہاتھ یہ کوچہ تری بے بندہ نوازی
نہ چلے کنہ حقیقت میں تری نکتہ طرازی   بری ازچون وچرائی بری ازعجز و نیازی

بری از صورت و رنگی بری زعیب و خطائی

نہ تجھے دوست کی حاجت ہے نہ اندیشہ دشمن   نہ تجھے کام ہے عشرت سے نہ شیوہ تراشیدن
نہ تجھے چاہیے ماوانہ تجھے چاہیے مسکن   بری از خوردن و خفتن بری از تہمت مردن

بری ازبیم و امیدی بری از رنج و بلائی

نہ رہا عالم طفلی و جوانی ہوئی پیری   غم دنیا کے ہے زنداں میں مجھے اب یہ اسیری
نہ روا رکھ مرے حق میں تو یہ خواری و حقیری   تو علیمی تو حکیمی ، تو خبیری تو بصیری

تو نمائندہ فضلی تو سزا وار ثنائی!

ترے اوصاف بیاں کرنے کی باندھے جو دھن جی   دم تقریر ہو گونگی دم تحریر ہو لنجی
مری کو نوک زباں تیغ معانی کی ہو کنجی   نتواں وصف تو گفتن کہ تو در وصف نہ گنجی

نتواں شرح تو کردن کہ تو در شرح نیائی

نہ بصر کو ہے یہ قدرت کہ تری دیکھے تجلی   نہ خرد کو ہے یہ طاقت کہ تجھے پائے ذرا بھی
متحیر ہوں میں اس میں کہ صفت کیا کہوں تیری   احدالیس کمثلی صمد الیس تعیدی

لمن الملک تو گوئی کہ سزا وار خدائی

ظفر اس وقت میں خاموش ہو کیا غنچے کے مانند   کہ یہ اشعار مناجات کے یاد آئے اسے چند
کرے اوصاف میں کس طرح ترے اپنی زباں بند   لب و دنداں سناں ہمہ توحید تو گویند

مگر از آتش دوزخ بودش زود رہائی

مخمس ثمانیہ عشر

ہمیشہ از ندامت اشک بارم زجرم خویشتن خود شرمسارم
مگر از رحمت امید وارم الٰہی واقفی از حال زارم

تو می دانی کہ جز تو کس ندارم

گناہوں کا مرے از بس ہے طغیاں رہے ہے موجزن طوفان پہ طوفان
تری بے دستگیری ہوں ہراساں الٰہی غرقہ ام در بحر عصیاں

ز دست رحمت اَفگن بر کنارم

جہاں سے مجمع اسباب غفلت مہیا ہیں سبھی اسباب غفلت
یہاں پی کر شراب ناب غفلت الٰہی رفتہ ام در خواب غفلت

بدہ بیداری زیں کار دشوارم

ترے آگے نہیں مانند تصویر زبان عذر کو یارائے تقریر
مری کیا دستگاری کی ہو تدبیر الٰہی کردہ ام بسیار تقصیر

وزاں حضرت نہایت شرمسارم

بجا ہے گر دل مضطر کرا ہے کہاں ٹھہرے جو کچھ آرام چاہے
نیائی منزل مقصود کا ہے الٰہی بر کشا از غیب راہے

زچندیں سال دمہ در انتظارم

کرے کو سرکشی کوئی زبردست سر راہ فنا ہو جاوے ہے پست
نہیں رہتی ہے مطلق طاقت جست الٰہی راہ مرداں سخت راہست

تو آساں بگذراں زیں رہ گذارم

تجھی کو زیب دے ہے حکمرانی کہ تیرے ہاتھ موت اور زندگانی
نہ جانوں میں غضب نے مہربانی الٰہی گر برانی ور بخوانی

تو دانی بندہ بے اختیارم

سیہ کاری میں ہوں غلطاں و پیچاں پریشاں حال مثل زلف خوباں
کروں کیا اپنی جمعیت کا ساماں الٰہی خاطر راجمع گرداں

کہ مسکین و پریشاں روز گارم

کھلے توحید کے معنی سمجھے یہ دوئی اٹھی نہیں اس سے عذر یہ
قضا جس دم کرے اپنی کماں زہ الٰہی برکیے گفتن مدد دہ

کہ تا من جان بآسانی سپارم

نہ گریے میں نہ سوز دل میں تاثیر گناہوں کی ندامت سے ہوں دلگیر
تجھی سے امید عفو تقصیر الٰہی ازکمال لطف بپذیر

دل سوزان و چشم اشکبارم

رہا میں جب سے یاں خورسند و فیروز یونہی ہوں حشر کو بھی جلوہ افروز
رہوں دونوں جہاں میں بہرہ اندوز الٰہی گر عزیزم کر دی امروز

مکن فردا بہ نزد خلق خوارم

یہ کافر نفس ہے ایسا بلا بد کہ جس سے جز بدی ہو کچھ نہ سرزد
عداوت مجھ سے کیا رکھتا ہے بیحد الٰہی گر نہ توفیق تو باشد

برآرد نفس بد از جاں دمارم

مکاں تاریک میں تنہا و بے زور جو کوئی پاس ہے تو مار یا مور
سنے کون آہ نالے کا مرے شور الٰہی درشب منزل گہ گور

تو لطف خویش گرداں غمگسارم

نشے میں میں تو ہوں غفلت کے سرمست مرے درپے ہیں دو دشمن قوی دست
کہاں جاؤں کروں میں کس طرف جست الٰہی نفس و شیطاں درکمین است

زتقوائے عبادت کن حصارم

ظفر ہے جن کو ایماں اپنا درکار دعا ایماں کی وہ مانگیں ہیں ہر بار
کہے ہے دیکھ تو کیا مرد ہشیار الٰہی بر جنید ایماں نگہدار

کہ این ست اصل جاہ و افتخارم

مخمس ہفت عشر در مرثیہ

اے بحرا جو شاہ دو جہاں ہے جھکا بحرے کو جس کے آسماں ہے
وہ سرور ہیں شاہ شہیداں دو جگ کا اجیارا اللہ کا محبوب ہے وہ اور ہے وہ نبی کا پیارا

علی کا ہے جگر زہراؔ کی جاں ہے

ستم ہے ساقی کوثر کا جانی! نہ پائے تین دن اک بوند پانی
پانی کی اک بوند نہیں اور سوکھی جائے زباں مارے پیاس کے گرمی کے ہونٹوں پہ آئی جان

لبوں پہ پھیرتا سوکھی زباں ہے

سوا دن بیاہ کے قاسم جو رن میں جدائی ہو گئی دولہا دلہن میں
کیسی مہندی عطر سہاگ اور کیسی رنگیلی رات دولہا کے تو ہاتھ کٹیں اور دلہن ملتی ہات

غم قاسم ہے یہ شادی کہاں ہے

گرا اکبر تو برچھی رن میں کھا کر موا عباس بھی دریا پہ جا کر
مارے گئے سب ساتھی سنگاتی اکبر اب نراسے خیمہ جلا گھر بار لٹا اور اہل حرم سب پیاسے

جدھر دیکھو ادھر شور و فغاں ہے

گئے اصغر کو شہ گودی میں لے کر کہ پانی سے کروں اس کا گلو تر
پیاسے گلے میں اس کے اتری ہے بے تیر کی بوند دیکھ کے اس نے باپ کی صورت آنکھیں لیتی موند

گلوئے خشک و چشم خونچکاں ہے

گلوئے خشک و چشم خونچکاں ہے

لہو میں دیکھ کر بھائی کو غلطاں کہا زینبؑ نے یہ باچشم گریاں
یہ ہے جسکو پیار سے اپنے زہراؑ گودی پالے اسکے تن پر گھاؤ لاگے بہتے لوہو کے نالے

سراب اس کا ہے اور نوک سناں ہے

جسے زہراؑ نے گودی میں کھلایا نبیؐ نے دوش پر جس کو چڑھایا
چاروں اور سے اس کے لاگے برچھی بھالے تیر مائی اوپر لوٹے رن میں گھائل سارا سر پر

لہو کا زخم سے دریا رواں ہے

ہوا زین العباؑ محبوس افسوس پیادہ پا چلا افسوس افسوس!
جس کے پاؤں کی مائی ہو چاند سورج پر فوق اسکے ہاتھوں ہتھکڑیاں ہو اور گلے میں طوق

سفر درپیش ہے اور ناتواں ہے

ظفر اس غم سے اک عالم ہے مغموم زمیں سے تا فلک ماتم کی ہے دھوم
نیلا ناگا اکاس نے کینو جائے اندھیری رین تارے ناہیں آنسوؤں سے ہے بھرے زمانہ نین

جسے دیکھو غرض ماتم کناں ہے

مسدس

چلنے لگی ہے بے طرح باغ جہاں میں یہ ہوا جانگزا کہتے ہیں سب جس کو وبا سے وہ وبا
یارب طفیل پنجتن مجھ کو اس آفت سے بچا میں ہر گھڑی اور ہر نفس پڑھ کر یہی ہوں پھونکتا

لی خمستہ اطفی بہار حرالوباء الحاطمہ!
المصطفیٰ والمرتضیٰ وابنا ہما والفاطمہ

لولا نبیؐ اللہ خبر با حرمت آل و وصی تاآب رحمت سے کہیں سوز وبا ہو منطفی
میرا وسیلہ پنجتن برکت سے اس کے نام کی شئی ہے یہ آفت بلا ہو کیوں نہ دل میرا قوی

لی خمستہ اطفی بہا حرالو باء الحاطمہ
المصطفےٰ و المرتضیٰ و ابنا ہما والفاطمہ

ہے یا جناب پنجتن وصف آپ کا قرآن میں   لولاک اور تطہیر ہے آیا تمہاری شان میں
دافع بلا کا تم سوا آتا نہیں ہے دھیان میں   یہ میرا ہے ورد زباں ہے جان جب تک جان میں

لی خمسۃ اطفی بہا حرالوباء الحاطمہ
المصطفے و المرتضی و ابنا والفاطمہ

واللہ غیر از پنجتن یارا کسی کو یہ کہاں   جو اس بلا کو ٹال دے ہووے شفیع عاصیاں
باور نہ آتا جسے دیکھے عیاں کا کیا بیاں!   لکھتے ہیں دروازے پہ تا گھر رہے دارالاماں

لی خمسۃ اطفی بہا حرا الوباء الحاطمہ
المصطفے و المرتضی و ابنا ہما والفاطمہ

ہے گرم گرچہ یہ ہوا جوں نار دوزخ بیشتر   لازم ہے تم کو جوش پہ دریائے رحمت کی نظر
ہرگز حواس خمسہ گم تو وہم سے اپنے نہ کر   بعد از نماز پنجگانہ وقت اس کو پڑھا کرائے ظفر

لی خمسۃ اطفی بہا حرالوباء الحاطمہ
المصطفے و المرتضی و ابنا ہما والفاطمہ

ایضاً

آج کہتا ہے ساقی مدہوش   کر نہ لے نام تو یہ سن خاموش
یہ چمن اور یہ گل یہ جوش و خروش   تو بھی گلا پوش یار بھی گل پوش

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

ہے ہوا سرد اور چمن سیراب   رخ خورشید پہ ہے ابر نقاب
ہے گناہ شکست توبہ ثواب   آج ہے دور دور جام شراب

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادو نوش

گل تو گلشن میں تھے ہمیشہ نسوز   آج غنچے بھی کہتے ہیں منہ سوز
شیشہ توبہ شراب کو توڑ   دامن عیش کر تو ہاتھ سے چھوڑ

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادو نوش

ہر رگ گل ہے اک ستار کا تار   زخمہ ہے عندلیب کی منقار
جب وہ چھیڑے ہے اس کو مطرب دار   ہوتی ہے یہ ترانہ ساز بہار

اے ظفر آمدہ بہار پہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

ابر بھی اس قدر رہا ہے جھوم!   لے گا روئے زمیں کو گویا چوم
لالہ و گل کا ہے چمن میں ہجوم   بلبلیں یہ مچا رہی ہیں دھوم

اے ظفر آمدہ بہار پہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

جام برکف ہے ساقی طناز   مطرب خوش نوا ہے نغمہ طراز
ہو نسیم بہار گر دم ساز   نے ونرگس سے نکلے یہ آواز

اے ظفر آمدہ بہار پہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

مے لعلیں سے بھر کے جام بلور   دے دیا دم کر وہ خدائے غفور
پاس توبہ کا رکھ خیال سے دور   ہے یہ عہد نشاط و وقت سرور

اے ظفر آمدہ بہار پہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

ہے ہوائے بہار روح افزاء   اس ہوا میں ہے میکشی کا مزا
آپ پی اور گل رخوں کو پلا!   توبہ توبہ ابھی سے توبہ کیا!

اے ظفر آمدہ بہار پہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

ہیں ابھی دن بہار کے دوچار   روز پی روز ساغر سرشار
توبہ کر لی جو بعد فصل بہار   ان دنوں مے سے تو نہ کر انکار

اے ظفر آمدہ بہار پہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

تو ہو اور تیرے ساتھ مست صنم   جام عشرت نصیب ہو جم جم
تجھ کو اس چشم مست کی ہے قسم   دیکھ تو ہے چمن کا کیا عالم!

اے ظفر آمدہ بہار پہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

در توبہ ابھی نہیں ہے بند توبہ ہر وقت ہے قبول و پسند
روز پی بادہ روز ہو خرسند بلکہ آج اور بھی دو چند سہ چند

اے ظفر آمدہ بہار بہ جوش
موسم توبہ نیست ' بادہ نوش

مسدس دیگر

کیوں دل آزار مرا تجھ سے دل زار لگا! کہ جو دل لگتے ہی اک جان کو آزار لگا
شوراں تیندی بہ وچ بھی گیا معمول پھندہ نال برہ کے پھندے گئے اساں نوں بھول

دل بدام خم زلف ست گرفتار ہنوز
جانم از نرگس بیمار تو بیمار ہنوز

واہ واہ خوب ہی کی مجھ سے محبت تونے خواب میں بھی نہ دکھائی کبھی صورت تونے
روندے روندے سوچنا کچھ نہیں آنکھوں نال تونے تیری دیکھیں وا بھلدا نہیں خیال

گرچہ شدہ دیدہ ام از گریہ ہجر تو سفید
لیکن از دل نرود حسرت دیدار ہنوز

گرچہ بسمل کی طرح خاک میں غلطاں ہوں میں دل سے پر تیر نگہ کے ترے قرباں ہوں میں
دل وچ تیندی تیر نظر دے ایسے گہرے گھاؤ بھر بھر مرہم مرہم جاویں تو بھی نہ ہو بھراؤ

بود دناوک ناز توچہ لذت کہ نشہ
لب ہر زخم بہم چوں لب سوفار ہنوز

اثر میں نغمہ بلبل کے خوش آتا ہے نکہت گل سے دماغ اپنا اڑا جاتا ہے
سونگھوں جا کر باغ میں میں پھوں دی باس میںڈا باغ بہار دا سو نہیں میںڈے پاس

آہ ازاں دم کہ نہاں شد گل رویت ز نظر
میخلد در جگرم از غم و خار ہنوز

تیری فرقت نے کیا بے خور و بے خواب مجھے جلد آ جلد کہ فرقت کی نہیں تاب مجھے
بھویں اوٹھ اوٹھ میں کھی اور بھر دی دل سے آہ انکھیاں تینڈی دیکھن کو تکدی تیری راہ

تو نہ غم خانہ ام از ناز نہ کی آئی وٹن
چشم رہ توچوں روزن دیوار ہنوز

پہلے یہاں آنے کا سو طرح اسے انکار کیا   پھر ہوا کیا کہ جو اقرار سے انکار کیا
گھڑی گھڑی کوک بھی پہلے مینڈے ہاتھ   کن دونا بھکا دیا جو دھر کے کانن ہاتھ

اے ظفر یار زاقرار بہ انکار آمد
لیک معلوم نہ شد باعث انکار ہنوز

ایضاً

کیا پوچھتے ہو کجروی چرخ چنبری   ہے اس ستم شعار کا شیوہ ستمگری
کرتا ہے خوار تر انہیں جن کو ہے برتری   اس کے مزاج میں ہے یہ کیا سفلہ پروری

کھائے ہے گوشت زاغ فقط استخواں ہما
کیا منصفی ہے زاغ کہاں اور کہاں ہما

بالعکس ہیں جہاں میں جہاں تک ہیں کاروبار   شیوہ کیا ہے الٹا زمانے نے اختیار
ہے موسم بہار خزاں اور خزاں بہار   آئی نظر عجب روش باغ روزگار

جو نخل پر ثمر ہیں اٹھا سکتے سر نہیں!
سرکش ہیں وہ درخت کہ جن میں ثمر نہیں

باد صبا اڑائے چمن میں ہے سر پہ خاک   ملتے ہیں دمبدم کف افسوس برگ تاک
غنچے میں دل گرفتہ گلوں کے جگر ہیں چاک   کرتی ہیں بلبلیں بھی فریاں درد ناک

شاداب حیف ہنا روی گل پاءماں ہوں
گلشن ہوں خوار نخل مغیلاں نہال ہوں

نزدیک اپنی آپ کو جو کھینچتے ہیں دور   دیکھا تو صاف فہم میں کچھ ان کے ہے قصور
ورنہ جو باصفا ہیں خرد مند ذی شعور   کیا دخل ان کو آوے کبھی نخوت و غرور

رکھتے غبار کینہ سے وہ سینہ صاف ہیں
ہر نیک و بد سے صورت آئینہ صاف ہیں
جائیں نکل فلک کے احاطے سے ہم کہاں   ہووے گا سر پہ چرخ بھی جاویں گے ہم جہاں
کوئی بلا ہے خانہ زنداں یہ آسماں   چھٹنا محال اس سے ہے جب تک ہے تن میں جاں

جو آ گیا ہے اس محل تیرہ رنگ میں
قید حیات سے ہے وہ قید فرنگ میں

یہ گنبد فلک ہے عجب طرح کا قفس　　　طاقت نہیں ہے نالے کی بھی جس میں یک نفس
جنبش ہو ایک پر کی تو پر ٹوٹ جائیں دس　　　رہ جائے دل کی دل میں نہ کس طرح سے ہوس

کیا طائر اسیر وہ پرواز کر سکے
جس میں نہ اتنا دم ہو کہ پرواز کر سکے

کیا کیا جہاں میں ہو چکے شاہان ذی کرم　　　کس کس طرح سے رکھتے تھے ساتھ اپنے وہ حشم
آخر گئے جہان سے تنہا سوئے عدم　　　دارا کہاں کہاں ہے سکندر کہاں ہے جم

کوئی نہ یاں رہا ہے نہ کوئی یاں رہے
کچھ اے ظفر رہے تو نکوئی یہاں رہے

دیگر

اے فخر جہاں فخر زماں فخر دو عالم　　　ہے لطف ترا حق میں دل ریش کے مرہم
ہر تار نفس میں ہو اگر سوگرہ غم　　　وا ناخن تدبیر سے ہوں تیرے بیک دم

ایک اشارے نال تساڈے کھلدے عقدے سارے
ڈھل نہ کر اے فخر پیا سلطان نظام کے پیارے

ہے زیب جبیں جس کی ترا داغ غلامی　　　وہ اوج مدارج میں قمر سے بھی ہے نامی
اے صدقے ترے لطف کے صدجان گرامی　　　تو اپنے غلاموں کا ہو الطاف سے حامی

مینوں رکھے مرشد مینڈا اپنے کر دے اوٹ
جو میں پناہ تساڈی پاوں یہ ہے دوا دے کوٹ

ہے مجھ کو ترے سلسلہ پاک میں بیعت　　　امید تو واں یوں ہے کہ اے چشمہ رحمت
تو ہونے نہ دیگا مجھے آلودہ کلفت　　　جس کا کوئی ہوتا ہے وہ کرتا ہے حمایت

لگ گیا دامن نال تساڈے بندھے تساڈے ساتھ
جونہی پکا ہاتھ ساڈا لاج تساڈے ساتھ

کھلتا نہیں کچھ مجھ پہ کہ یہ چرخ بداختر　　　کس واسطے ہر روز نیا لائے ہے چکر
تو میرا مددگار ہے تو کیا ہے مجھے ڈر　　　مدت سے کیا میں نے ہے تکیہ ترے در پر

کس دلیلی وین پھرے مینڈی کراں دھیان
جب دیکھے تو آوے ہووے سب مشکل آسان

ہر لحظہ سے دریائے غم و رنج کا طغیاں   اور باد مخالف سے ہے اٹھا ہوا طوفاں
ہاتھ آتا نہیں دامن ساحل کسی عنواں!   میں خوف سے کیا کیا صفت موج ہوں لرزاں

کون لنگھائے پار تورہا ٹوٹ پڑے منجدھارا
ساڈی ٹوٹی بیڑی دا ہیں تو ہے کھیون ہارا!

ہوں خاک نشیں صورت نقش کف پا میں   اٹھتا ہوا پامال کر جاتا ہوں مٹا میں
ہمدرد نہیں درد دل اپنا کہوں کیا میں   جو دل پہ گزرتی ہے وہ دل جانے ہے یا میں

کس نوں آکھاں بھید میں دل دا کون بندھاوے دھیر
تو ہی کر دے کرم فقیر اپنا سیندی دھائے پیر

کس طرح ظفر اپنا کرے حال دل اظہار   حیرت سے ہے یہ نقش کہ ہے نقش بدیوار
اور دل میں کھٹکتے غم و اندوہ کے ہیں خار   کس سے کہے ہے کون سوا تیرے مددگار

جلدی اسدے دل سے کڈھ لے ساری غ دے سول
تینڈا وہ تو کہا وے جگ وچ نا رکھ اسنوں ملول

ایضاً

پری رو تو نے کیا جلوہ دکھایا!   مجھے اک دم میں دیوانہ بنایا
کیا لکھے بجز نالہ ایسا کھیڑا!   نہ سنبھلا پھر میں بے خود نہ سنبھلا

چناں از وحشت دیوانہ گشتم
کہ من از خویشتن بیگانہ گشتم

جو تجھ کو جانتا تا آشنا میں!   نہ ہوتا آشنائے بے وفا میں
تجاہاں تجی کہیا سحر کیتا   جو سیئوا اپنے پھندے پھند لیا

ولم راچوں بزلف خویش بستی
مراچوں زلف سرتا پاشکستی

محبت کیا کہوں میں تجھ سے کیا ہے   کمند آفت و دام بلا ہے
جو اس پھندے میں آئے پھر نہ جیتے   ویلا دن رات چھاتی اپنی پیٹے

دریں دام بلا دل گشتہ محبوس
دریغا حسرتا افسوس! افسوس!

جدائی میں تری اے ماہ طلعت مجھے ہر روز ہے روز قیامت
سکھر دیں جلتے بلتے ہیں جو راتاں اونہاں راتاں دیجا کی آکھاں باتاں

چہ گویم پیش تو شبہائے درازم
بہ رنگ شمع درسوز و گدازم

دم آنکھوں میں ہے لب پر جان آئی تری صورت نہیں دیتی دکھائی
کہاں تک تیری سوتریاں راہ تکاں ترے ویکھے بناں پھر رہ نہ سکاں

نیاز درد دوری بے قرارم
نہ دارم تاب مجبوری نہ دارم

تری ہے اے ستمگر یاد ہر دم لبوں پر ہے مرے فریاد ہر دم
برہ دی اگ وچ ہے جان پھکدی نہیں جب کر دے ہاں دن رات ٹکدی

سرم پر شور از عشقت چنان است
کہ ہر سوئے ستم گرم فغان است
نہیں اب یار کوئی پاس اپنا نہیں غمخوار کوئی پاس اپنا
جو میرے ہوتی اپنی مہر نہ کہے وہ تیرے کول جا کر ہو رکھے

صنم گلزار اس طرز جفارا
خدارا بر ظفر رحمے خدارا

مثال

کروں خط میں کیا حال تحریر پہلے

پانی لکھی سے پہلے اسنو دیتو سب بھگائے قاصد سو چکے باقی دیتا مگر بات بگڑ جائے

وہاں چاک خط کی ہے تدبیر پہلے

سیسے کول بنو وے رانجھا آگے ہیر   جو کوئی دیکھے کھول کے انکھیاں تو ہراں دی تصویر

رکھی سامنے میں نے تصویر پہلے

سب نے سادے درد سمجھ اور ب ن عشق بناہا   جو وہ تجھے بیدا دے اس دروں سے کون کراہا

تو اے دل تجھے ہوگی تعزیر پہلے

کیونکر چھٹاں میں اے دھندے سے یہ دھندا گورکھ دھندا   چھن کارن دل کے بنایا برہ کے ناروں پھندا

بنی تھی تری زلف زنجیر پہلے

اگلے حال نوں تیں کی پچھدا دیکھ لے اب جو حال   خاک بھی ہوں تو لکھے دے وہ اپنے پیروں حال

ہمیں جانتے تھے جو اکسیر پہلے

کام کریں تدبیر سے پہلے من میں سوچ کے سیانے   بڑا سیانا اس کو جانو جو کر ڈانپا جانے

ظفر کام کرتی ہے تقدیر پہلے

مثلث

نہ ہنسو دیکھ کے تدبیر کو پلٹے کھاتے

گھر گھر اتنا نار دھر کیوں پھندا میدی یار   دو بھرا ہیں سیج ہے جو چاہے کنار

دیر لگتی نہیں تقدیر کو پلٹے کھاتے

ترے بھویں وہ یاد جو آئے دل کا ہوا یہ حال   دیکھے جس نے دیکھا نہووے بجھے دی نال

تہ خنجر کسی نخچیر کو پلٹے کھاتے

میری نجر ہے نجری تجھ پہ مست ایکا لیکھا   جب وہ میں نے لوکاں آنکھیں ہم نے ماہیں دیکھا

اس طرح برق کی شمشیر کو پلٹے کھاتے

شوق رنگ اسدے باتوں دا اب کچھے کی اعتبار   ایک ایک گل پر اپنی آنکھوں دیکھ چل بہار

ہم تو اس یار کی تقریر کو پلٹے کھاتے

مثلث

دنیا سے دل لگانا عزیز و بھلا نہیں

سوچ سمجھ لو اپڑیں من وچ پچ گلانا جھوٹ   جو ہی ہاتھ تساڈے جاوے ایک دم ہاتھ سے چھوٹ

سب ہم نے کر دیا ہے نہ کہتا کہا نہیں

چار دن کے ہیں یہ سنگاتی چاروں پاؤں ہاتھ   اک دن ایسا آوے تساڈے ایک نہووے ساتھ

پھر کون آشنا ہو کوئی آشنا نہیں

جس تن نت پہرا ہے چاندنی نئی نئی پوشاک   اک دن گردن وچ کفنی ہوا ورتن کو لاگی خاک

پھر خاک کا بھی ڈھونڈو تو ہر گز پتا نہیں

سنیوا پڑن اکھن نیڑں کوئی ہاتھ   جو ہی اپڑاں نت دا ساتھی ووئی اپنے ساتھ

ہمدم تو اپنا کوئی کوئی بھی دم کے سوا نہیں

جن لوگاں ان اکھا ڈٹھا گئے کہاں اے رام   وہ تو س انو بجز نہ آوندی کن کن کالوں نام

پیدا کبھی جہاں میں ہوئے تھے وہ یا نہیں

کس دا اپنا دھیان لگا ہے کوئی نہیں ہے پاس   نادان سای سوچ وچ اپنی ٹوٹی جاندی اس

سب کچھ تو اپنے پاس ہے کیا جانے کیا نہیں

مورکھ تجھے دنیا کی کیوں اپنی گنوا دی جان   شوق رنگ اس دی اچھی گھڑی جس صورت دا دھیان

سچ ہے کوئی کسی کا سوائے خدا نہیں

مثلث

ہجراں سانوں چھاڈ کے تونا جاروں کس دیس جن مجھساں باجلادیں کو ڈھو ئی آدیس

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

چینک اس دے دل وچ رہندی جیا رہے بچپن چھٹیا کندی کھو تو میندھے بھر بھراڈے نین

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

اکھیاں میندی اس نو ڈھونڈے نظر آنداتی ہد ہد آندی چھتیاں میندی کسو جاندائی

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

سنگ سنگاتی ساتھ اس دے ہنگی اس دی جان یا ئی اندیسہ میںنوں ہندا اب سب لوگ ہیں انجان

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

قاصد دانوں جانا سکھد اکیسی لکھا واں پانے اوکھی باٹ و نیان سا نڈے کھو کیلی نجاۓ

فریاد تسا ڈی درس کر دم رام جی

ساون کے سادنی اپنی بات تجھیں ہے سناونی دل دی خبر دیندا شوق رنگ کہنے وچ تجھیں اونی

فریاد تسا ڈی درس کر دی رام جی

ایضاً

ناحق مارے دھیان طبیاں آوندی سمجھ نہ آۓ عشق دا میںنوں روگ لگا وہ جس نوں کوئی نہ پاۓ

حال غم کوئی میرا کیا جانے

جو جو ساڈے دل پہ بیتی رب جان یا دل کاسوں آکھاں حال میں ی اپنا کہنا ہے مشکل

حال غم کوئی میرا کیا جانے

اپنی اپنی لوگاں کہندے میندی نہ سندے بات جو جو مجھ پہ بیتے ہے سو تکس کی نجات

حال غم کوئی میرا کیا جانے

رین دنا نہیں چین اسانوں تی میں ان کو دھیان   کالب سے کیوں اور کوئی نکل رہندی جان

حال غم کوئی میرا کیا جانے

ایک ایک دھڑکا اس جگ اندر دوجے وہاں کا ڈر   جنڈری کملائی ان دھڑکوں میں غم ہے جندا پر

حال غم کوئی میرا کیا جانے

کوئی نہیں غمخوار اساڈا آکھاں کس دے نال   شوق رنگ اپنے رب سوں کہے جو ہے اپنا حال

حال غم کوئی میرا کیا جانے

ایضاً

جو گئے یاں سے وہاں سے پھر کے پھر آتے نہیں

جانے والے پھر نہ آئے انکھیاں تکدی راہ   دن رین میندا جیا ترپے زبان میرا گواہ

یہ چھپی نظروں سے وہ صورت بھی دکھلاتے نہیں

قاصد بھیجوں کس نوں بھیجوں جانو تھور نہ تھانوں   ملک نہ جانوں دیس نہ جانوں نا جانوں وہ گانوں

ہے یہی رونا کہ ہم ان کو خبر پاتے نہیں

لکھاں پتیاں لکھ چکی لکھ لکھ تھک گئے ہاتھ   پہونچیں ہیں یا نا پہونچیں یہ کس سے پچھاں بات

وہ وہاں سے ایک پرچہ لکھ کر بھجواتے نہیں

ناجانو وہ کون نگر یا کیسی اس دی بات   کیسو وہاں کے لوگ بسیا کیسو وہاں کی ٹھات

ہے وہ کیا عالم کہ جس کا بھید ہم پاتے نہیں

شوق رنگ جو بیانوں میند شروائی سوا وندا   جہنا کندا اسیں تو بندا اب تو جگ سے کہوندا

کون ہے وہ اشک جو آنکھوں میں بھر لاتے نہیں

میں کہتی تھی اسے پیا کو راکھوں گی میں گھیر وہ تو ایسے بن کر سدھارے پل ہی نہ لاگے دیر

اس طرح سے پھول بھی گلشن میں کملاتے نہیں

مثلث

اثر جب ہو کر نکلے آہ دل سے

نا وہ آگ میں نا وہ جل میں وہ دل میں دل تیرے بغل میں

بشرطے تو بھی ہو آگاہ دل سے

دل ہے مسجد دل ہے مندر جو چاہے سو دل کے اندر

کہیں بہتر پرستش گاہ دل سے

کوئی پورب پچھم جائے کوئی دکھن اتر جائے

کریں ہم قصد بیت اللہ دل سے

جی کی بات ہے جی کی بھید جا سے اپجے کیجے بید

نکلتی ہیکی سب کے واہ دل کے

کس سے کہئے کون اب مانے جی کے بھید کو جی ہی جانے

ظفر ہوتی ہے دل کو راہ دل سے

ایضاً

کام دم ہو کیونکہ حاصل اس بت خود کام سے

کام پڑا ہے عشق میں سانوں اس بے دردی نال کان لگا کر کیونکر سنیے وہ لوکاں ساڈا حال

ہاتھ جو کانوں پہ رکھتا ہو ہمارے نام سے

پھردی میر انکھیاں وچ ہیں وہ انکھیاں مدماتی میں ناپیواں مدھ کا پیلہ مینوں مدھ نہیں بھاتی

ساقیا دوران سر ہوتا ہے دور جام سے

میڈی مت ہے نہ اسدا جس سے میڈا نیہہ ملا پاڈا جو کوئی مجھے اسنو کھماں دیئہ

کفر سے کیا کام مجھ کو کیا غرض اسلام سے

جیسے پھندا دل عشق دے پھندے پڑ گئے دکھ دے دھندے   چھٹ نہ سکے ان دھندوں سے ہم مر کے برہ کے دھندے

مدتوں پھڑکے قفس میں ہم جو نکلے دام سے

دیکھ کے سوتی سیج یا بن بھر بھر انڈے نین   کچھ مت پوچھو لوگاں میں کیونکر کڈی رین

روتے روتے صبح ہو جاتی ہے مجھ کو شام سے

کتنے دنوں بیکل کیتا کل ناہیں اک دم آن   دل کے بیکل رہنے سے ہے دکھ میں پڑ گئی جان

گر نہ ہو وے دل تو پھر گزرے عجب آرام

عشق کے کچے روندے ہیں اور رونے سے کی ہوندا   شوق رنگ اسنوں پکا کہیے جل کے نین جو روندا

آگ میں آنسو ٹپکتے ہیں کباب خام سے

ایضاً

چہ گلکم شرح بیانے کر بمی میگذرد

یارا ساڈا کتوں و سدا رہندا نسدن دھیان   آنکھ مینڈی نیر بہاوے بیکل رہندی جان

کیست آن نامہ برے تا کر کتابت برود

کہ مرداں نال نہ مجنوں یہ کب کی انسان   لہو پیون ان جھے داور مانی پیو جہان

مرد ولا جہہ را دشمن جانی شمرد

باری باری ہیر سیالے دسٹر جو وہ مدھ مدھیان   ایک ہیر برہ والا بھل گئے سب اوسان

وادی برباد بیک لحظہ مہ ہوش و خرد

جس نے بنائی موہنی صورت انسان پائی انسان   جاؤں بناون ہارے دے میں ہاتھوں کے قربان

طالب جلوہ حق صورت انسان نہ کرو

جس نو جانی عاشق اپنا اسدا دکھ ہر آن!   شوق رنگ اسدے کلان حکر ہو گئی ساڈیکان

حذر از غمزہ کہ صد سینہ عاشق بدرد

ایضاً

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا
اس خرد نے مجھے سرگشتہ و حیران کیا کیوں خرد مند بنایا نہ بنایا ہوتا

تو نے اپنا مجھے دیوانہ بنایا ہوتا

نشہ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

دل کو میرے خم و میخانہ بنایا ہوتا

دل کو صد چاک بنایا تو بلا سے لیکن زلف مشکیں کا ترے شانہ بنایا ہوتا

اور یا خاک سے ایسا نہ بنایا ہوتا

صوفیوں کے جو نہ تھا لائق صحبت تو مجھے قابل جلسہ رندانہ بنایا ہوتا

باعث قلقل مستانہ بنایا ہوتا

تھا جلانا نہ اگر دوری ساقی سے مجھے تو چراغ در میخانہ بنایا ہوتا

اور دل بادہ کشوں کا نہ بنایا ہوتا

شعلہ حسن چمن میں نہ دکھایا ہوتا ورنہ بلبل کو بھی پروانہ بنایا ہوتا

گل کو داغ دل دیوانہ بنایا ہوتا

روز معمورہ دنیا میں خرابی ہے ظفر ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا

بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا

دیگر

مجھے تیغ نگہ سے قتل کر تو سوچتا کیا ہے

کھانڈا برچھی ڈھونڈھ مت ڈھونڈھ نہ تیر کمان عاشق نوں مارے معشوقاں دی آن

نگاہ ناز سے تیغ و سناں کوئی سوا کیا ہے

ناڑی نہ ہاتھ طبیباں دوں پوچھوں نہ کوئی بید روگ لگا مینوں جیہہ دا اب جانے یہ بھید

کوئی کیا جانے یہ کیا درد اور اس کی دوا کیا ہے

بیم پیالے بھر بھر پیواں لے لے کے ہاتھ میں مدھ ساقی میہہ دی کوو نجانوں بات

دم جاں بخش عیسیٰ کیا ہ اور آب بقا کیا ہے

میں تو باوری ہو کیتاں جانوں نہ سات اور پانچ مینوں تم بتلا دو لوگاں لوں میں من میں جانچ

کہ لذت عشق میں کیا ہے محبت کا مزا کیا ہے

کے بتلاوں بچھن ہارا اور کے بچھڑے ہو حال دوہی میںڈی جان ہے اور جنڈڑی اسد سے نال

نہیں معلوم جینا کس کو کہتے ہیں قضا کیا ہے

ایہہ مائے دیکھا لکھا میںڈی سمجھ نہیں آئے بیدپرانم کوئی لاویں ٹھہر ٹھہر کے بتلائے

کہ لکھا مدعی نے کیا اور اس کا مدعا کیا ہے

ایسی کسدی چاہ لگی جو آٹھ پہر میں روندا نہیں آنسو بہانے کے کیوں جنڈی کو تو کھوندا

بتاوے مجھ کو تو اب اے ظفر یہ ماجرا کیا ہے

ایضاً

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

پی کے بلائیں گے جس دن پی کے پاس اس دن کیسی ہووے گی مینوں بھی ہراس

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

سنگ سنگاتی سنگ نہ ہوسنگے ہوگی اکیلی جان نفسی نفسی سب کہیں گے کس کا کس کو دھیان

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

کفن سمجھ لو گو ڈری اپنی گور سمجھ لو گانوں — لحد سمجھ لو بستر اپنا خاک سمجھ لو ناؤں

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

پیراں وچ کچھ سکت نہیں ہے منزل ہے گی دور — خالی ہاتھ چلے ہم یاں سے ہائے اندھیری گور

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

دنیا وچ کیا کیا کچھ مستار کچھ بھی رہا نہ گلے — واں سے ہم مکھی سی اپنی یاں سے ہم پنکھی سے چلے

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

دنیا وچ جتنا تھا کمایا آیا نہیں نہیں کام — سب کچھ شوق رنگ چھوڑ چلے ہم لے ہی چلے اک نام

خوف ہے مجھے تو یہ ہے ڈر ہے مجھے تو یہ ہے

ایضاً

تجھے دیکھے سے مجھ بیدم کے پیارے دم میں دم آیا

سوہنا میںڈے پھالا گا ایہا روگ — حال اسا ڈا دیکھ کے رونے لاگے لوگ

کر آیا جو عیادت کو مری باچشم نم آیا

جو میں لوگاں راتاں دلی لے لے میںڈا نام — سارے نگر دے لوکاں نوں ہو جاندی نیند حرام

کر جو آیا مرنے نالوں سے نالاں صبحدم آیا

لکھاں باری میں نے دکھائے اپنے دل کے گھاؤ — تیرہ سوہنڑا بیدردی ہے اب تک روہی سجاؤ

کبھی دل میں نہ تیرے رحم اوکافر صنم آیا

سہندے سہندے ظلم تساڈے پڑ گئے دل وچ چھید — پھر تو کسدن نال نہ اکھاں اپنی میںڈی بھید

کبھی لب پہ نہ میرے شکوہ جو رو ستم آیا

شوق رنگ ونسوں میں نے یہ آکھاں ہوے جو وہ اک آن — لگ جا ساڈے چھتیاں جاتی ہیکل میںڈی جان

نہایت تنگ میں اب تو ترے سر کی قسم آیا

مثلث

میرا ہمدم بھی ہے اور میرا وہ دلدار بھی ہے

رین گجردی روندے روندے پلک نہیں اک لگدی   لوکاں لا واندالی اسنوں انکھیں رہتہ تکدی

مجھ سے کیا پوچھتے ہو خواہش دیدار بھی ہے

نیناں اس دی سیدھی سادھی انکھیاں اسدی ترچھی   اکھاں اوسدے پھاند لگا دیں پلکاں مارے برچھی

اس کا ابرو مجھے خنجر بھی ہے تلوار بھی ہے

سوہ لیاسن پلی میں مینڈا صدقے سوہنی صورت دے   گھولی گھولی جاندا اس دی بھولی بھولی صورت دے

منہ سے میں کیا کہوں اس پر مجھے اک پیار بھی ہے

انکھیاں مینڈی ڈھونڈیں اسنوں بیکل لہندی جان   نظر نہ آوندا سوہاں مینڈا مینوں اس دا دھیان

میں تو لاکھوں میں کہوں اس سے سروکار بھی ہے

بھرا بھرا دل آوندا مینڈا بس نا صبر نہیں چین   لے لے ہچکی ریاروئیں پھوٹ بہے میرے نین

جان بے چین ہے دم غم میں گرفتار بھی ہے

سونہڑا مینڈا منداواں مہر کرم دے نال   سوئی بنا کے انگنا بہاروں کھول کے اپنے سیس کے بال

دیکھ تو آؤ کر وہ آنے کو تیار بھی ہے

کون آکھے اس نوں جا کر لوکاں مینڈا سندیس   چھاؤ کے مینوں جب سے گئے تم سونا ہے اپنا دیس

قشقہ ماتھے پہ گلے میں ترے زنار بھی ہے

طوطے کی سی میں میں والی کوئل کی آواج   کات ثقات سوروں کسی بنا وا کی آج

جتنا میں اس کو کہوں اس پہ سزاوار بھی ہے

روتے مینوں دن بیتے اور لگدی گجری رتیاں   شوق رنگ اس کو کیونکہ نہ بھیجوں لکھ لکھ کر پتیاں

مرے دل میں کی ہے یہی اور یہی اظہار بھی ہے

ایضاً

ڈالے ہوئے گردن جو مرا نامہ بر آیا   کیا مطلب دل یار کا معلوم کر آیا

جب دیکھا یہ احوال تو دل میرا بھر آیا

صورت ہے بتوں کی جذب اللہ کی قدرت ہر جلوے میں اک اور ہی جلوہ نظر آیا

دیدار کے مشتاق کو شوق دگر آیا

کس فکر میں ہو راہ کے توشے کا کرو فکر اے غافلو نزدیک ہے وقت سفر آیا

پیغام قضا شام نہ آیا سحر آیا

لوٹے گا پڑا خاک کے بستر پہ وہ تاحشر آرام کی گھڑی کی جو ہستی میں دھر آیا

ہاتھ اپنے وہ ملتا سر منزل بشر آیا

اک ہم ہی نہیں بےخبر آئے ہیں جہاں میں جو آیا جہاں میں ہے سو وہ بے خبر آیا

اس بات پہ روتا ہمیں اے چشم تر آیا

میں شرم سے عصیاں کے ہوا سر بگریباں جس وقت خیال آہ ادھر کا ادھر آیا

کچھ پوچھو نہ کیا کیا مجھے خوف و خطر آیا

ایضاً

بتاؤں میں کسی کو کیا کہاں ہو اور کہاں کا ہوں

اپنے دیس کو چھاڑے کے ہم نکلے پردیس جیسے رہت اس دیس کو دیکھی ویسا کینا بھیس

کہ میں اس باغ میں محو تماشا باغباں کا ہوں

تجھ بن رین اندھیری میں جو مارے آہ کے مارے سارے تارے دھوئیں کے مارے ہوگئے کارے کارے

ہمیشہ رنگ نیلا دیکھتا میں آسماں کا ہوں

کانٹا ہوں یا سوکھا ہوں تیلی ہوں یا تنکا میں میں جو ہو ہی سکیں جات نہیں کچھ دن کا

کوئی ہاں ان سے پوچھے خار جن کے آشیاں کا ہو

نے میں ملنگ نے میں موتی نے میں ہیرا پنا نے میں چاندی نے میں سونا جیسا بنایا بنا

بلا سے سنگ ہوں لیکن اسی کے آستاں کا ہوں

ہیم نگر کی گھٹی ہے گھاٹی کون ادھر کو جاوے میری ڈگر پہ جو کوی آوے وہی رستہ پاوے

کہ پیچھے کارواں کے نقش پا میں کارواں کا ہوں

کوئی اپنے مال مک پر کرو نہ نت مغروری   میرے بن میں مال ہماری سنا پوری

ظفر میں دو جہاں میں خاک پا فخر جہاں کا ہوں

ایضاً

رات دن تیرا تصور ہے خیال ور نہیں

ہت چت میں تو ہی بسے ور تیرے سوا نہیں دھیان   تیرا دھیان ہے میں نوں رہندا ہر پل اور ہر آن

کہ سوا اس کے محبت کا کمال اور نہیں

اپنے وچ ڈھونڈ پیانوں ہوندا نہیں کہیں اور   تجھ میں سلیا تیرا پیارا اپنے میں کر غور

کہ بجز تیرے کہیں جائے وصال ور نہیں

چاند سورج کی آنکھوں میں کدھو نہ اتنا نور   جھلکا نور پیا کا میرے دیکھ آنکھوں کے حضور

سب میں ہے نور وہی نور جمال ور نہیں

دل میں ہے تو میرے سلیا اور بجز نہ آوے   سوہنا مینڈے وکھسی نوں نت میرا دل للچاوے

ہے یہی رنج مجھے رنج و ملال اور نہیں

شوق رنگ انسان ظاہر میں لو ہے ماٹی کی سورت   لیکن ہے یہ سورت اپنے صورت گر کی صورت

کہ نظیر اس کا نہیں اور مثال اور نہیں

ایضاً

مرے قاصد سے پہنا مرغ دل اے نامہ بر پہلے

دل کی لاگ نے ہے پہنچائی پاس پیا کے پاتی   کون چلے اس اوگھٹ گھاٹی کس دی ایسی چھاتی

ادھر گزرے وہی جو جان سے جائے گزر پہلے

قاصد آیا لے کر پاتی جس میں مطلب سارا   بانچے کون اب چل بسا جو آپ ہی باچن ہارا

خبر آنے سے واں کی ہو گئے یاں بے خبر پہلے

پیم نگر کی پینٹ لگی ہے دلالی سب نے ماری   سودا یارو بات نہ کچھ تو ہی دیکھ ا ٹاری

کہ اس وسدے میں ناداں سود تجھے ہے ضرر پہلے

نیکی دی گل کر دے ہوندے سوچ سمجھ پہچان   بری گلاں میٹھی لگدی تو تیٹی مت جان

کر آخر زہر قاتل سے اگرچہ ہے شکر پہلے

سوچ سوچ کے من میں اپنے ناحق سورکھ رہندا   ہونا تھا سو ہو ہی چکا اب رہندے سے کی ہوندا

تجھے لازم تھا اپنا کام کرنا سوچ کر پہلے

منزل تیری دور پڑی اور گھاٹی تیرے ہاتھ   کچھ تو نیکی کمائے کے لے لے اپنے ساتھ

مسافر چاہیے اندلشہ زاد سفر پہلے

رین دناں میں کوکدی پھر دی بیکل ہینڈی جان   لیکن جس دے کارن کوکدی پھر دی اسنوں ناہیں دھیان

الہٰی کیا ہوا تھا وہ جو نالوں میں اثر پہلے

پھند لیا دل اس نے میندا مار برہ داجال   اب کب چھوڑا اس پھندے سے چھٹنا بڑا محال

پھنسا تا دل نہ میں معلوم یہ ہوتا اگر پہلے

سیانا نہیں دیوانہ ہے جو ہر کچھ منہ سے بکدا   جو کرم میں لکھ دیو وہ میٹ نہ کوئی سکدا

جو کچھ ہونا تھا سو وہ ہو چکا ہے اے ظفر پہلے

ایضاً

ستم درپردہ کرتے ہو بظاہر پیار کرتے ہو

پل میں دارو کرساں دو ل میں جی سے وِتار   ہووے تساڈی گلاں دامنوں پیارے کی اعتبار

کبھی اقرار کرتے ہو کبھی انکار کرتے ہو

دعوے کر کر پریم دھرم کے باندھو پاپا کے لوٹ   مکھ سے گلاں پیار دی کر دے دل وچ رکھ دے کھوٹ

ہمیشہ دشمنی میں دوستی اظہار کرتے ہو

جانے نگری پر تھی سوتا میں کی آکھاں اب   جو جو کچھ کرنا تھا تم کو سو تم نے کیتو سب

اور اس پر یہ تماشا ہے کہ آنکھیں چار کرتے ہو

جی نہ دکھاؤ دیکھو کے داتو یہ جان مسوس   کر دے بھروسا کی دنیا کا یہ کانٹے کی اوس

عبث امید میں دنیا کے عقبیٰ خوار کرتے ہو

شوق رنگ اپنے جی میں سوچو منہ سے کچھ مت بولو   پچھیں جو وہ کھول کے تم سے اپنا عقدہ کھولو

ہمیں معلوم ہے جو کچھ کہ ہم پر وار کرتے ہو

ایضاً

کیوں سوپ رنگ کی مار پچکاری!! دیکھو کنور جی دوں گی میں گاری

ہر کہ دست از جان شوید!
ہرچہ در دل دارد بگوید

بھاج سکوں میں کیسے موسوں بھاجا نہیں جات ٹھاڑی اب دیکھوں میں وہ کون جو سکھ آت

وقت ضرورت چو نماند گریز
دست بگیرد سر شمشیر تیز
میں نے تمہیں کیا کہا جوتم نے گاری دئی بن سوچے نا جانے دوگی لکی ناہیں بنی

نہ نگفتہ نہ دارد کسے باتو کار
ولیکن چو گفتی دلیلش بیار
سب کو کھ سے وہت ہے گاری بھری سبھا میں آج جب میں آپ نہ لج چلوں تو کس کی تو ہے لاج

یکے گردہ بے آبرو نے بسے
چہ غم دارد از آبروئے کسے

جو کچھ کہی تو نے نا کہی تھی وہ بھی ہوئی کہی اپنے من میں سوچ کے میں یو چپکی ہوئی رہی

اگر ناداں بوحشت سخت گوید
خرد مندش بہ نرمی دل بجوید
بہت دین میں ہاتھ لگے ہو کیسے جانے دوں آج میں پھگوا تو سوں کا تھا پیٹھ پکڑ کے لوں

دیر آمدی اے نگار سرمست
زودت نہ دہم زدامنت دست

شوق رنگ ایسے ڈھیٹھ گر سے کھیلے کون اب ہوری کھ مینڈے اور ہاتھ مروڑے کر کے وہ برجوری

ہر کہ بافولاد بازو پنجہ کرد
ساعد سیمین خود رارنجہ کرد

شاباش دلا ارشدک اللہ تعالیٰ
پہچانا اسے تو نے جسے دیکھا نہ بھالا

بے ہوش ہوں میں دیکھ کے اس ہوش ربا کو
جیسے کر ابھی اسے نے نہ تھا ہوش سنبھالا

بے داغ بدل آتش رخسار سے تیرے
گردوں پہ قمر اور زمیں پر گل لالا

منہ مارے ہے بے طرح مرے دل پہ تری زلف
کیونکر یہ بچے گا کہ ڈسے ہے اسے کالا

اللہ ری تیری جنبش مژگان ستم کیش
اک پل میں کئے تو نے دو عالم تہ بالا

تیرے رخ روشن کے تصور سے ہمیشہ
ہے کلبہ تاریک میں عاشق کے اجالا

جائے گی نکل جان مری دکھی کماندار
تیرا اپنا اگر تو نے مرے دل سے نکالا

ہر خار بیابان ہے سوتی سے پرونا
جب پھوٹ کے رہتا ہے مرے پاؤں کا چھالا

بازار محبت میں نہ دل بیچ تو اپنا
بک جاتا ہیں اتھ اسکے ظفر بیچنے والا

ہزار طرح سے کھولا وہ دل ربا نہ کھلا
ہمیں نہ کھلنے کا کچھ اس کے مدعا نہ کھلا

لب جراحت دل تیرے سامنے قاتل
اگر کھلا ہے تو ہرگز بجز دعا نہ کھلا

چمن میں جا کے گرہ تو نے غنچے کی کھولی
پہ اپنا عقدہ دل تجھ سے اے صبا نہ کھلا

خط اس نے کھول کے دیکھا مگر خدا جانے
کہ اس پہ کچھ مرا مضموں خط کھلا نہ کھلا

ستم ہے وہ مرے رونے پہ ہنس کے کہتا ہے
کہ تیرے گریہ کا کچھ ہم پہ ماجرا نہ کھلا

کھلے ہزاروں درباغ دلکشا لیکن
دل گرفتہ مرا بند ہی رہا نہ کھلا

ہمارے درد کو کیا جانے ناصح بے درد
کسی پہ حال یہ جز درد آشنا نہ کھلا

نہ ہوتا درد محبت کا گروہ تشنہ خوں
تو رہتا منہ ترے سونا تیرکا نہ کھلا

زسرشک خوں نہ بہے چشم سے ظفر جب تک
ہمارے دل کا کبھی راز اک ذرا نہ کھلا

مرحبا دیدہ ترگوہر غلطاں ہوگا
آفریں زخم جگر لعل بدخشاں ہوگا

سبز بندایہ نہیں کان میں اس کافر کے
افعی زلف نے زہر اے دل ناداں ہوگا

نیم جانوں نے یہ جانا کہ بر آیا مطلب
کھینچے ہاتھ سے جب تیرے مری جان ہوگا

قطرہ اشک نہیں ، مرغ نظر نے تیرے
دانہ شاید کہ ہے اے دیدہ گریاں ہوگا

توکل اشرفی ان کو نہ سمجھ تیرے لئے
یہ زمیں نے ہے خزانہ گل خنداں ہوگا

سیکڑوں کھائے کماندار ترے ہاتھ تیر
پہ مرے دل نے کبھی ایک نہ پیکاں ہوگا

شعر تو اپنے نکالے کہ بہائے دریا
ظفر طبع رواں نے تری طوفاں ہوگا

خدانخواستہ گر خط میں میرا نام آجاتا
تو قاصد پہ غضب ہی اے دل ناکام آجاتا

جو کرتا آ کے یاں آرام وہ آرام جاں اپنا
تو اپنی جان بے آرام کو آرام آجاتا

ترے کوچے سے آتے ہیں تو یہ حال اپنا ہوتا ہے
کہ ہم کو ضعف سے ہے نقش پہ نقش ہر گام آجاتا

ہوس طوبائے جنت کی نہ ہوتی تیرے کشتہ کو
اگر تو گور پہ اے سرو گل اندام آجاتا

ہوا پہلے ہی کام آخر ترے ناکام کا ورنہ
کسی دن اسے بہت خود کام تیرے کام آجاتا

پیام تگر کیوں پیک اجل قاصد کو پہنچاتا
جو قاصد لے کے تیرے وصل کا پیغام آجاتا

گرفتاری نصیبوں میں نہ ہوتی تو چمن سے میں
بھلا اس طرح کیوں صیاد زیر دام آجاتا

تری دولت سے ہوتے ساقیا جمشید دوراں ہم
اگر اس دور میں ہاتھ اپنے کوئی جام آجاتا

خجالت سے دکھاتا منہ نہ اپنا ماہ گردوں پہ
ظفر وہ بام پر اپنے جو وقت شام آجاتا

کسی کی تم کو وحشت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا
جواب خط میں دقت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

خطا کی میں نے ایسی کیا جو اس نے یہ نہ پوچھا
تجھے غم کیا تھا حسرت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

قلم خط لکھتے لکھتے مجھ کو اس نے رکھ دیا کیوں
سبب کیا تھا حقیقت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

جواب خط کیا جس پر قلم انداز تو نے گر
وہ بات اے بے مروت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

کہاں سن کر زبانی حال قاصد سے یہ اس نے
مصیبت کیا تھی آفت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

زباں ہی سے وہاں بیٹھے گلہ کرتے رہے جو تم
تمہیں مجھ سے شکایت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

بلا سے پڑھ کے گر وہ خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا
ظفر اس میں قباحت کیا تھی خط لکھا تو ہوتا

جو دیوانہ ترا عاشق مضطر نہ کہلاتا
تو خوبان جہاں میں تو پری پیکر نہ کہلاتا

جو ہوتا رحم تجھ میں کیوں تجھے بیداد گر کہتے
نہ ہوتا دل ترا گر سخت تو پتھر نہ کہلاتا

جو کچھ تاب و تواں ہوتی ترے بیمار فرقت میں
تو اٹھتے بیٹھتے وہ ویں سر بستر نہ کہلاتا

تصور میں در دنداں کے تیرے گر نہ روتے ہم
تو ہر آنسو ہمارا ادا نہ گوہر نہ کہلاتا

ہمیشہ ہو تمہیں مسکن پذیر اس خانہ دل میں
یہ گھر کہلاتا کس کا گر تمہارا گھر نہ کہلاتا

جواب مطلع ابرو تیرا کوئی ہلالی ہے
جو کہلاتا تو وہ اس سے کبھی بہتر نہ کہلاتا

کیا مشہور ساحر یار کو چشم پر افسوں نے
وگرنہ اے ظفر وہ شوخ جادو گر نہ کہلاتا

پیامبر جو ادھر سے مرا نہیں آتا
تو کیا کہوں کہ مرے دل میں کیا نہیں آتا

کبھی ادھر سے بت پر جفا نہیں آتا
غرور حسن ہے خوف خدا نہیں آتا

الٰہی خال لب یار میں ہے کیا نکتہ
سمجھ میں نکتہ وروں کے ذرا نہیں آتا

غریق بحر محبت پہ تیرے کیا گذری
کسی سے سننے میں یہ ماجرا نہیں آتا

نہ ہو فراق میں جب تک کہ خوب بے مزگی
وصال یار کا ہرگز مزا نہیں آتا

جو شکل آئینہ منظور ہے تو دل کو دیکھ
اس آئینے میں نظر دوسرا نہیں آتا

لگا کے چاہ غم یار کے غریبوں کو
کوئی بھی ایسا نظر آشنا نہیں آتا

وہ کونسا ہے ستم کش ترا بتا ظالم
جو خود بخود تری جانب کھنچا نہیں آتا

تمہارے وصل کو پیارے گزر گئے مہ و سال
گلہ ظفر کو کچھ اس کے سوا نہیں آتا

یار آئے مرے پیش نظر ہو نہیں سکتا
اور آئے تو دیکھوں نہ ادھر ہو نہیں سکتا

موڑا نہ کبھی منہ تری شمشیر جفا سے
میرا سا کسی کا بھی جگر ہو نہیں سکتا

لے جاؤ غم و رنج نہ کیوں ساتھ جہاں سے
بے توشہ تو یہ مجھ سے سفر ہو نہیں سکتا

تم لاکھ کرو حسرت دل نالہ و فریاد
چاہو کہ ہو کچھ اس کو اثر ہو نہیں سکتا

کچھ شمع نے ہے معجز عشق دکھایا
سر کٹ کے تو پیدا کبھی ہو نہیں سکتا

جب تک کہ تصور نہ ہو دانتوں کا تمہارے
آنکھوں میں مرے اشک گہر ہو نہیں سکتا

کیا کیا نہ ہوئی میرے لئے خانہ خرابی
پھر اب بھی تو دل میں ترے گھر ہو نہیں سکتا

رسوائے جہاں کرتا ہے کیا کیا مجھے گریہ
میں چاہتا ہوں ضبط ہو پر ہو نہیں سکتا

جو کام کیا تم نے محبت میں بتوں کی
واللہ کسی سے بھی ظفر ہو نہیں سکتا

جو وہ قاتل نہ اپنے ہاتھ میں خنجر لئے پھرتا
تو یہ سرباز پھر کیوں سر ہتھیلی پر لئے پھرتا

اگر پتھر نہ پڑتے اے جنوں اس تری شورش پر
تو یوں ہر طفل میرے ساتھ کیوں پتھر لئے پھرتا

غنیمت جانتی بلبل جو باد صبح کا جھونکا
پس از مردن چمن میں کوئی اس کا پر لئے پھرتا

مے عشرت نہیں طالعمیں اپنے ساقیا ورنہ
فلک جیتا لئے پھرتا ہے مہ ساغر لئے پھرتا

نہ ہوتا گرچہ صاحب عزم دل ملک محبت میں
تو رنج و غم کا اپنے ساتھ کیوں لشکر لئے پھرتا

برنگ نالہ زنجیر میں زنداں میں ہوں لیکن
مجھے دیوانہ پن زنداں سے ہے باہر لئے پھرتا

ڈراتا ہے مجھے ناصح عبث کوئے محبت میں
جہاں ڈر اپنا واں گھر ہے کہاں کلوڈ لئے پھرتا

کبھی جا کر نہ پھرتا میں گلی میں خوبروؤں کے
اگر مجھ کو نہ میرا یہ دل مضطر لئے پھرتا

نہ ہوتا شوق کوئے مہ لقا تو کون پھر مجھکو
ظفر خورشید کی مانند یوں دن بھر لئے پھرتا

عشق کے میدان میں ہم نے دیا سر کٹا
جو قدم آگے بڑھا پھر نہ وہ پیچھے ہٹا

مطلع ثانی

دیکھتے ہی عشق کو عقل گئی سٹ پٹا
دل کو مرے آفریں یہ جو ڈٹا سو ڈٹا

تیغ نگہ کو ذرا تو نے جو چمکا دیا
بھول گئی دیکھ کر برق ہلانا پٹا

عارض پر نور پر کھول جو دی اس نے زلف
میں نے یہ جانا کہ ہے رات بڑھی دن گھٹا

عشق کی دولت ہے درد کون لے اور کس کو دوں
یہ نہ کسی سے بٹی اور نہ کسی سے بٹا

پھرتا ہے جوگی بنا تیرے لئے آفتاب
خط شعاعی نہیں سر پہ کھلی ہے جٹا

چشم کو ہے تری کام جیسے پڑا سرمہ سے
زہر بھری ہر نگہ سانپ ہے پتھر چٹا

ناز و ادا و نگہ غمزہ و عشوہ ترے
پانچوں ہیں دشمن مرے اور کرشمہ چھٹا

دامن و جیب اے ظفر چاک ہو تو ہو رفو
دل نہیں جاتا سیا یہ جو پھٹا تو پھٹا

جنوں کی ہے وہ آشنائی کا دھندا
کہ ہے جس میں ساری خدائی کا دھندا

وہ جب دیکھو آئینہ ہی دیکھتے ہیں
رہے ہے انہیں خود نمائی کا دھندا

جئے یا مرے پر نہ عاشق سے چھوٹے
خیال وصال و جدائی کا دھندا

ہمارا تو پیشہ ہے رندی ہمیشہ
ہوا ہم سے کب پارسائی کا دھندا

پڑی منہ پہ آئینہ کے خاک کیا کیا
ملے خاک میں یہ صفائی کا دھندا

رہے ہے خم و پیچ میں زلف جاناں
وہاں اس کو ہے کج ادائی کا دھندا

رہا جب تلک دم رہا ساتھ دم کے
ظفر سب برائی بھلائی کا دھندا

دیکھ کر رخ پہ تیرے زلف دوتا کا پھندا
جا پھنسا طائر دل تھا وہ بلا کا پھندا

ہاتھ آئے نہ کسو کے بھی یہ آہو نگاہاں
نہ پڑے پاؤں میں گر شرم و حیا کا پھندا

اس کی قدرت کا ہے یہ کھیل بگولا ہے کہاں
خاک کو باندھتا ہے دیکھو ہوا کا پھندا

رہے زنار میں جب تک میں گلا کیوں نہ پھنسا
کر یہ ڈالا ہوا اسے بت ہے خدا کا پھندا

کشتی ہے عجب دام گہہ صید اجل
جا بچا جس میں ہے گرداب فنا کا پھندا

طائر ہوش کو پرواز میں کرتا ہے شکار
تیرے تار نگہ ہوش ربا کا پھندا

گردن دل کے لئے اپنی بے زیبا کر بنے
جامہ زیبوں کے ظفر بند قبا کا پھندا

نشے میں بزم ساقی میں جو مستوں کو اڑا مارا
لب ساغر پہ منہ شیشے نے دھر کر ٹھٹھا مارا

نہ تھا کچھ دور تو رستہ بہت اس یار کے گھر کا
مگر ہم کو ہماری ناتوانی نے تھکا مارا

تجھے کیا ہنستا گل گر یہ شبنم پہ گلشن میں
طمانچہ اس کے منہ پر تو نے کیوں باد صبا مارا

لگاوٹ سے لگاتا ہے حنا غیر ان کے ہاتھوں میں
وہ مجھ سے رنگ کیوں لاتے ہیں میں نے کیا لگا مارا

بچا دل تیرے ہاتھوں سے نہ آخر اے کمان ابرو
گیا گر ایک خالی تیر تو نے دوسرا مارا

پڑا لوٹے ہے دل شامت کا مارا اور درد کے مارے
خدا جانے ترے جوڑے نے مکا کیا مارا

ہجوم خال روئے یار کا لے ہی لیا بوسہ
ظفر یہ خوب تم نے زنگیوں کا مورچہ مارا

روز گھر غیر کے جانا ترا معمول پڑا
یاں جو آنکلا ہے تو آج کدھر بھول پڑا

لگ گئی جوش گل لالہ سے گلشن کو جو آگ
کہیں اس آتش رخسار کا کیا پھول پڑا

دل شاغل ہے مرا محو خیال رخ و زلف
رات دن رہتا ہے اس شغل میں مشغول پڑا

کبھو ملا سے کرے جا کے خرابات کی سیر
گوشہ مدرسہ میں کیوں ہے یہ مجہول پڑا

رکھ قدم دیکھ کے تو کوچے میں اپنے قاتل
کہ کہیں سر ہے کہیں ہے تن مقتول پڑا

چھوٹ کر چاہ زنخداں میں کہیں گر نہ پڑے
دل پکڑ کر رسن زلف کو ہے جھول پڑا

دے کے دل جاں و بچاؤ نہیں ہو جائیگا ضبط
اب تو دینا ظفر اس جنس کا محصول پڑا

ہم نے تری خاطر سے دل زار بھی چھوڑا
تو بھی نہ ہوا یار اور اک یار بھی چھوڑا

کیا ہوگا رفوگر سے رفو میرا گریباں
اے دست جنوں تو نے نہیں تار بھی چھوڑا

دیں دے کے گیا کفر کے بھی کام سے عاشق
تسبیح کے ساتھ اس نے تو زنار بھی چھوڑا

گوشہ میں تری چشم سیہ مست کے دل نے
کی جب سے جگہ خانہ خمار بھی چھوڑا

اس سے ہے غریبوں کو تسلی کی اجل نے
مفلس کو مارا تو نہ زردار بھی چھوڑا

ٹیڑھے نہ ہو ہم سے رکھو اخلاص تو سیدھا
تم پیار سے رکتے ہو تو لو پیار بھی چھوڑا

کیا چھوڑے اسیران محبت کو وہ جس نے
صدقے میں نہ اک مرغ گرفتار بھی چھوڑا

پہنچی مری رسوائی کی کیونکر خبر اس کو
اس شوخ نے تو دیکھنا اخبار بھی چھوڑا

کرتا تھا جو یاں آنے کا جھوٹا اقرار
مدت سے ظفر اس نے وہ قرار بھی چھوڑا

ادھر تو دست وحشت نے گریباں کھینچ کر پھاڑا
ادھر ہر خار صحرائی نے داماں کھینچ کر پھاڑا

نہ لٹنے مجھ سے تم کھینچے نہ اتنا تم سے دل پھٹتا
مرا دل رات کو تم نے تو جاناں کھینچ کر پھاڑا

کشاکش سے جنوں کے تیرے دیوانے نے مر کر بھی
کفن اپنا تہ خاک بیاباں کھینچ کر پھاڑا

ہوا تجھ سے جو روکش غنچہ لالہ تو پیٹ اسکا
صبا نے پوست اے رشک گلستاں کھینچ کر پھاڑا

پڑا یہ کشمکش میں خط مرا ہاتھوں سے غیروں کے
کہ آخر سب نے اس کو اے مری جاں کھینچ کر پھاڑا

نہیں یہ کہکشاں کا خط فلک کے ہم نے سینے کو
جگر سے نالہ اے شبہائے ہجراں کھینچ کر پھاڑا

کھلا پردہ کہ جب پیراہن یوسف ' زلیخا نے
دم بے تابی شوق اے عزیزاں کھینچ کر پھاڑا

اثر وحشت کی یہ جامہ دری کا ہے کہ کاغذ کو
مصور نے میری تصویر عریاں کھینچ کر پھاڑا

ظفر فشا نے الفت پہ نہ تھا منہ پھاڑنا اچھا
حیا کا پردہ کیوں منہ پہ سے ناداں کھینچ کر پھاڑا

دیکھا جو مے سے پر خم و ساغر بھرا بھرا
آنکھوں میں میری لگنے لگا گھر بھرا بھرا

آگاہ تو کیا مجھے لذت سے عشق کی
زخموں میں اس نے مرے نمک گر بھرا بھرا

لگتا ہے آب دارئی دنداں سے وہ دہان
کیا صاف مثل چشمہ کوثر بھرا بھرا

عاشق کا خوں ہے یہ نہیں چھٹنے کا حشر تک
دامن جب اس سے تیرا ستم گر بھرا بھرا

کیونکر کرے نہ پرورش اولاد کی بشر
پالے ہے بچہ دانہ کبوتر بھرا بھرا

کیا بھر دیے ہیں کان خدا جانے غیر نے
غصے میں جو پھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

لایا جو عشق ناک میں دم تیرا اے ظفر
دم عاشقی کا تو نے مقرر بھرا بھرا

کب آئے تو بیزار کہے گر پھرا پھرا
یہ دل ہے جس طرف سے ستم گر پھرا پھرا

دل کو دلائی گردش چشم اس کی یاد پھر
ساقی نے دیکھو بزم میں ساغر پھرا پھرا

دیوانہ وہ ہوں میں کہ جسے لڑکے دور سے
ہیں کوچوں میں مارتے پتھر پھرا پھرا

مجھ کو تھکا دیا دل خانہ خراب نے
ہر جائیوں کے عشق میں گھر گھر پھرا پھرا

بک بک کا ناصحوں کی نہ مجھ کو اثر ہوا
آخر وہ چپکے بیٹھ رہے سر پھرا پھرا

یہ صید تیرا بستۂ فتراک تو ہوا
قاتل بلا سے حلق پہ خنجر پھرا پھرا

پھرتا مزاج ان کا کسی سے نہیں ظفر
لیکن مرا جو مجھ سے م قدر پھرا پھرا

آشنا بحر محبت میں کوئی گر تیرا
ہم نے جانا کہ یہ بیڑاک سمندر تیرا

ایسا گھبرا کے گرا ڈوب گیا گرتے ہی
دل ترے چاہ زنخداں میں نہ دم بھر تیرا

لال کاغذ کا کنول جب سے کہ تیرے سرآب
لخت دل آنسوؤں میں یوں مرا آ کر تیرا

آفریں تجھ کو دلا بحر غم عشق میں تو
خوب سیدھا روش تیر دلاور تیرا

بحر بخشش میں نہ کیوں ڈوبے گرانبار گناہ
کہ نہیں پانی پہ ہرگز کوئی پتھر تیرا

دست و پا مار کے اپنے دم بسمل کہ کیا
خون کے دریا میں ترا عاشق مضطر تیرا

جس طرح پانی پہ تیرے کوئی تنکا اس طرح
آب گریہ م یہا یہ مسافر ہے تن لاغر تیرا

رکھ دیا سینہ تری تیغ پہ اپنا میں نے
آب شمشیر پہ ہیں مثل شناور تیرا

تیرا عشق کے دریا میں اگر سیکھے دل
تو ظفر پہلے اسے ہاتھوں کے اوپر تیرا

پہلے تو ہم کو تیری عشوہ گری نے مارا
ور اگر اس سے بچے کم نظری نے مارا

مر گیا میں نہ ہوئی تجھ کو خبر ہائے ستم
بے خبر مجھ کو تری بے خبری نے مارا

پھیر کر منہ جو دکھایا مجھے اپنا جوڑا
دل پہ سکا مرے اس رشک پری نے مار

خوب پھڑکا کے مجھے کنج قفس میں صیاد
شوق پرواز سے بے بال و پری نے مارا

ہمسری کی تری رفتار سے جب فتنہ نے
ٹھوکر سے اک کبک دری نے مارا

حل پہ تیرے لب شیریں پہ ہے زہر قاتل
اے شکر لب ہمیں اس تلخکری نے مارا

کچھ بھی ہوتی اسے تاثیر تو مرتے ہم پہ
ہم کو اے آہ تری بے اثری نے مارا

شفق صبح سے ہے غرق بخوں چرخ ظفر
تیرا ایسا تری آہ سحری نے مارا

کیا کہوں ہے کیا جنوں کی آشنائی میں مزا
وہ مزا سب اس میں ہے جو ہے خدائی میں مزا

آشنائی آئینہ تو ہم سے ہو جا سینہ صاف
دور کر دل سے کدورت ہے صفائی میں مزا

جا سکے گلشن تلک اڑ کر نہ ہم بے بال و پر
ہم نے اے صیاد کیا پایا رہائی میں مزا

بیٹھ رہ آرام سے تو صلح کا کر اختیار
جنگ جوئی چھوڑ دے کیا ہے لڑائی میں مزا

بعد ہونے جس لڑائی کے ہے امید وصال
آئے ہے عاشق کو کیا کیا اس جدائی میں مزا

کچھ تو ہو فریاد میں تاثیر نالہ میں
ا جرس ہے ورنہ کیا ہرزہ درائی میں مزا

مسجود بت خانہ میں ٹکرایا سر کو بے مزا
تیرے سنگ در پہ آیا جبیں سائی میں مزا

بیٹھا ہے مہندی لگا کر اپنے دست پا میں ت
آج ہے اے شوخ تجھ سے ہاتھا پائی میں مزا

جو در فخر جہاں کا ہو گدا اس کو ظفر
بادشاہی سے زیادہ ہے گدائی میں مزا

حال کب ہے شام سے اپنا سحر تک ایک سا
دوپہر تک ایک سا ہے دوپہر تک ایک سا

کون تلون ہے کہ رہتا ہے نہیں ان کا مزاج
آتے آتے اپنے گھر سے میرے گھر تک ایک سا

اشک جو امڈے دم گریہ تو پھر دریائے خون
موجزن تھا دل سے لیکر چشم تر تک ایک سا

کیا نکالے طائر دل زلف کے پھندے سے پاؤں
اس میں وہ الجھا ہوا ہے بال و پر تک ایک سا

جانتے ہیں یاں نہیں رہنے کے لیکن اس پہ بھی
شوق اسباب اقامت سے سفر تک ایک سا

لد رہا داغوں سے ہوں نخل چراغاں کی طرح
سر سے لے کر پاؤں تک پاؤں سے سر تک ایک سا

واہ کیا میدان چٹیل خاک اڑانے کے لئے
عشق کا صحرا ادھر سے ہے ادھر تک ایک سا

پھونک دی ہے کس نے بیہوشی یہاں ایسی کہ ہے
مست غفلت بے خبر سے باخبر تک ایک سا

روئے تو خط پہ ہیں کیا مژگاں و ابرو دیکھنا
ہے یہ مصحف یک قلم زیر و زبر تک ایک سا

میرے سینہ میں کمان ابرو ترا تیر نگاہ
واہ ہے کیا کارگر دل سے جگر تک ایک سا

کشور صحرائے وحشت ہو گیا اب خراب
ورنہ تھا آباد مجنوں سے ظفر تک ایک سا

نہ تو جھانکا نہ اسے روزن در میں تاکا
ہم نے تاکا بھی تو سوراخ جگر میں تاکا

عرش سے فرش تلک جو ہے وہ سب ہیں اس میں
کیا بتائیں کہ ہے کیا ہم نے بشر میں تاکا

چھوڑنے کا نہیں غم دل میں مرا صبر و قرار
مال اس چور نے بے طرح یہ گھر میں تاکا

تاک جھانک آپ کی جن جن سے کہ ہے درپردہ
ہم نے اک ایک کو کل ایک نظر میں تاکا

زخم دل پہ ہے جو انگور رہے تو ہم نے
ہے ثمر نخل محبت کے شجر میں تاکا

چشم نقش کف پا راہ تک ہے کس کی
کون ہے اس نے جسے راہ گزر میں تاکا

وہ کماندار لگا دے گا کوئی ناوک پھر
اس نے بھی دل کو جو پہلوئے ظفر میں تاکا

نہیں جاتا کسی سے وہ مرض جو ہے نصیبوں کا — نہ قائل ہوں دوا کا میں نہ قائل ہوں طبیبوں

مطلع ثانی

نہ شکوہ دشمنوں کا ہے نہ ہے شکوہ حبیبوں کا — شکایت ہے تو قسمت کی گلہ ہے تو نصیبوں کا

مطلع ثالث

بہر عنواں مجھے ہو رشک لکھا یہ نصیبوں کا — کر لکھوائے مجھی سے وہ جواب خط رقیبوں کا
ہم اپنے کنج غم میں نالہ و فریاد کرتے ہیں — ہمیں کیا گر چمن میں چہچہا ہے عندلیبوں کا
جو ظاہر پاس ہوں دن رات اور وہ دور ہیں دل سے — بعیدوں سے زیادہ حال سمجھو ان قریبوں کا
دکھا دو خال بینی تم جو محراب دو ابرو ہیں — تو دیکھو منبروں پہ حال پھر کیا ہو خطیبوں
صف آرا فوج حسرت عشق میں جب دل پہ ہوتی ہے — تو آہ و نالہ سے میں کام لیتا ہوں نجیبوں کا
نہیں قالین و گلیم سے مطلب خاکساری کا — زمین و آسماں ہے فرش و خیمہ ان غریبوں کا

کیا ہے بے ادب خالق نے پیدا اے ظفر جن کو
کرے کیا فائدہ ان کو ادب دینا ادیبوں کا

یا کہیں دیکھا خط فرق اس مہ پر نور کا — کہکشاں سے چاک ہے سینہ شب دیجور کا

مطلع ثانی

یہ حال ناتوانی عاشق رنجور کا — سر پہ ہے سایہ گراں مژگان چشم حور کا

مطلع ثالث

ہے تو انساں پر ہے یہ عالم بہت مغرور کا — جلوہ شوخی پری کا سا ہے چہرہ حور کا
اشک کے قطرے کو کیوں معراج مژگاں پر نہ ہوا — حق ہے اصلی مرتبہ ہے دار پر منصور کا
کرتے ہیں ہر دم مشبک جو مری آہوں کے تیر — چرخ پر انجم ہے ہمسر خانہ زنبور کا
دور ہیں دل سے جو تو دیکھے تو وہ نزدیک ہے — تجھ میں اس میں ہے بظاہر ایک عرصہ دور کا
دل نہیں کھلنے کا دل پر جب تلک ہے داغ عشق — قفل تعویذی ہے یہ اس خانہ معمور کا
میرے نالے سے قیامت بھی کہے ہے الاماں — دیکھنا دم بند کر دے گا یہ دم میں صور کا

آدمی کو چاہئے آدم شناسی اے ظفر
ہے یہ مسودہ ہمارے حضرت تیمور کا

خون نظر یار کی شمشیر سے ٹپکا   مطلع ثانی   مریخ ہو قطرہ فلک پیر سے ٹپکا

جو قطرہ پیکاں کہ ترے تیر سے ٹپکا   خوں ہو کے وہ زخم دل نخچیر سے ٹپکا
مقتل پہ گئی اوس سی پڑ جبکہ دم غسل   پانی تری اس زلف گرہ گیر سے ٹپکا
کس کے لب شیریں کے ہیں اوصاف زباں پر   پڑتا ہے جو شہد اب مری تقریر سے ٹپکا
مہ شیر کا اک کاسہ لبالب ہے پر اے چرخ   یک قطرہ نہ اس کاسہ پر شیر سے ٹپکا
کیا عشق ہے جس جا پہ گرا تیرا پسینہ   واں خون جگر عاشق دلگیر سے ٹپکا
پانی ہوا فولاد مجھے دیکھ کے لیکن   یک قطرہ آب اس کی نہ شمشیر سے ٹپکا
ٹپکایا مرے منہ میں اگر آب بقا بھی   زہر آب وہ ہو کر مری تقدیر سے ٹپکا
جو گھر کہ نہ ٹپکا کبھی برسات میں ہرگز   اک دم میں مرے گریہ کی تاثیر سے ٹپکا
گری ترے چہرے کی عرق شرم و حیا کا   حیرت نہیں گر رخ تصویر سے ٹپکا

سو جام ملے شربت کوثر کے پیالے
اک اشک ظفر گر غم شبیر سے ٹپکا

وہ دل کہ جس سے قصر ملے پورا عرش کا   کہتے ہیں کیوں غلط اسے کنگورہ عرش کا
سیلاب گریہ سے مرے دریا اگر چڑھا   ہوگا خراب وہ جو ہے معمورہ عرش کا
تیرے فروغ عارض روشن کے روبرو   اے مہ جبیں چراغ ہو بے نور عرش کا
بزم نشاط و عیش صبوحی کشاں ہیں صبح   بانگ خروش عرش ہے طنبورہ عرش کا
صدموں سے میرے نالوں کے ٹوٹا فلک تو کیا   ڈر ہے کہ ہو نہ جائے کہیں چورہ عرش کا
تربت پہ پانچ تن کی قرآن کی قسم   پڑھتا ہر اک فرشتہ ہے پاسورہ عرش کا

تاثیر غم سے شاہ شہیداں کے اے ظفر
دل کیوں نہ خوں کرے مہ عاشور عرش کا

ستم کا تم سے مجھے کیا گلہ کیا نہ کیا   مگر پسند مرا حوصلہ کیا نہ کیا
رکے جب اشک تو کیا جانے سوئے منزل دوست   ارادہ دل نے بھی بے قافلہ کیا نہ کیا
بتا کہ خوشۂ انگور دیکھ کر تو نے   تصور دل پر آبلہ کیا نہ کیا
دیتے ہیں فرد محبت میں اس نے داغ مجھے   بلا سے اور عطا کچھ صلہ کیا نہ کیا
مرید زلف جو دل ہو کے زلف کو بھولا   کم اس نے اپنا کبھو سلسلہ کیا نہ کیا
گلے بندھا تھا جو عاشق کی زیست کا جھگڑا   اجل سے پوچھو کہ کچھ فیصلہ کیا نہ کیا

عدو اگرچہ بڑا شیر دل تھا لیکن دیکھ
ظفر نے دم میں اسے بزدلا کیا نہ کیا

فلک پہ مہر نے پیدا بہت فروغ کیا
پر اس کے رخ سے جو دعویٰ کیا دروغ کیا

سرہانے مرقد قمری کے عشق نے شب عرس
چمن میں سرو کو استادہ مثل توغ کیا

دیا جو عشق نے شوربہء سرشک ہمیں
تو نوش جاں اسے ہم نے مثال دوغ کیا

شکوہِ عشق میں کام آئے دونوں نالہ و آہ
کیا علم اسے ہم نے تو اس کی توغ کیا

کل اک حریص نے تحقیق وقت پہ خواری
عجب کی ظفر آروغ کو اروغ کیا

جو خط لکھا تو بھیج دے یار اپنے ہاتھ کا
ہواؤں دست بند نگار اپنے ہاتھ کا

جوش جنوں سے جیب میں آتا نہیں نظر
ثابت بچا ہوا کوئی تار اپنے ہاتھ کا

زخمی کو اپنے آپ شکستہ نہ چھوڑیئے
اک اس پہ اور کیجئے وار اپنے ہاتھ کا

مارے ہے لاف شانہ یہ بخشش کی زلف میں
بخشا ہوا ہے ملک تتار اپنے ہاتھ کا

افسوس تیرے پاؤں میں مہندی لگائیں غیر
اوروں کے ہاتھ جائے یہ کار اپنے ہاتھ کا

دیکھا جو رخ پہ کاتب قدرت نے اس کے خط
پہنچا اس کو خط غبار اپنے ہاتھ کا

تازہ ہے تو بہار محبت سے یہ مدام
گل ہے یہ گل ہمیشہ بہار اپنے ہاتھ کا

ظالم جو تو نہ ہووے مکدر تو جھاڑ دوں
سر پہ عدو کے گرد و غبار اپنے ہاتھ کا

ہم دل کو اپنے مارتے ہیں اس لئے ظفر
دیتا ہمیں مزا ہے شکار اپنے ہاتھ کا

یار تک خط کا پہنچنا اپنے مشکل ہوئے گا
نامہ بر جب تک نہ اپنا طائر دل ہوئے گا

مطلع ثانی

قتل کرنے سے مرے کیا تجھ کو حاصل ہوئیگا
خون ناحق ایک تیرے سر پہ قاتل ہوئے گا اے پری

ہوئے گا دیوانہ میری طرح تجھ کو دیکھ کر
وش کوئی گر کیسا ہی عاقل ہوئے گا

عمر بھر مجنوں کریگا دشت میں مشق جنوں
جب ترے وحشی کی شاگردی کے قابل ہوئے گا

پردۂ فانوس میں چھپ جائیگی خجلت شمع
جلوہ گر محفل میں گر وہ زیب محفل ہوئے گا

گو جگر فولاد کا رکھتا ہے آئینہ دے
ہوئے گا معلوم جب اس سے مقابل ہوئے گا

تیز سنگ سرمہ سے کرتا ہے وہ تیغ نگاہ
کون کشتہ ہوگا دیکھیں کون بسمل ہوئے گا

ناصحا جانے گا تو اس وقت میرا درد دل
جب کسی پہ دل ترا بیدرد مائل ہوئے

خضر کی جانب نہیں ہے ہم کو راہ عشق میں
اے ظفر رہبر ہمارا شوق کامل ہوئے گا

رُخ جو زیرِ سنبل پرپیچ و تاب آ جائے   پھر کے برج سنبلہ میں آفتاب آ جائے

مطلع ثانی

تیرا احساں ہوگا قاصد گر شتاب آ جائے گا   تو غضب میں اے دل خانہ خراب آ جائے گا

مطلع ثالث

ہو نہ بیتاب اتنا گر اس کا عتاب آ جائے گا   تو غضب میں اے دل خانہ خراب آ جائے گا،
اسقدر رونا نہیں بہتر بس اب اشکوں کو روک   ورنہ طوفاں دیکھ اے چشم پر آب آ جائے گا
پیش ہووے گا اگر تیرے گناہوں کا حساب   تنگ ظالم عرصہ روز حساب آ جائیگا
دیکھ کر دست ستم میں تیری تیغ آب دار   میرے ہر زخم جگر کے منہ میں آب آ جائے گا
اپنی چشم مست کی گردش نہ اے ساقی دکھا   دیکھ چکر میں ابھی جام شراب آ جائے گا
خوب ہوگا ہاں جو سینہ سے نکل جائے گا تو   چین مجھ کو اے دل پر اضطراب آ جائے گا

اے ظفر اٹھ جائے گا جب پردہ شرم و حجاب
سامنے وہ یار میرے بے حجاب آ جائے گا

مثال گوہر آنکھوں سے جو آنسو بن کے نکلے گا
تو ساتھ اس کیپ رنگ لعل لوہو بن کے نکلے گا

تری محفل میں جائے گا کوئی کیسا ہی گر دانا
وہ دیوانہ مجھی سا اے پری رو بن کے نکلے گا

پکارا تھا جو اس کو دوست اپنا جان کر ہم نے
نہ جانا گھر سے دشمن یوں وہ بد خو بن کے نکلے گا

جو ہوگی جوئے اشک اس سرو قد کی یاد میں جاری
تو نالہ دل سے اک سرو لب جو بن کے نکلے گا

رہے گی گر خلش دل میں یوں ہی اس نوک مژگاں کی
تو نشتر سا بدن پر میرے ہر مو بن نکلے گا

دفینہ بھی جو نکلا گا بدقسمت کو کیا حاصل
کر ہر دینار اس کے حق میں بچھو بن کے نکلے گا

فشا پھر بو الہوس کو یہ نہیں رہنے کا الفت کا
ظفر جب گھر سے اپنے وہ ترش رو بن کے نکلے گا

اے تصور تو ہی اس جان جہاں تک جائے گا
اور تو ایسا نہیں کوئی جو واں تک جائے گا

جب کرے گا آہ اے ظالم ترا یہ تفتہ جاں
اٹھ کے اک شعلہ مگر سے آسماں تک جائے گا

جا کے کعبہ کیا کرے گا تیرا عاشق اے صنم
وہ اگر جائے گا تیرے آستاں تک جائے گا

جان بچ جائے گی بیمار محبت کی ترے
اے مسیحا دم جو تو اس نیم جاں تک جائے گا

روبرو تیرے کوئی حیرت زدہ آئینہ دار
کہہ تو کیا سکتا ہے پر صورت کو ہاں تک جائے گا

جانے دو جاتا ہے گر عمر رواں کا کارواں
ٹھہر جائے گا کہیں آخر کہاں تک جائے گا

دام سے صیاد مرغ ناتواں چھوٹا تو کیا
یہ نہیں امید اڑ کر آشیاں تک جائے گا

تو سوا دل کے نہ پائے گا اے عاشق کہیں
ڈھونڈتا گر اس جہاں سے اس جہاں تک جائے گا

کون ہے قاصد ظفر ایسا بجز اشک رواں
لے کے جو پیغام دل اس دلستاں تک جائے گا

انداز سے جدھر وہ قدم پاؤ پڑ گیا
کوسوں ادھر دلوں ہی کا سحراؤ پڑ گیا

زہر آب دے نہ تیغ نگہ کو عتاب سے
اچھا نہ ہوگا دل پہ اگر گھاؤ پڑ گیا

جس سے کہ اعتبار نہیں میرا آپ کو
کیا شک تمہارے دل میں ہے فرماؤ پڑ گیا

بکتا ہے ایک بوسے پہ خوباں کے ہاتھ دل
اس جنس کا بھی اب تو یہی بھاؤ پڑ گیا

سلجھے گا کیونکر دیکھئے دل زلف یار س
بے طرح اس میں اس میں ہے الجھاؤ پڑ گیا

جو کعبہ میں ہے شیخ وہی میکدہ میں ہے
ناحق کا تیرے دل میں ہے بھٹکاؤ پڑ گیا

بازی لگا دے عشق کی جو سر میں شوق ہے
پو بارہ ہیں ظفر جو کوئی داؤ پڑ گیا

مصور جب کہ اس کی صورت مقبول کھینچے گا
نہیں کھینچیں گے زلف اور ایک قصہ طول کھینچے گا

کوئی قطرہ عرق کا گرتے رخسار پہ دیکھا
چمن میں کیا خجالت سوتیے کا پہلو کھینچے گا

نہ کر تو دیر کار نیک میں کیا جانے کیا ہوگا
اگر اس کام میں کچھ عرصہ اے مجہول کھینچے گا

پئے تشہیر بعد از قتل بھی جرم محبت پر
قمر کو بکو وہ لاشہ مقتول کھینچے گا

جو ہوگا مرد معقول اس کو ہوگا پاس ہر اک کا
اگر دور آپ کو کھینچے گا نامعقو کھینچے گا

ظفر گرچہ نہیں معمول اس کا کھنچ کے پھر آنا
مگر یہ جذبہ دل اس کو بے معمول کھینچے گا

ڈھب نہ رونے کا تری بزم میں اک آن بنا
مجھ پہ یاروں نے کیا پہلے ہی طوفان بنا

جب مری آہ بنی معرکہ عشق میں تیر
شعلہ آہ مرا تیر کا پیکان بنا

خانہ چشم میں کس طرح مرے آئے خواب
کر خیال رخ دلدار ہے ویران بنا

بن گئی جان پہ اور تو نے نہ جانا ہرگز
ہائے تو اتنا مرے حال سے انجان بنا

کیونکر حسرت سے نہ میں ہونٹ چباؤں ظالم
ہاتھ سے اپنے جو دے غیر کو توپان بنا

کر نہ شکوہ کہ مجھے یہ نہ دیا وہ نہ دیا
شکر کر تو کہ دیا ہے تجھے انسان بنا

صورت اپنی جسے اک بار دکھائی اس نے
اے ظفر صورت آئینہ وہ حیران بنا

فرحت افزا ہو نہ کیوں کوچہ جاناں کی ہوا
کہ مرے حق میں ہے وہ روضہ رضواں کی ہوا

گلشن دہر میں ہے گاہ وہ خزاں گاہ بہار
اک روش پر نہیں رہتی ہے کبھی یاں کی ہوا

ہوش مندوں کو ڈبوئے ہے ہوائے دنیا
کشتی ہوش کے حق میں ہے یہ طوفاں کی ہوا

اے جنوں توڑ کے زنجیر در زنداں کو
جی میں ہے کھائیے اب چل کے بیاباں کی ہوا

آتش دل کو مرے اور بھی بھڑکائے ہے
اے ستم گار ترے دامن مژگاں کی ہوا

رونا آتا ہے تو بھر دمبدم آہیں ٹھنڈی
سرد ہوتی ہے دلا آمد باراں کی ہوا

نہیں دنیا میں ہوا خواہ کسی کا کوئی
کچھ نصیبوں ہی سے بندھ جائے ہے انساں کی ہوا

جب قفس میں کبھی آتی ہے گلستاں کی ہوا

دل رنجور کو بہتر ہے ہوائے رخ یار
اے ظفر دیتے ہیں بیمار کو قرآں کی ہوا

تیرے خط کی ہے وہی تحریر میں لکھا ہوا
جو ہے اے قاتل مری تقدیر میں لکھا ہوا

جانے کیا بیماری دل یہ مرض تو لاعلاج
ہے کتاب دانش و تدبیر میں لکھا ہوا

تیغ سے کشتہ نہ ہو عاشق بجز تیغ ادا
خط جوہر سے ہے یہ شمشیر میں لکھا ہوا

دل گرفتہ رہتا مثل غنچہ تصور کا
سرنوشت عاشق تصویر میں لکھا ہوا

یہ سیاہی کس نے لکھا مضمون خال رخ ترا
ہے بیاض ماہ پہ تنویر میں لکھا ہوا

فرق مجھ میں اور مجنوں میں نہ ہو گر میرا نام
ہو نہ میرے کا غذر تصویر میں لکھا ہوا

اے ہوس آگے قسمت کے لکھے کے خاک ہے
ہے یہ جو کچھ نسخہ اکسیر میں لکھا ہوا

مصحف رخ کی تری تفسیر خط ہے پر کوئی
پڑھ تو دے کیا کیا ہے اس تفسیر میں لکھا ہوا

خوب جو دیکھا تو پایا سب وہ تجھ میں اے ظفر
جو کہ ہے اوصاف عالم گیر میں لکھا ہوا

میں ہی دیوانہ فقط کیا تیرے نقشہ پہ ہوا
اے پری نقاش کا بھی نقشہ دیگر ہوا

دل مرا تھا غم کا گھر اے دلرباوک فگن
جبکہ تیرا تیر آیا اور گھروں میں گھر ہوا

تو تو ہے نازک زیادہ گل سے بھی اے نازنین
پر خدا جانے ترا دل سخت کیوں پتھر ہوا

جس کو اے ساقی دکھائی تو نے اپنی چشم مست
پھر نہ وہ مے کش کبھی منت کش ساغر ہوا

بن گیا بستر یہ جسم زار اک بستر کا تار
تیرا بیمار محبت اس قدر لاغر ہوا

جب ہوا تیرا قد رعنا چمن میں جلوہ گر
سر پہ برپا سرو کے اک فتنہ محشر ہوا

گرم ہو کر منہ پہ آتا ہے ہمارے طفل اشک
منہ لگانے سے یہ بڑکا دیکھو کیا اتر ہوا

ہم نے جانا تھا کشش دل کی اسے لائے گی کھینچ
اس کشش سے تو کشیدہ اور وہ دلبر ہوا

فی الحقیقت وہ برے ہیں جو سمجھتے ہیں برا
اے ظفر اس کی طرف سے جو ہوا بہتر ہوا

ہاتھ ملتا ہوں کیوں کیا بار جانی کیا ہوا
ہاتھ سے وہ قول کا چھلا نشانی کیا ہوا

گور سے شاہان پیشیں کے تعلق ہے صدا
تھا جو وہ قبضے میں اپنے م لک فانی کیا ہوا

اے جواں کیا اس جوانی کا بھروسہ تو سوچ
تھا جو پہلے اس سے عہد نوجوانی کیا ہوا

تم نے دل عاشق کا اپنے پاس سے کھویا کہاں
وہ جو تھا تعویذ بہر پاسبانی کیا ہوا

دیکھ کر تصویر کو اس عالم تصویر کی
چین جو مانی تو نے بتلا تجھ کو مانی کیا ہوا

پوچھے ہے اہل حکومت سے فلک بعد از فنا
تھا تمہارا وہ جو دور حکمرانی کیا ہوا

خط تو اس نے پڑھ لیا اے نامہ بر یہ تو بتا
حال دل میرا بیان تجھ سے زبانی کیا ہوا

نعش کو کشتہ کی اپنے کرتا ہے تشہیر کیوں
جرم قاتل اس سے وقت جانفشانی کیا ہوا

دیکھا آئینہ نشے میں تو کہا اس نے ظفر
ہو گیا یہ خشک چشمہ اس کا پانی کیا ہوا

نباہ بات کا اس حیلہ گر سے کچھ نہ ہوا　　ادھر سے کیا نہ ہوا پر ادھر سے کچھ نہ ہوا

جواب صاف تو لاتا اگر نہ لاتا خط　　لکھا نصیب کا جو نامہ بر سے کچھ نہ ہوا

ہمیشہ فتنے ہی برپا کئے مرے سر پر　　ہوا یہ اور تو اس فتنہ گر سے کچھ نہ ہوا

بلا سے گریۂ شب تو ہی کچھ اثر کرتا　　اگرچہ عشق میں آہ سحر سے کچھ نہ ہوا

جلا جلا کے کیا شمع ساں تمام مجھے　　بس اور تو مجھے سوز جگر سے کچھ نہ ہوا

رہیں عدو سے وہی گرم جوشیاں اس کی　　اس آہ سرد اور اس چشم تر سے کچھ نہ ہوا

اٹھایا عشق میں کیا کیا نہ درد سر میں نے　　حصول پر مجھے اس درد سر سے کچھ نہ ہوا

شب وصال میں بھی میری جان کو آرام　　عزیز و درد جدائی کے ڈر سے کچھ نہ ہوا

نہ دوں گا دل اسے میں یہ ہمیشہ کہتا تھا
وہ آج لے ہی گیا اور ظفر سے کچھ نہ ہوا

رفیق ایک تھا دل سو وہ دور ہم سے ہوا　　نہ اس کو روک سکے یہ قصور ہم سے ہوا

جتلایا ہم نے جو عجز اپنا اسے بت مغرور　　تو اور تجھ کو زیادہ غرور ہم سے ہوا

اسی سے عشق میں وہ تو ہوئے خراب کو صبر　　نہ تجھ سے اور دل ناصبور ہم سے ہوا

اگر سمجھتا ہے بے ہودہ گو ہمیں ناصح　　تو ہم کلام وہ کیوں بے شعور ہم سے ہوا

ہوا بہار کا گر جوش تو یقیں ہے ہمیں　　جنوں بھی دست و گریباں ضرور ہم سے ہوا

جہاں میں جبکہ ہوئے حسن و عشق جلوہ نما　　جفا کا تم سے وفا کا ظہور ہم سے ہوا

ظفر بہشت میں کیونکر لگے گا دل اپنا
جدا ہمارا اگر رشک حور ہم سے ہوا

دل خراش اتنا چمن میں شور بلبل کیوں ہوا　　کیوں ہوا چاک اے محبت سینۂ گل کیوں ہوا

مطلع ثانی

عاشق اے دل اس پہ تو یوں بے تامل کیوں ہوا　　اور ہوا تو اتنا بے صبر و تحمل کیوں ہوا

دسترس ہیہات اس کے ہاتھ تک اس کے نہیں　　دست گل خوردہ ہمارا دستہ کیوں ہوا

کاٹتے ہیں ہونٹ اس حسرت سے ہم اے بادہ نوش　　لب بلب محفل میں تجھ سے ساغر مل کیوں ہوا

گر نہیں بھونچال ظالم جنبش ابرو تری　　سر زمین ملک دل میں پھر تزلزل کیوں ہوا

گر نہیں آشفتہ میری طرح پر اس زلف پر　　باغ میں اتنا پریشاں حال سنبل کیوں ہوا

حرص دنیا پر کمر تو کس لئے باندھے ہے چست　　سست اے عاقل کمر بند توکل کیوں ہوا

باندھنا مشکل نہیں گر تیرا مضمون دہان　　قافیہ غنچے کا تنگ اے غیرت گل کیوں ہوا

کیا سے فریاد میری ہے وہ گل نازک دماغ　　باغ میں غنچہ اگر چٹکے ہے غل کیوں ہوا

شمع جلتی ہے تو جلتے جلتے کچھ رہ جائے ہے　　عشق میں پروانہ جل کر خاک بالکل کیوں ہوا

بحر ہستی میاگر گزرے نہیں عمر رواں　　قد دوتا پیری میں تیرا صورت پل کیوں ہوا

ہو گیا غفلت ہی غفلت میں جو کام اپنا تمام　　اس قدر غافل ترا شیوہ تغافل کیوں ہوا

پھاند کر دیوار کو کیا جائے پہنچے واں ظفر
آج اس کوچے میں شب کو کیسا سبب غل کیوں ہوا

یک قلم حال ہمارا جو قلم بند ہوا
نامہ بر جانے سے واں ہائے ستم بند ہوا

دل جو امڈے تو رکیں روکے سے کیونکر آنسو
کہیں دریا بھی ہے اے دیدہ نم بند ہوا

خط جو آیا ترے رخ پر تو گئی رونق حسن
یاں کے آنے سے نہ یہ سر قدم بند ہوا

کھل گیا اس پر خدا جانے مرا مطلب کیا
کہتے کہتے جو یکایک وہ صنم بند ہوا

وہ تو ہر لحظہ کرم کرتا ہے ہر دم احسان
اس کا کس دن در احسان و کرم بند ہوا

زخم تیر نگہ یار لگا جو دل پر
خون پھر دل سے نہ آنکھوں کی قسم بند ہوا

وہ قیامت ہے مرا نالہ کرشگر جس کو
اے ظفر صور قیامت کا بھی دم بند ہوا

کیوں دھوتے ہو زخم دل بیتاب کا پھاہا
بھیگا ہوا چپکے گا نہ پھر آب کا پھاہا

مطلع ثانی

گر زخم پر آلودہ ہو خوں ناب کا پھاہا
ہم رنگ ہو برگ گل شاداب کا پھاہا

دلریش کو اس نرگس مخمور کے مرہم
کیا چاہیے کافی ہے مئے ناب کا پھاہا

کام آیا نہ زخم دل صد چاک کتاں سے
اک مرہم کافور ہے مہتاب کا پھاہا

اپنے خط عارض سے چڑھا زر کی پٹی
چپکا نہ مرے زخم پہ تیزاب کا پھاہا

منت کش مرہم ہوں نہ مجروح ازل کے
دیکھا نہیں زخم گل سیراب کا پھاہا

گرمی سے مرے خون جراحت کے عجب کیا
ہم پر سو جو خورشید جہاں تاب کا پھاہا

وہ زخمی شمشیر حوادث ہے کہ جس کو
آئے ہے نظر چرخ بھی زہر آب کا پھاہا

زخم دل عاشق کی نہ سوزش میں کمی ہو
بالفرض اگر اس پہ ہو گرداب کا پھاہا

پروردہ کو تر زمیں سے غرض کیا کہ مرہم
یکساں ہے گزی کا کہ ہو کمخواب کا پھاہا

پھوڑا سا نہ کیوں پھوٹ بہے دل ظفر اس پر
ہے مرہم غم خواری احباب کا پھاہا

تو جے جو گل کی طرف غیرت گلشن دیکھا
کبھی آئینہ میں اپنا نہیں جو بن دیکھا

مطلع ثانی

مہ جبیں ہم نے تجھے کیا پس چلمن دیکھا
تار بارش میں چھپا اک مہ روشن دیکھا

تو ہوا جیسے کہ اے دست جنوں دست انداز
ہم نے تابت نہ کبھی جیب نہ دامن دیکھا

چھٹنا تو ہم سے کھنچا اتنا ہی کھنچ کر آیا
کشش دل کا اثر اے بت پرفن دیکھا

گردش چشم تری وہ ہے کہ جس نے اے شوخ
سنگ سرمہ کو کیا سنگ فلاخن دیکھا

کیا ہی باندھی ہے تری چشم نے اشکوں کی جھڑی
کبھی ایسا نہ برستے ہوئے ساون دیکھا

دیدہ آہوئے صحرا کے سوا ہم نے چراغ
اے صبا تربت مجنوں پہ نہ روشن دیکھا

خانہ دل میں جو ہے آہ فغاں کا عالم
تعزیہ خانہ میں بھی ایسا نہ شیون دیکھا

راز دل جس نے کہا دوست سمجھ کر اپنا
اے ظفر ہم نے اسے جان کا دشمن دیکھا

بتا کیا اے دل غمناک تو نے باغ میں دیکھا
جو اس گل کو نہ دیکھا خاک تو نے باغ میں دیکھا

اثر نالہ نے تیرے جب دکھایا اپنا اے بلبل
تو پھر ہر گل کا سینہ چاک تو نے باغ میں دیکھا

نظر تیری ہوئی ہے خیرہ اے زاہد بدبیں
لگا کر تاک سوئے تاک تو نے باغ میں دیکھا

ہوا کیا کیا جگر خود رشک سے غنچہ کا جب ہنس کر
ذرا اے قاتل سفاک تو نے باغ میں دیکھا

تری جو آنکھ سے نیند آڑ گئی اس طرح اے نرگس
کوئی کیا خواب وحشت ناک تو نے باغ میں دیکھا

جہاں تو جا کے اکثر دیکھتا تھا ڈھیر پھولوں کا
پڑا واں تو وہ خاشاک تو نے باغ میں دیکھا

ظفر دور فلک نے جب تماشا تجھ کو دکھلایا
تو یہ اے صاحب ادراک تو نے باغ میں دیکھا

دل سودا زدہ کب ایک جگہ میں الجھا
کبھی کاکل میں کبھی زلف سیاہ میں الجھا

پھاند میں آہوئے رم دیدہ جو الجھا نہ کبھی
لیا ان آنکھوں نے وہ ایک نگاہ میں الجھا

کی جو اشکوں نے کسی چشم میں وقت گریہ
دل کا ٹکڑا مری اک ایک مژہ میں الجھا

دل کو فوج غم وحسرت کا ہے ہر وقت خیال
ہے یہ سالار سپہ فکر سپہ میں الجھا

زلف کو اس مہ سرمست کی بے تابی پہ
میں نے چھیڑا تو وہ کیا کیا شب مہ میں الجھا

ہوں وہ آتش قدم اس دشت میں جس کا دامن
روشن برق نہ خار سر رہ میں الجھا

اے ظفر خوب کیا جس نے کیا ترک لباس
نہ رہا جامہ دستار کلہ میں الجھا

عجب اس عشق کے دریا کا ہم نے ماجرا دیکھا   خدا کا جلوہ دیکھا ان میں اور ہر دم نیا دیکھا

مطلع ثانی

نہ پوچھو پوچھنے والو بتوں میں ہم نے کیا دیکھا   خدا کا جلوہ دیکھا ان میں اور ہر دم نیا دیکھا

مطلع ثالث

ترے عالم کو اے یکتائے عالم ہم نے کیا دیکھا   کبھی دیکھا کہ عالم میں نہ تجھ سا دوسرا دیکھا
ہوئے جب ذائقہ سے موت کے ہم آشنا تجھ بن   کہا ناصح نے تو ہم نے محبت کا مزا دیکھا
ڈبویا آشنائی نے ہمیں جس کی اسے ہم نے   نہ دیکھا آشنا دیکھا تو بس نا آشنا دیکھا
نہ دیکھا آئینہ کی شکل میں صوفی نے وہ ہرگز   تماشا ہم نے جو دل کر کے اپنا پرصفا دیکھا
کبھی دیکھے محل یاں اور کبھی ان میں آبادی   کبھی دیکھی رابی اور اک ویرانہ سا دیکھا
چراغ و شمع میں کیا برق میں کیا اور شرر میں کیا   جہاں دیکھا وہاں اک جلوہ تیرے نور کا دیکھا

گیا کیا کیا گزر عالم ظفر آنکھوں کے آگے سے
کہیں کیا ہم نے جویاں مثل چشم نقش پا دیکھا

دل اس کے موئے کمر کے جو دھیان میں الجھا   تو لاکھ طرح کے وہم و گمان میں الجھا
کہو جو دل کو نکل زلف یار سے تو کبھی   تڑانو پاؤں ہے اس رسمان میں الجھا
عدو الجھتا کہیں اور تو سمجھ لیتے   وہ ہم سے آ کے تمہارے مکان میں الجھا
ہوا ہے یوں ترے ابرو پہ آ پڑا گیسو   کہ جس طرح سے ہو چلہ کمان میں الجھا
بچا نہیں کوئی دام فریب دنیا سے   کہ جس کو دیکھو وہ ہے اس جہان میں الجھا
بنا کے تار محبت کا دل رہا پھندا   ہزار دل ہوں تو لیں ایک آن میں الجھا

ظفر نے قصہ زلف دراز جاناں کو
کیا بیاں تو کیا کیا بیان میں اجلا

دل کا آئینہ جب صفا دیکھا
وہ جو پنہاں تھا برملا دیکھا

مطلع ثانی

کیا کہوں بت کدے میں کیا دیکھا
جلوہ قدرت خدا دیکھا

تو وہ یکتا ہے تیری صورت کا
نہ سنا اور نہ دوسرا دیکھا

یہ جہاں ہے عجب تماشا گاہ
ہر تماشا یہاں نیا دیکھا

ہم نے راہ وفا میں غیراز عشق
کوئی اپنا نہ رہنما دیکھا

سامنے اس نگاہ کے دل کو
ہدف ناوک قضاء دیکھا

خاک دنیا کی سیر کی ہم نے
یہ تو اک یونہی خواب سا دیکھا

کھول کر آنکھ اپنی مثل حباب
کچھ نہ ہم نے بجز فنا دیکھا

عشق ہے یا بلا کر اس میں ظفر
ایک عالم کو مبتلا دیکھا

کچھ جواب اس نے دیا خط کا جو الٹا سیدھا
نامہ بر نے مرے رستہ لیا گھر کا سیدھا

خلق سمجھی کہ شب تار میں ہے کہکشاں!
مانگ کا خط ترے بالوں میں جو دیکھا سیدھا

ہم سے ہر بات میں وہ کا ہ کو ٹیڑھے ہوتے
ہم نشیں ہوتا نصیبہ اگر اپنا سیدھا

خوشنویسوں نے کہا دیکھ کے بینی اس کو
لکھا ہے کاتب قدرت نے الف کیا سیدھا

ہے کجی طالع واژوں اگر اپنا اے دل
نہ ہوا ہے نہ کبھی ہم سے وہ ہو گا سیدھا

اس ن گلشن میں دیکھا کے قد دلجو اپنا
خوب ہی سرو لب جو کر بنایا سیدھا

سیدھ باندھی مرے نالے نے فلک کی ایسی
کہ یہ جب سینہ سے نکلا وہیں پہنچا سیدھا

زلف کافر کی کجی پر بھی یہ ٹیڑھا نہ ہوا
دل مرا دیکھو مسلمان ہے کیسا سیدھا

ٹیڑھی باتوں کو پسند آتی ہیں ٹیڑھی باتیں
اے ظفر اپنا تو انداز ہے سیدھا سیدھا

سبب اس رنجش بے جا کا پتہ کچھ بھی نہ تھا
تو جو آزردہ ہوا ہم نے کہا کچھ بھی نہ تھا

کیونکر ہوتا ترے بیمار محبت کا علاج
جانتا کوئی طبیب اس کی دوا کچھ بھی نہ تھا

رنج و غم میں ہی رہا میں و ہمیشہ اے عشق
میری تقدیر میں اور اس کے سوا کچھ بھی نہ تھا

اشک خوں پونچھے تھے جب تک کہ نہ تو نے میرے
شوخ ہاتھوں میں تیرے رنگ حنا کچھ بھی نہ تھا

دم ایک بوسہ خال اتنے ہوئے تم برہم
ہم نے مانا کسی نکتہ پہ برا کچھ بھی نہ تھا

ہو گیا زندہ ترے آنے سے اے عیسیٰ دم
ورنہ دم مجھ میں تو باقی نہ رہا کچھ بھی نہ تھا

یہ تو کہہ تو نے مرا حال زبانی قاصد
اس سے جب جا کے کہاں اس نے سنا کچھ بھی نہ تھا

مر گیا عاشق بیمار ترا خوب ہوا
کہ غم ہجر سے جینے کا مزا کچھ بھی نہ تھا

روبرو اس کے رخ صاف کے آئینہ ظفر
نہیں انصاف سے کہہ دو کہ صفا کچھ بھی نہ تھا

جنوں کے حق میں محبت سے ہم نے کیا نہ کیا
مگر خدا نے بلی خبر کی خدا نہ کیا

سب آشناؤں نے دیکھے مرے رواں آنسو
یہ واں کسی سے بھی اس سے یہ ماجرا نہ کہا

کہا تھا تجھ سے جو احوال ہم نشیں ہم نے
خبر نہیں کہ کہا تو نے مرحبا نہ کہا

جفائیں ہم نے سہیں اسقدر کہ مر ہی گئے
مگر کبھی نہ کہا تو نے مرحبا نہ کہا

مری نگہ نے مرا رازدر کہہ دیا اس سے
بلا سے گرنہ کہاں میں نے مدعا نہ کہا

وہ حال دل جو سنے گوش دل سے تو کہیے
وگرنہ کہنے سے کچھ فائدہ نہ کہا

ہم اس کی بات سے قائل ہیں اے ظفر جس نے
بھلا کہا جسے منہ سے اسے برا نہ کہا

مرا دل تو نے کیوں چھوا ترا گھر تھا تو اس جا تھا
مکاں پردے کا اے پردہ نشیں گر تھا تو اس جا تھا

کیا قتل اور کو کیوں میرے ہوتے تیغ قاتل
دکھانا اس کو منظور اپنا جوہر تھا تو اس جا تھا

وفا کی راہ تھی مشکل اسے بھی طے کیا ہم نے
کہ منزل میں محبت کے اگر ڈر تھا تو اس جا تھا

اٹھایا اے فلک کیوں تو نے ہم کو کوئے جاناں سے
مناسب خاکساروں کے جو بستر تھا تو اس جا تھا

گئے دنیا سے جب شاہ گدا دونوں ہوئے یکساں
کہ کوئی صاحب زر کوئی بے زر تھا تو اس جا تھا

کیا کیوں چاک سینہ کو جگہ تھی دل کے پہلو میں
لگانا تجھ کو اے قاتل جو خنجر تھا تو اس جا تھا

گئے جس دم نکلے چشم تر سے اشک کے موتی
کھلا ہم پر کہ پنہاں گنج گوہر تھا تو اس جا تھا

ہمیں جنت میں بھی میخانہ یاد آئے گا اے ساقی
کہ ہے جو عیش وہ ہم کو میسر تھا تو اس جا تھا

ظفر آرام سے بیٹھے گا جا کر اس کے کوچے میں
نہیں ہوئے گا واں مضطر تھا تو اس جا تھا

اس کا عاشق پہ عتاب اور نہ تھا یہ ہی تھا
کہ کوئی چشم پہ آب اور نہ تھا یہ ہی تھا

دیدہ تر سے رہے دیکھتے ہم کیفیت
بن ترے جام شراب اور نہ تھا یہ ہی تھا

خط مرا پڑھا کے ظالم نے دیا قاصد کو
اور کہا اس کا جواب اور نہ تھا یہ ہی تھا

گر شکنجہ میں تجھے زلف کے اس نے کھینچا
شکر کر دل کہ عذاب اور نہ تھا یہ ہی تھا

کر گیا کام تمام اس نے مرا خوب کیا
کہ کوئی کار ثواب اور نہ تھا یہ ہی تھا

جب خودی اپنی اٹھا کر اسے دیکھا ہم نے
تو یہ جانا کہ حجاب اور نہ تھا یہ ہی تھا

تو نے مجنوں کو جو اے عشق کیا شہر بدر
کیا کوئی خانہ خراب اور نہ تھا یہ ہی تھا

جب کہ دفتر مرے عصیاں کا کھلا روز حساب
پھر ظفر کوئی حساب اور نہ تھا یہ ہی تھا

ظالم ترے چپ رہنے کا عقدہ نہیں کھلتا
کیا جانے کہ ہے دل میں ی ترے کیا نہیں کھلتا

جب تک ہو دم سر دورخ زدونہ غماز
ہر ایک پہ راز دل شیدا نہیں کھلتا

اس مست سے ناز کی اللہ رے تمکین
وہ عالم مستی میں بھی اصلا نہیں کھلتا

کھلتا نہیں احوال پریشانی دل کا
جب تک کہ ستم گر ترا جوا نہیں کھلتا

بند آنکھیں ہوئی جاتی ہیں مشتاق کی تیرے
کیوں بند نقاب رخ زیبا نہیں کھلتا

جو اس کو پھانستے ہیں وہ جب تک کہ نہ آئیں
جب تار محبت ی کا پھندا نہیں کھلتا

کس کام کے پھر ناخن تدبیر ہمارے
یا منہ ی مرنے زخم جگر کا نہیں کھلتا

کیا منہ ہے کہ ہو تجز قاتل کی شکایت

یاں آئے کہاں سے میں کہاں جائیں گے یہاں سے
حیراں ہیں ظفر ہم یہ معما نہیں کھلتا

جب تھا ساقی یار ہمارا ہم تھے اور میخانہ تھا
اب وہ کہاں دن کیفیت کے وہ بھی ایک زمانہ تھا

مطلع ثانی

دشت میں تھا جو خارزباں پر اس کی مرا افسا تھا
مجھ سے مقابل ہوتا مجنوں ایسا کیا دیوانہ تھا

جیسے بسا تو دل میں آ کر ہوئی ہے صورت آبادی
رہتا تھا کون آگے اس میں یہ تو اک ویرانہ تھا

دیتا تھا اس زلف کو شب آرائش کیا کیا آنکھوں سے
لیتا پنجہ مژگاں سے میں اپنے کارشانہ تھا

چاہیے تھا اسے ناوک افگن دل پہ لگانا تیرہ نگاہ
چھو دیا کیوں اس کو تو نے یہ تو خوب نشانہ تھا

پوچھتے ہو کیا مجھ سے عزیز و حال غم تنہائی کا
میں تھا اور غم خانہ تھا غمخوار غم جانا نہ تھا

تل بے تپ اندوہ محبت اف رے گری دل غفراق
دل تھا کیا پہلو میں ہمارے گویا آتش خانہ تھا

کوئی ملا گر اشک کا قطرہ عشق میں ی تیرے شکر کیا
جانا اپنی قسمت میں ہاں یہ ی آب و دانہ تھا

حسن و جمال یار ظفر جب رات کو بزم فروز ہوا
شمع رخ پر نور پہ اس کے ماہ بھی اک پروانہ تھا

کبھی رونے کا جو ہے عشق قابو بنتا
دل کا خوں بنتا ہے اور خوں کا ہے آنسو بنتا

تو چمن میں جو دکھاتا قد رعنا اپنا
دار قمر کے لئے سرو لب جو بنتا

سیکھے یہ مردم ہوشیار سے بچواتے ہیں
وحشی آنکھوں سے ترے کیونکہ نہ آہو بنتا

کی عبث تعمہ زنی ہوتی جو تقدیر بھلی
کام فرہاد کا بے قوت بازو بنتا

دوستی تجھ سے نہ کرتا جو میں اے آفت جاں
کا ہے کو دشمن جاں اتنا مرا تو بنتا

ماہ بن سکتا نہیں حسن میں تیرا ہمسر
کبھی رخسار ی بنتا کبھی ابرو بنتا

باز آ ان کی محبت سے ظفر جانے دے
کیوں ہے دیوانہ خوباں پری رو بنتا

چشموں کی گربیاض سے وہ منہ نہ حل بنا
پھر کیوں سواد چشم سے منہ پر کا حل بنا

تیرے خرام ناز نے اے سروخوش خرام
شمشاد کو چمن میں لو پایا بگل بنا

نکلا کسی طرح نہیں اس سنگدل کا غم
یارب یہ کیسا آن کے چھاتی پہ سل بنا

ثابت رہے گا عہد پہ اپنے کبھی نہ تو
باتیں نہ میرے سامنے پیمان گسل بنا

آئینہ کیوں گیا ترے عارض کے روبرو
یہ سادہ لوح آپ جو ہو کر خجل بنا

جادل میں گھر نہ کر کہ ہے یہ خانہ خدا
تو اس کو بہت کدہ نہ بت سنگدل بنا

آواز تو سنے گا نہ دیکھے گا گر کبھو
گھر اپنا اس کے گھر کے ظفر متصل بنا

اضطیں ہوا غم الفت میں جو تھا سو ہوا
شکوہ بے جا ہے میری قسمت میں جو تھا ہوا

پوچھتا ہے مجھ سے کیا حال تپ غم اے طبیب
تجھ پہ ظاہر نبض کی سرعت میں جوتھا سو ہوا

سینکوں عاشق تھے پہ پروانہ ساں تجھ پہ نثار
شمع روحاضر تری خدمت میں جو تھا سو ہوا

قیس بھی تھا اور میں بھی عشق میں وحشت زدہ
دونوں میں نائی سوا وحشت میں جو تھا سو ہوا

جانتا تھا میں نہ ہو معلوم میرے دل کا راز
لیکن آفت گریہ کی شدت میں جو تھا سو ہوا

ہجر کے رنج و الم یاد آ گئے جو روز وصل
حال میرا جو شب فرقت میں جو تھا سو ہوا

کب ہوا تدبیر سے حاصل ظفر مقصود دل
اے تکونیت تیری نیت میں جو تھا سو ہوا

پاس عارض کے ترے کان کا گوہر چمکا
دن دیے پہلو سے خورشید میں اختر چمکا

خوں مرا اس رخ گلگوں کا ہوا گلگو نہ
قتل ہونے سے مرے شوخ ستمگر چمکا

روبرو اس رخ پر نور کے ماہ تاباں
رات کو یک شب تاب سے کمتر چمکا

تانیا نہ جو کیا طرہ مشکیں نے ترے
تو سن نازترا اور بھی کافر چمکا

چرخ پر ٹھہری ترے عقد ثریا کی چمک
جب کہ ماتھے پہ ترے رات کو جھومر چمکا

کلبہ تار میں میرے نہیں درکار چراغ
آتش عشق سے داغ دل مضطر چمکا

آئینہ خاک سے پاتا ہے جلا کیا ہے عجیب
خاکساری سے اگر صاحب جوہر چمکا

ہو گیا زردی رخسار سے عاشق کو فروغ
سچ ہے انساں کے جہاں ہاتھ لگا درچکا

شعلہ آہ مرا جا کے فلک پر ہر روز
اے ظفر مہر درخشاں کے برابر چمکا

دل یہ اندا دم تحریر کہ دم بند ہوا
ہم سے احوال غم اپنا نہ قلم بند ہوا

شدت گریہ سے آیا نہ ذرا خواب مجھے
شب کو اک پل نہ مرا دیدۂ نم بند ہوا

جائے اب کوئی کہ ہے دیر و حرم کا رستہ
رہزنی سے تیرے غمزے کے صنم بند ہوا

رات بھر سر مجھے ٹکراتا پا شام ہی سے
گھر کا دروازہ ترا ہائے ستم بند ہوا

بند دنیا نے وہ باندھے کہ ہوئے دریا بند
اہل ہمت کا نہ پر دست کرم بند ہوا

ہو گئے غیر کے بندے ترے گھر آنے سے
شکر اللہ کہ یہ بد قدم بند ہوا

دل سے بہتر نہیں غم کے لئے کوئی زنداں
اے ظفر خوب ہوا دل میں ہی جو غم بند ہوا

جگر کا عشق میں سوزاں جو داغ ہو اچھا
اندھیری گور میں بھی یہ چراغ ہو اچھا

ہوا بھی اچھی ہے گلشن میں گل بھی اچھے ہیں
جو ساتھ یار کوئی خوش دماغ ہو اچھا

جو اشک خون سے ہو گلزار تختۂ دامن
تو اپنی سیر کو اک یہ بھی باغ ہو اچھا

اٹھاوے غیر کو پہلو سے میرے رشک چمن
کہ عندلیب کے کیا پاس زاغ ہو اچھا

نہ اشک خوں سے ہو اچھی سوائے گلگوں
نہ چشم تر سے زیادہ ایاغ ہو اچھا

ہمارا رہنما جب تلک نہ ہو عنقا
کمر کا اس کی نہ ہم سے سراغ ہو اچھا

سوائے کنج قناعت ظفر بشر کے لئے
کہیں جہاں میں نہ ہرگز فراغ ہو اچھا

دل سے اک نالہ موزوں کو جہاں کھینچ لیا
نقش قدر ترا اے سرو رواں کھینچ لیا

جان جائے گی نکل میری اگر تیر ان کا
تم نے دل سے مرے اے چارہ گراں کھینچ لیا

بال شانے سے جو اس زلف سیہ کا کھینچا
اس سیہ بخت کا تار رگ جاں کھینچ لیا

کیا مرے قتل کو کم تھی یہ کشیدہ ابرو
تو نے شمشیر کو اپنی جو میاں کھینچ لیا

جذبہ شوق نے تیرے ظفر سے خانہ
خانقہ سے مجھے اے پیر مغاں کھینچ لیا

تیری تصویر کو کیا صفحہ دل پہ ہم نے
دیکھ بے دست و قلم آئینہ ساں کھینچ لیا

پاؤں آرام سے پھیلائے اسی نے اپنے
ہاتھ دنیا سے ظفر جس نے یہاں کھینچ لیا

خط و ہالہ کہاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا
تیر اے ابرو کماں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

شرنگیں کیا کیا ہوا تیر شہاب اس دم کہ جب
نالہ زیر آسمان سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

ہو گیا حیراں مصور قدر نہ تیرا کھنچ سکا
اک الف اے دلستان سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

مانگ کیا سیدھی نکالی تو نے اپنی مہ جبیں
صاف خط کہکشاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

تیغ رکھی تو سکی گردم پہ میرے تو نے پر
ہاتھ اے خواہاں جاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

اٹھتے ہی پہلو سے تیرے دل میں درد ایسا اٹھا
دم مرا سینے میں یاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

وہ نہ کھنچتا آتا ہے پر غیر نے روکا ظفر
بلکہ تھا فنان ہاں سیدھا سا کھنچ کر رہ گیا

جب سنا آ کر قرین زیب محفل پھر گیا
محفل عیش و طرب سے بس مرا دل پھر گیا

کل دیا تھا جس کو تو نے لاکھ ذلت سے نکال
آج کوچے میں ترے وہ پیا مائل پھر گیا

مجھ کو جس دم جنبش ابرو تیری یاد آ گئی
ایک خنجر سا گلے میں میرے قاتل پھر گیا

دیکھ کر تصویر شیریں میری آنکھوں کے تل
تیرا نقش صاف اے شیریں شمائل پھر گیا

کیوں لیا منہ تو نے پھیر اپنا سوال بوسہ پر
اس در دولت سے یہ محروم سائل پھر گیا

بوالہوس آتا تھا میرے ساتھ راہ عشق میں
اے ظفر دیکھی جو اس نے سخت منزل پھر گیا

ٹھہرا ہوا جو پاؤں ٹھکانے سے آٹھ گیا
دل بھی قسم ہے ایک زمانے سے آٹھ گیا

توڑی مریض غم نے ترے اس طرح سے جان
گھبرا کے غمگسار سرہانے سے اٹھ گیا

وہ تھا جو مہر دمہ کے لئے اعتبار نور
سب تیرے ایک جلوہ دکھانے سے اٹھ گیا

تھا کس کا تجھ کو پاس کو تو میرے پاس سے
محفل سے بیٹھے بیٹھے بہانے سے اٹھ گیا

وہ جانتا تھا مجھ سا نہیں ہے کوئی حسین
میرے سوائے حسن زمانے سے اٹھ گیا

ہم صورت اپنے اس کو جو آئے کئی نظر
حیران ہو کے آئینہ خانے سے اٹھ گیا

تھا میرے اور اس کے جو پردہ سا اک ظفر
یک بارگی دوئی کے اٹھنے سے اٹھ گیا

لکھا جو خط میں وہ کیوں نامہ بر سے کھول دیا
کہ اس نے جا کے وہاں ہر بشر کھول دیا

برا ہو تیرا محبت کہ یار پرتو نے
جو دل کا راز تھا سب اک نظر سے کھول دیا

ہم اپنا آج گلا کاٹ ڈالتے لیکن
نہ خنجر آپ نے اپنی کمر سے کھول دیا

ہم اک نگاہ پہ دل بیچتے ہیں لے وہ اگر
کہ ہم نے مول یہ اس عشوہ گر سے کھول دیا

نہ کھولتے کبھی دروازہ ہم عدد کے لئے
ادھر سے بند کیا تو ادھر سے کھول دیا

دل وجگر کے ہے روزن میں سانس کا رستہ
جو گھونگھٹ آپ نے رخسار پہ سے کھول دیا

ہمارے شوق نظارہ میں کچھ تو ہے گرمی
الٰہی شانہ نے یہ کس ہنر سے کھول دیا

کبھی نہ دل سے کھلا اس کے زلف کا عقدہ

بندھے گا زلف سے گر دل تو کھل سکے نہ پھیر
یہ حال پہلے ہی ہم نے ظفر سے کھول دیا

جس کو کہ ڈھونڈھتا ہوا میں ہر کہیں گیا
دل ہی میں تھا مرے وہ مجھے مل نہیں گیا

جس آ م گیا میں اس بت کافر کے سامنے
یہ ہو گیا یقین کہ بس ایماں و دیں گیا

آنکھیں سی کھل گئیں مہ و انجم کو دیکھ کر
کوٹھے پہ اپنے تو جو شب اے مہ جبیں گیا

کیا جانے کس کو ذبح کرے گا کہ آج وہ
خنجر بکف چڑھا ہوا یہ آستیں گیا

چونکا نہ خواب گاہ میں شب کو وہ مست ناز
شور و فغاں سراسر چرخ بریں گیا

رو رو کے ہم نے چشم سے دریا بہا دیا
دل کا ترے غبار پہ اب تک نہیں گیا

میں اور دوں دل اپنا کسی کو تیرے سوا
تیرا خیال یہ کدھر اے نازنیں گیا

کنج لحد میں بھی مجھے آرام ہو چکا
گر ساتھ مضطرب دل اندوہگیں گیا

آیا رقیب بن کے وہاں سے وہ اے ظفر
پیغامبر جو ہو کے مرا ہمنشیں گیا

جب چراغ گل چمن میں یک بیک گل ہو گیا
چشم بلبل میں جہاں تاریک بالکل ہو گیا

خانہ زنداں میں میرے سے نالہ زنجیر سے
شور محشر میں بھی اک برپا سوا غل ہو گیا

مل بے جوش گر یہ آنکھوں میں نشہ سا چھا گیا
عشق کی کیفیتوں سے خون دل میں مل گیا

تجھ کو کیا تیری بلا سے کوئی اے غفلت شعار
ہو گیا گر کشتہ تیغ تغافل ہو گیا

ہو گیا پھیکا ترے چاہے سے رنگ و روئے گل
بے نمک نالہ سے میرے شور بلبل ہو گیا

نالہ پردرد دل سودائے خط زلف میں
میری خاطر دستہ ریحان سنبل ہو گیا

کس کی چشم مست نے الٹا ہے ساقی میکدہ
جوں حباب اٹھا جو ہر اک ساغر مل ہو گیا

لکھ کے خط وصلی پہ کیا کو خط جتاتا ہے ہمیں
کن چکے ہم غیر سے تجھ کو سہل ہو گیا

تھی اجل کو سو تامل لیکن اس کی چشم سے
کام اپنا اک نظر میں بے تامل ہو گیا

فاتحہ میں تو نہ آیا حسرتا وا حسرتا
اور اس حسرت میں عاشق کا ترے قل ہو گیا

ساتھ اس شامت کے مارے کے سر اپنا تو نہ مار
اے ظفر دل تو اسیر زلف کا کل ہو گیا

خطا ہے میں جو کیوں اس سے خط پڑھا نہ گیا
پڑھا گیا مگر اچھی نمط پڑھا نہ گیا

تمہارے صفحۂ رخسار پہ خط گلزار
ہجوم خال سے تھے جو نقط پڑھا نہ گیا

ہمارا محضر خوبی جو جھکے یمس گیا
لکھا ہوا تھا کچھ ایسا غلط پڑھا نہ گیا

جو کوئی مصرع مضمون گریہ ہم نے لکھا
کسی سے مثل خط موج شط پڑھا نہ گیا

پڑھا تمام مرا نامہ اس نے حرف بحرف
جو مدعا تھا وہی ہاں فقط پڑھا نہ گیا

ترے مریض کا نسخہ طبیب نے جو لکھا
قلم کا ایسا دیا اس نے قط پڑھا نہ گیا

لکھا ہے کیا میری تقدیر میں خدا جانے
پڑھا اگرچہ ظفر سو خط پڑھا نہ گیا

سینے میں اک دھواں کئی بار اٹھ کے رہ گیا
نکلا نہ میرے دل کا بخار اٹھ کے رہ گیا

پہلو میں میرے رشک سے کیا کیا اٹھا نہ درد
پہلو سے غیر کے جو وہ یار اٹھ کے رہ گیا

صحرا میں اے شکارفگن کھا کے تیرا تیر
اٹھا جو کوئی تیرا شکار اٹھ کے رہ گیا

آیا نہ میرے دیدہ گریاں کے سامنے
سو بار دیکھا ابر بہار اٹھ کے رہ گیا

دیتا جلا فلک کو مگر خیر ہو گئی
ساتھ آہ کے جو دل سے شرار اٹھ کے رہ گیا

تیری گلی سے جا نہ سکا اٹھ کے یہ نحیف
تھا ایک ناتواں سا غبار اٹھ کے رہ گیا

پکڑے جو خار دشت جنوں نے ہمارے پاؤں،
اپنا قدم ظفر سر خار اٹھ کے رہ گیا

ہمدموں کا پوچھنا ہر دم مرا دم کھا گیا
کیا کہوں میں دم نہیں مجھ میں مجھے غم کھا گیا

ڈوبے آب گر یہ سے تیرے فقط کہسار کیا
بلکہ غوطہ آسمان اے چشم پرنم کھا گیا

غیر جتنا لگ چلا ہے اتنا ہی بھاگے گا دور
یہ فریب اس کے اگر دو چار ہمدم کھا گیا

چھیڑ کر تجھ کو دل عاشق نے کیا پایا مزا
تیرے کوڑے مفت وہ اے زلف پرخم کھا گیا

گردش چشم اپنی دکھلائی جو اس بے مہر نے
آسماں کیا بلکہ چکر عرش اعظم کھا گیا

اے ستم گر یاد رکھنا یہ کہ ملنے کی مرے
تو نے واں کھائی قسم اور میں یہاں سم کھا گیا

وائے نسیاں کر دیا تھا منع کیا اس پہ بھی
دانہ گندم ظفر جنت میں آدھا کھا گیا

دنیا میں بلا سے اگر آرام نہ پایا
ہم نے بھی پایا کر [illegible] نام نہ پایا

مطلع ثانی

دل ہم نے لگا کر کبھی آرام نہ پایا　　　جو دیکھا دل آزار دل آرام نہ پایا
دل کے آئینہ کا صاف اک اور جوہر کھل گیا　　　راز پنہاں اس میں یا آئین دیگر کھل گیا

مطلع ثانی

آج باتوں میں جو مجھ سے میرا دلبر کھل گیا　　　دل کا جو مطلب تھا اس کے سب وہ مجھ پر کھل گئے
کھل گئی یک بارگی ظالم مرے دل کی گرہ　　　جب کہ تیرا عقدہ زلف معنبر کھل گیا
ہم نے سر مارا بہت تیرا نہ دروازہ کھلا　　　غیر نے جس دم پکارا اے ستم گر کھل گیا
قاصد ان اشک دیتے ہیں مجھے ہر دم خبر　　　اب تو دل کا حال سب اے دیدہ تر کھل گیا
میرے اشکوں کی جھڑی یار دری برسوں ہی بند　　　ابر تو سو بار آیا اور برس کر کھل گیا
کھل گئیں آنکھیں ہی انجم کی جو شب کو وقت خواب　　　منہ دوپٹے سے ترا اے ماہ پیکر کھل گیا
تو نے اپنے صید کو فتراک سے اے شہسوار　　　خوب باندھا تھا نہیں کھلتا کہ کیونکہ کھل گیا

تجھ سے وہ جو کھلتے کھلتے ہو گیا بند اے ظفر
عشق پوشیدہ ترا اس پر مقرر کھل گیا

گرچہ وہ خنجر بکف آ کر سکاں پر پھر گیا　　　موت کا پر ذائقہ آ کر زباں پھر گیا
تب بجھے گی اور گرمی سے سوا خورشید کو　　　نالہ سوزاں مرا گر آسماں پر پھر گیا
بوالہوس نے بھی کیا تھا ان سے اقرار وفا　　　لیکن سا اقرار سے وہ امتحان پر پھر گیا
جب علی مژگاں تمہاری ایک خنجر سا دیں　　　یاں گلوئے عاشق آزردہ جاں پر پھر گیا
بجھ سکا سوزجگر میرا نہ جوش پر یہ سے　　　گرچہ اس طوفان سے پانی اک جہاں پر پھر گیا
اب تو ہم دل کو بچالائے نہیں لائیں گے پھر　　　گر یہ ہو کر شیفتہ اس دلستان پر پھر گیا

دیر کیا اور کعبہ کیا دونوں سے دل میرا ظفر
پہنچتے ہی اس صنم کے آستاں پر پھر گیا

نہ اس کا بھید یاری سے نہ عیاری سے ہاتھ آیا　　　خدا آگاہ ہے دل کی خبرداری سے ہاتھ آیا
نہ ہوں جن کے ٹھکانے ہوش وہ منزل کو کیا پہنچے　　　کہ رستہ ہاتھ آیا جس کی ہشیاری سے ہاتھ آیا
ہوا حق مس کی ہمارے کیوں ستم گار آسماں اتنا　　　کوئی پوچھے کہ ظالم کیا ستم گاری سے ہاتھ آیا
اگرچہ مال دنیا ہاتھ بھی آیا حریصوں کے　　　تو دیکھا ہم نے کس کس ذلت و خواری سے ہاتھ آیا
نہ کر ظالم دل آزادی جو دل منظور ہے لینا　　　کسی کا دل جو ہاتھ آیا تو دلداری سے ہاتھ آیا
اگرچہ خاکساری کیمیا کا سہل نسخہ ہے　　　ولیکن ہاتھ آیا جس کے دشواری سے ہاتھ آیا
بے خال رخ اس زلف میں افسوس پھنسا دل　　　اس مرغ نے بھی دانہ تہہ دام نہ پایا
کوچے میں خم زلف کے اس مانگ کا رستہ　　　دل ڈھونڈھ پھرا صبح سے تا شام نہ پایا
گلرو ہیں بہت گلشن آفاق میں لیکن　　　تجھ سا کوئی اے شوخ گل اندام نہ پایا
آغاز محبت کو تو واں سمجھے ہم اچھا　　　اچھا پر اس آغاز کا انجام نہ پایا
لکھی عجب انداز سے ہے رخ پہ تری زلف　　　ایسا خط تعلیق میں بھی لام نہ پایا
جینے کا مزا عاشق ناکام نے تیرے　　　جز تلخی مرگ اے بہت خود کام نہ پایا

دولت سے اس اپنے لب خاموش کے ہم نے
کچھ بزم جہاں میں ظفر آرام نہ پایا

بکتے بکتے ناصحا تیرا تو بھیجا پک گیا   اور سنتے سنتے اب میرا کلیجا پک گیا
دل میں وہ پھوڑا نہیں اپنے کہ پک کر پھوٹ جائے   تو اگر جراح کہتا ہے کہے جا پک گیا
چاہتے تھے ہم یہ مدت سے کہ پک جائے خیال   خواہ اے ہمدم بجا تھا خواہ بے جا پک گیا
دل ہے اے ظالم مرا نخل محبت کا ثمر   اب نہیں کچا رہا یہ اس کو لے جا پک گیا

جسم خاکی اپنا ظرف خام تھا اس نے ظفر
آتش غم سے پکانے کو جو بھیجا پک گیا

وہ داغ عشق دل تو ان نے کھایا   کہ جس کے داغ پہ گل اک جہاں نے کھایا
کہاں گیا مرا قاصد خبر نہیں اس کی   زمیں نے کھایا کہ ہے آسمان نے کھایا
کلام تلخ کہے میں نے کیا گلی میں تری   کہ زہر مجھ پہ ہر اک پاسبان نے کھایا
نکل کے چشم سے لی سیدھی چاک جیب کی راہ   نہ پھیر آنسوؤں کے کاروان نے کھایا
تمہارے ممچہ نیم ناز کا ہر زخم   عجب مزے سے ہے اس نیم جان نے کھایا
کبھو جو اپنی کہانی کہے وہ جھنجھلا کر   کہ مغز کیوں مرا اس قصہ خوان نے کھایا
حذر ہے مجھ سے یہاں تک کہ ہاتھ سے میرے   کبھی نہ پان بھی اس بدگمان نے کھایا
لگا نگاہ سے ہونے جو پیار کا اظہار   تو رشک چشم پہ کیا کیا زبان نے کھایا
ہمیشہ کرتا ہوں داغوں سے دل کی آرائش
مرا تو پیسہ ظفر اس مکان نے کھایا

ہوئی وز گز نہ تیرے چشم کے بیمار کو صحت   نہ جب تک زہر تیرے خط زنگاری سے ہاتھ آیا
کوئی یہ حشی دم دیدہ تیرے ہاتھ آیا تھا   پہ اے صیادوش دل کی گرفتاری سے ہاتھ آیا

ظفر جو دوجہاں میں گوہر مقصود تھا اپنا
جناب فخر دین کی وہ مددگاری سے ہاتھ آیا

نفس کے ساتھ جو درد جگر لپٹا ہوا آیا   کباب سوختہ کا سامرے منہ مزا آیا
وہ آجے یا نہ آئے پر کہا اس نے جو آنے کو   تو اس اقرار سے دل کو قرار اپنے ذرا آیا
چڑھایا جوش گر یہ نے ہمارے اسقدر دریا   کہ گردوں بھی نظر پانی کا سا اک بلبلا آیا
بلایا منتوں سے ہم نے سو بار اس ستم گر کو   نہ آیا وہ نہ آیا اور جو آیا تو خفا آیا
اسے کیا غوطے کھائے ہم نے گرکر محنت میں   کہو نا صح سے جائے کہاں کا آشنا آیا
زباں میری قلم کی مدعی کے تونے کہنے سے   نہیں میری زباں پہ ایک حرف مدعا آیا
ملائی خاک میں سب آبرو آئینہ کی تم نے   اور اس پہ پھر تمہارے روبرو بے حیا آیا
اسیران قفس کا دم ہوا ہوتا ہے حسرت سے   چمن سے کیا کوئی جھونکا نسیم صبح کا آیا

چڑھا کر تیوری اٹھے ظفر وہ میرے پہلو سے
خدا جانے کہ بیٹھے بیٹھے ان کے دل میں کیا آیا

صد آفریں کہ مرے دل نے داغ لے تو لیا
اندھیری گور کی خاطر چراغ لے تو لیا

بلا سے پھینک دیا لے کے دل مگر اک بار
وہ تو نے دلبر نازک دماغ لے تو لیا

بغیر تیرے نہ اتری گلے سے مے اپنے
اگرچہ ہاتھ میں ہم نے ایاغ لے تو لیا

وہ آتے کب ہیں مگر ہم نے ان کے آنے کا
شگون سن کے کچھ آواز زاغ لے تو لیا

نجاؤ باغ کو تم چھو کر دل پہ داغ
کہ تم نے سیر کو اپنی یہ باغ لے تو لیا

بلا سے تھے وہ کہیں لیکن ان کے قاصد نے
جواب خط کا لگا کر سراغ لے تو لیا

ہوا جو کوئی قناعت گزیں جہاں میں ظفر
پھر اس نے کچھ امن و فراغ لے تو لیا

ردیف باموحدہ

جہاں ہے دل لگی باہم دگر دونوں کی دو جانب
لگی ہے دل ہی دل میں واں خبر دونوں کی دو جانب

نہ بولے منہ سے وہ درہم ہوئیں پر جب دو چار آنکھیں
رہی اک ٹکٹکی دو دوپہر دونوں کی دو جانب

مزا جب ہے کہ ہم وہ یوں لپٹ کر رات کو سوویں
نہ بدلی جائے کروٹ تا سحر دونوں کی دو جانب

اٹھاتا کیوں ہے تو رخساروں سے تو زلفوں کو رہنے دے
حفاظت کے لئے اے سیمبر دونوں کی دو جانب

مرا دل اور جگر موڑے نہ منہ تیغ دو ابرو سے
وہ پھینکے بوٹیاں گر کاٹ کر دونوں کی دو جانب

نہ مرتا کوناہ میں فرہاد اور میں نے دشت میں مجنوں
نہ لے جاتی اجل دونوں کو گر دونوں کی دو جانب

وہ دیکھے آئینہ اور ہم اسے یہ کیا تماشا ہے
کہ ہے اک جلوہ منظور اور دونوں کی دو جانب

نہ جائے بت کدے کو برہمن نے شیخ کعبے کو
محبت گر نہ ہووے راہ پہ دونوں کی دو جانب

ہوئے وہ حسن میں مشہور اور ہم عشق میں رسوا
رہی شہرت جہاں میں اے ظفر دونوں کی دو جانب

کرتی ہے ہر لحظہ مجھ کو میری جانکاہی خراب
کاہش جاں سے ہوں میں بھی عشق میں کیا ہی خراب

ماہ سرگرداں ہے اور ماہ تہ بار گراں
خوب دیکھا تو یہاں ہے مہ سے تا ماہی خراب

دیکھ میرا حال کیا سوز گداز عشق ہے
بزم عالم میں ہے جوں شمع سحر گاہی خراب

وا نہ ہو غنچہ تو پھر کیوں ہو پریشاں اس قدر
کرتی ہے اس کو صبا تیری ہوا خواہی خراب

خضر راہی منزل مقصود کر تو عشق کو
ورنہ اے رہرو کرے گی تجھ کو گمراہی خراب

طفل کو راحت زیادہ ہے جوان و پیر سے
چین نادانی میں بھی کرتی ہے آگاہی خراب

اے ظفر چاہے خرابی تیری جو خانہ خراب
کر دے اس کو تیرا اقبال شہنشاہی خراب

واہ وا اے طالع ناکام معکوس حباب
رہوے دریا میں بھی خالی جام معکوس حباب

بحر ہستی میں کوئی دم یوں ہیں ہم واژوں نصیب
جیسے پانی میں سبو ہے جام معکوس حباب

گنبد گردوں ہے میرے گریہ کے سیلاب سے
ایک بنیاد خراب انجام معکوس حباب

آدمی ہے بلبلا پانی کا اس کو چاہیے
مہر پہ کھدوائے اپنے نام معکوس حباب

راستی پر آئے کب ہو جس کی خلقت واژگون
کیونکہ سیدھا ہو ظفر انجام معکوس حباب

بے لکھے خط جو کیا نامہ و پیغام طلب
کاہلی لکھنے کی تھی آپ ہیں آرام طلب

زلف و رخ کی ترے بوسے کی قسم ہے تجھ کو
لگی رہتی ہے سدا صبح سے تا شام طلب

حرف تلخ اس لب شیریں سے مزہ دیتا ہے
چھیڑ کر کرتے ہیں ہم اس لئے دشنام طلب

یہ اشارہ ہے کہ آنکھوں سے اشارے ہوئیں
عین شفقت سے کئے اس نے جو بادام طلب

ہم نے یاں پختہ مزاجوں کو بہت دیکھ لیا
کوئی بھی ان کی نہیں بے طمع خام طلب

گردش چشم وہ آنکھوں میں بھری ہے ساقی
ہم کو کیا کام جو ہم تجھ سے کریں جام طلب

اس سے واللہ ظفر ہم کو نہیں جان عزیز
دل ہے کیا چیز کرے گر بت خود کام طلب

کرتی ہے غمزہ نرگس فتاں عجب عجب
مارے ہے تیغ سنبل پیچاں عجب عجب

کچھ و یاس و کچھ امید و کچھ رنج و کچھ خوشی
مہماں سرائے دل میں ہیں مہماں عجب عجب

شب کو جو اس کی زلف کا بندھ جائے ہے خیال
ہم دیکھتے ہیں خواب پریشاں عجب عجب

مجروح تیغ عشق کو دکھلائے ہے مزے
قاتل ترا لب نمک افشاں عجب عجب

اے چشم بار بار نہ ہو دیکھ اشک بار
ہر بار تجھ سے اٹھتے ہیں طوفاں عجب عجب

سرنامہ میرے نام کا اور خط قریب کا
ظالم تیرے ستم کے ہیں عنواں عجب عجب

ہو جاؤں کیونکر محو تماشا نہ یک بیک
دیکھوں تماشے جا کے جو میں واں عجب عجب

غمزہ عجب نگاہ عجب اور ادا عجب
کچھ دلربائیوں کے ہیں ساماں عجب عجب

وہ لوگ اس زمانے میں ہیں اے ظفر کہاں
دیکھے ہوئے ہیں آپ نے انساں عجب عجب

یوں تو سیکھے ہیں بہت آپ نے عالم سے فریب
سیکھو عالم سے نرالا کوئی تم ہم سے فریب

مطلع ثانی

ایک دن وہ تھا کہ تم پوچھتے تھے ہم سے فریب
اب لگے آپ ہیں دینے ہمیں سو دم سے فریب

جام لے دے کے ہمیں کہتے ہو لو ساغر جم
بارے دینے لگے اب آپ بھی جم جم سے فریب

جان کر مار سیہ بوسہ نہ لینے پائے
کھا گئے سب کو ہم اس طرہ پر خم سے فریب

غیر کیا دے گا فریب آ کے لاحول ولا
بھاگے ہے صورت شیطان اس آدم سے فریب

پوچھا محرم میں ہے کیا کہتے ہو کچھ ہے تمہیں کیا
دا چھڑے آپ بھی کرنے لگے محرم سے فریب

کوئی کیسا ہی فریبندہ عالم ہے ظفر
اس کا چلتا نہیں تجھ پر کسی عالم سے فریب

ہو جئے ایسوں سے کیونکر کے ملاقات خراب
جس کی عادات خرابات او روقات خراب

ہم تصور میں رخ و زلف کے تیرے ظالم
کس خرابی میں پڑے ہیں کہیں دن رات خراب

چشم پر آب سے عاشق کے جو کی ہم چشمی
تو ہوئی اب کی برس خوب ہی برسات خراب

ایک میں ہی نہیں آوارہ کہ مجھ سے لاکھوں
پھرتے ہیں ہاتھ سے اس عشق کے ہیہات خراب

صوفی و رند ہیں دونوں ترے غمزے سے تباہ
خانقہ گرچہ ہے ویراں تو خرابات خراب

وہ خدا کا ہے غضب ان کا ہے جو لطف و کرم
کرنی عاشق کو بتوں کی ہے عنایات خراب

جس کو کچھ پاس نہیں بات کا اپنی ہرگز
میرے نزدیک ظفر ان کی ہے ہر بات خراب

ردیف باءفارسی

نہیں ہے کوئی تری زلف سا جہاں میں سانپ
اگر یہ جھوٹ کہا ہوؤ سے زباں میں سانپ

نشے کی لہر میں کہتے تھے رات کو مے کش
یہ کہکشاں نہیں نکلا ہے آسماں میں سانپ

نہیں ہے زلف کے حلقے میں خال عارض یار
لئے ہوئے ہے یہ مہرہ مگر وہاں میں سانپ

ہیر تیرے ہوا کاٹنے کو دوڑے ہے
مجھے ہے موج صبا گلشن بوستان میں سانپ

دلوں کے مانگ کے رستے سے زلف نے روکا
لپٹ گیا یہ بلایا ہے رہرواں میں سانپ

کہاں ہے روزن سینہ میں موج دود جگر
رہے ہے خانہ دل کے یہ ناوداں میں سانپ

خیال زلف ظفر جائے کس طرح دل سے
یہ بھو میاں ہے ہمیشہ سے اس مکاں میں سانپ

چلے کہاں ہم سے روٹھ کر تم اٹھائے تم نے قدم چھپا چھپ
نہ جانے دیں گے لپٹ کے بوسے تمہارے لے لیں گے ہم چھپا چھپ

زباں ہے قینچی سی ان کی چلتی جو کچھ کترتے ہیں گے گل تواے دل
اوڑا ہی دیویں گے تیرے پرزے ابھی خدا کی قسم چھپا چھپ

جو ہم کو دو حرف تم ہو لکھتے تو پہروں تم دل میں سوچتے ہو
یہ کیا کہ غیروں کو خط پہ خط ہو ہمیشہ صاحب رقم چھپا چھپ

نفس کی ہے جو کہ آمد و شد بغور کر سیر اس کی غافل
یہ بیٹھے ہو رہی ہے کیونکر رہ وجود و عدم چھپا چھپ

خدا اجاڑے کہ ان لٹیروں کو یا دلپ جھپ ہے اس بلا کی
کہ لے ہی جاتے ہیں دین و ایماں کو لوٹ کر یہ صنم چھپا چھپ

زہے نصیب ان کے عاشقوں کے کہ بےتامل رہ وفا میں
اڑا دے سر ایک دم میں سب کہ وہ لے کے تیغ و دم چھپا چھپ

ظفر ہزار آفرین و تحسیں کہ واہ کیا خوب اس غزل میں
لکھے ہیں اشعار عاشقانہ اٹھا کے تو نے قلم چھپا چھپ

ہو گا ظاہر یہ مرا درد جگر آپ سے آپ
تجھ کو ہو جائے گی بیدرد خبر آپ سے آپ

مطلع ثانی

ہو رہے گا کشش دل کا اثر آپ سے آپ
کھنچ کے آ جائیں گے اک دن وہ ادھر آپ سے آپ

وہ کہیں ہو کوئی چھپتا ہے مری آنکھوں سے
ڈھونڈ لیتی ہے اسے میری نظر آپ سے آپ

نہیں کھلتا ہمیں کس غنچہ دہن کا ہے خیال
یوں جو ہم رہتے ہیں چپ دو دوپہر آپ سے آپ

دل پہ کچھ صدمہ غم عشق نے پہنچایا ہے
چشم رہتی نہیں اشکوں سے یہ تر آپ سے آپ

ایسے غفلت کدہ میں آئے کہ ہم بھول گئے
تھے کہاں اور چلے آئے کدھر آپ سے آپ

بخت برگشتہ کچھ خانہ خرابی نہ کریں
تو چلے آئیں وہ سیدھے مرے گھر آپ سے آپ

لب شمشیر سے کیا مژدہ سنا اے قاتل
ہنس رہا ہے جو مرا زخم جگر آپ سے آپ

دے گا جنبش جو وہ مژگاں کو تو ہو جائیں گے
تیرے مجنوں کی صفیں زیر و زبر آپ سے آپ

شوق پابوسی تھا قاتل کا یہ مجھ کو دم قتل
جا پڑا پاؤں پہ اور گر پڑا سر آپ سے آپ

کام ہے وقت پہ موقوف جب آ جائے ہے وقت
تو وہ ہو جائے ہے اس وقت ظفر آپ سے آپ

غیر سے جھٹ کر لیا ساتھ اک لگاوٹ کے ملاپ
اور ہم سے کرتے ہو تم دے کے سو جھگڑے ملاپ

چاک دل پر غنچے کے کیونکر صبا سے ہو رفو
گلشن عالم میں ہے دشوار دل پھٹ کے ملاپ

روٹھ کر پھیرے رہے وہ دیر تک بستر پہ وہ
ہو گیا بارے ادھر لیتے ہی کروٹ کے ملاپ

ملتے گر شام و سحر دیکھے نہیں تو دیکھ لو
رکھتے ہیں عارض سے بال اس زلف کے لٹکے ملاپ

غیر آنکھوں میں کھٹکتے ہی رہے مانند خار
ہم سے اس گل سے ہوا ہرگز نہ بے کھٹکے ملاپ

اپنی ہستی کو گھٹا کر چاہتا ہے اس کا وصل
دیکھ کے خورشید سے کرتا ہے وہ گھٹ کے ملاپ

بے رکاوٹ وہ نہیں ملتا کسی سے ظفر
ہے رکاوٹ پہلے اور پیچھے رکاوٹ کے ملاپ

ہے پسند اپنے تو زاہد بادہ خواروں کا ملاپ
ہو مبارک تجھ کو یہ پرہیز گاروں کا ملاپ

مطلع ثانی

تیری یاری میں گیا سب ہم سے یاروں کا ملاپ
ایک ملنے سے ترے چھوٹا ہزاروں کا ملاپ

ملتے ہی پروانہ ساں جاں اپنی کو تجھ پر نثار
تو نے دیکھا شمع رو ہم جاں نثاروں کا ملاپ

جو ہے میرا دوست تم دشمن ہو اس کی جان کے
تم کو کب بھاتا ہے میرے دوستداروں کا ملاپ

رنج و غم دونوں یہ مدت سے مرے ہیں غمگسار
ترک مجھ سے کیونکر ہو ان غمگساروں کا ملاپ

زخم دل ان کے بھی مل جائیں اگر منظور ہو
اے ستم گر تجھ کو اپنے دلفگاروں کا ملاپ

بس زمین و آسمان کے تو نہ قلابے ملا
ہمعقیں ہے سخت مشکل ماہ پاروں کا ملاپ

کیا جلا آئینہ کو ہوتی ہے خاکستر سے دیکھ
صاف کر دیتا ہے دل کو خاکساروں کا ملاپ

دیکھ باعث مہر کے دل پہ ہوا کاغذ کے داغ
اے ظفر اچھا نہیں ہے نامداروں کا ملاپ

خواہ ہو جمعہ کی اور خواہ ہو اتوار کی رات — کٹے مشکل سے ہے ظالم ترے بیمار کی رات
نہ دیا سونے خلش نے تری مژگاں کے مجھے — نشتر خار تھے بستر میں جگر تار کی رات
تار اشکوں کا جو باندھا تھا مری آنکھوں نے — ہر مژہ ایک لڑی تھی دُرِ شہوار کی رات
کس مصیبت سے بسر ہوتی ہے ہم سے پوچھو — حشر کا دن ہے نہیں فرقت دلدار کی رلت
ہے کہاں خواب کہ وہ خواب میں دیکھے تجھ کو — کٹے آنکھوں میں ہے حسرت کش دیدار کی رات
گزری اس طرح سے غفلت میں جوانی اپنی — جیسے مستی میں گزر جائے ہے میخوار کی رات

روشنی ماہ کی ہو گرد اگر دکھلائے
اے ظفر تاب ذرا اپنے وہ رخسار کی رات

اللہ رے زیور بت بے پیر کی گزہت — دیوانہ دل ہے دیکھ کے زنجیر کی گزہت
کیا جانے اک گھڑی میں ہو کیا اس کو غافلو — کرتے ہو اپنی خشت میں تعمیر کی گزہت
ابرو ترے نہ دیوے نمونہ اگر دکھا — شمشیر گر سے ہووے نہ شمشیر کی گزہت
اے عشق تو بھڑائے ہے لوہے کو موم سے — ہوتی ہے شمع کے لئے گلگیر کی گزہت
تیر مژہ ہے تیر بلا کا بنا ہوا ہم جانتے ہیں لائے ہو تم دل سے گھڑ کے بات — چوب خدنگ سے نہیں اس تیر کی گزہت
چھپتی نہیں ہے آپ کی تقریر کی گزہت

کیا خوب بت ہو اپنی پرستش کو اے ظفر
گر اس کے سنگ در سے ہو تصویر کی گزہت

سن او کافر بد کیش ذرا دھیان سے بات — جھوٹ کہتے نہیں ہم کہتے ہیں ایمان سے بات
ہے کیا بات کہ تو یوں ہے عدوئے دل و جان — ہم نے پائی ترے ہر ایک دل و جان سے بات
بول سکتے نہیں محفل میں تری ہم منہ سے — کوئی کہتا ہے تو سن لیتے ہیں ہاں کان سے بات
قطع کرتا ہے جو گلگیر زبان کو اس کی — ایسی سرزد ہوئی کیا شمع شبستان سے بات
یہ ہے قسمت کا لکھا پھیر لے منہ وہ نوخط — اپنے مطلب کی کہوں گر کسی عنوان سے بات
بولتے طوطی تصویر کو دیکھا کس نے — کیونکہ نکلی دہن عاشق حیران سے بات

اے ظفر بیٹھا بنایا کرے باتیں لیکن
اس کے بن فضل بن آتی نہیں انسان سے بات

پسند طبع جو ہو میری اک جہان کو بات
نہ بھائی وہ کبھی اس شوخ بدگمان کو بات

لگی ہے کان ملاحت جو زلف تیرے کان
کہے ہے کیا یہ خدا جانے لگ کے کان کو بات

دکھا نہ رنج مجھے اپنی تو جدائی کے
نکالی اور کوئی میرے امتحان کو بات

کہا یہ لیلی محمل نشیں نے مجنوں سے
کہ راز کی نہ ہو معلوم ساربان کو بات

سنی نہ بات کوئی اس سے ہم نے جز دشنام
یہی اک آئی ہے اس شوخ بدگمان کو بات

کہے تو کیا کہے عاشق کو بھول جاتا ہے
وہ دیکھتے ہی تمہاری ادا و آن کو بات

اگرچہ پیر کی ہے بات سودمند ظفر
مگر خوش آتی نہیں وہ کبھی جوان کو بات

نہ آ ہوا میں اگر ہے ہوا محل میں نشست
سمجھ تو ہر نفس اپنی راہ اجل میں نشست

اٹھے ہے درد سا پہلو میں میرے او بے داد
رہے ہے غیر کی جیسے تری بغل میں نشست

خدنگ عشق کا میں ہوں ہدف ہمیشہ سے
کہ دل پہ کی مرے اس تیر نے ازل میں نشست

جو اٹھئیں رہے ان کے ہی تو محفل سے
ہماری ہوتی ہے موقوف آج کل میں نشست

ہمیشہ شہر میں رہ دل بیار دوست بکار
نہ بیٹھ دشت میں تو اور نہ کر جبل میں نشست

برنگ شیشہ مے یوں ہیں اس کی بزم میں ہم
کہ ایک دم میں ہے برخاست ایک پل میں نشست

خیال خال رخ یار دل میں ہے میرے
ہمیشہ رکھتا ہے بھونرا یہ اس کنول میں نشست

بٹھائے دل میں حکومت سے میں جو عشق کے داغ
نئی ہوئی ہے وہ ویراں کی اس عمل میں نشست

بٹھائے زور سے یہ قافیے ظفر تو نے
وگرنہ ان کی تو مشکل ہے اس غزل میں نشست

تیرگی زلف کی گھر کیا ہوئی مہماں تھی رات
تیرہ بختی ہی تری دست و گریباں تھی رات

مطلع ثانی

کہکشاں سینۂ گردوں سے نمایاں تھی رات
کس کے ماتم میں کئے چاک گریباں تھی رات

جوش گریہ سے ترے ہجر میں اے رشک چمن
چشم بد دور یہ آنکھ ابر بہاراں تھی رات

سوزش دل کا مری مجھ سے نہ پوچھو احوال
کہ میرے سینے میں اک آتش سوزاں تھی رات

شمع کی طرح جو سولی پہ کٹی رات مجھے
یاد قامت تری اے سرو خراماں تھی رات

کل بے تاثیر ترے عشق کی دیکھا ہم نے
شمع خاکستر پروانہ پہ گریاں تھی رات

حلقہ زلف میں دیکھا رخ روشن اس کا
لئے آغوش میں خورشید درخشاں تھی رات

چشم پر آب کے چھینٹے نے بجھایا ورنہ
لائی بے طرح حرارے تپ ہجراں تھی رات

زخم پہ تیغ جدائی کے جھکائی دیجے
اے ظفر چرخ پہ انجم سے نمکداں تھی رات

ہو تجھ کو میری ناصح بے درد کی کیا شناخت
رکھتا ہے دردمند کی درد آشنا شناخت

ہے ان بتوں میں جلوہ نما قدرت خدا
دے اے خدا شناس تجھے یہ خدا شناخت

بوٹی کا کیمیا کی شناسا ہوں کیوں عبث
خوبان سبزہ رنگ کی بھی کیمیا شناخت

ہم تو وفا میں جان تک اپنی فدا کریں
پر تجھ کو بھی وفا کی ہوا سے بے وفا شناخت

تیغ نگہ کے تیرے مبصر ہیں دیکھ ہم
اس کی نہیں کسی کو ہمارے سوا شناخت

پہچان لیں گے اور جواہر تو جوہری
پر جو ہر بشر کی ہے مشکل ولا شناخت

پوچھو ظفر طبیب سے اپنی دوائے درد
پر اس کو اس غرض کی ہو کچھ تو ذرا شناخت

آجائے ہے جس وقت تری دھیان میں صورت
ہو جائے ہے یاں اور بھی اک آن میں صورت

بت خانہ چیں میں کوئی کیا دیکھے گا کافر
تیری سی نہیں عالم امکان میں صورت

زلفوں سے تمہاری ہوں پریشان زیادہ
دیکھو مری اس حال پریشان میں صورت

ہوں عاشق سرباز مجھے بوالہوس آ کر
دکھلائے گا کیا عشق کے میدان میں صورت

ہے صاف ترے تکمہ کی اختر میں شباہت
ملتی ہے مہو میں گریبان میں صورت

یوسف بھی ہوائے شوخ ترا محو تماشا
کھنچوا کے جو بھیجیں تری کنعان میں صورت

دیوانہ ترا بن کے جو میں خاک اڑاؤں
مجنوں کی بگڑ جائے بیابان میں صورت

تجھ بن یہ ہوئی شکل کو پہچانتے ہیں دوست
مشکل سے مرے کلبہ احزان میں صورت

کیا دیکھتا ہے آئینہ اے شوخ پری رو
دیکھ اپنے ظفر کی دل حیران میں صورت

چلا گیا شب غم دل کا داغ صبح کے وقت
وگرنہ ہوتے ہیں گل شب چراغ صبح کے وقت

نسیم صبح کے جھونکے سے ہو گراں خاطر
چمن میں جائے جو وہ خوش دماغ صبح کے وقت

شب وصال میں گھبرا کے وہ اٹھے جلدی
لگے جو بولنے گنجشک و زاغ صبح کے وقت

چمن میں کون صبوحی کو آئے گا ساقی
گلوں کے دھوئے ہے شبنم ایاغ صبح کے وقت

سفر کی فکر کر اے غافل آ گئی پیری
پڑا ہوا ہے تو کیوں بافراغ صبح کے وقت

یہ لاغری ہے کہ بستر پہ رات بھر مجھ کو
اجل نے ڈھونڈھا جو پایا سراغ صبح کے وقت

ظفر نے خواب میں کس گل کو رات دیکھا تھا
کر اٹھا خواب سے وہ باغ باغ صبح کے وقت

ہوا ہے ابر ہے اور سیر سبزہ زار بسنت　　　شگفتہ کیوں نہ ہو دل دیکھ کر بہار بسنت

مطلع ثانی

ہماری زردی رخسار ہے بہار بسنت　　　ہمارے رنگ سے ہے رنگ اعتبار بسنت
کہاں ہے ساغر یاقوت زرد میں مے سرخ　　　بہار گل ہے ہم آغوش ہمکنار بسنت
وہ قد جو دیکھ کے کروا سا جی سے گزریں ہم　　　تو ہو مزار پہ اپنے نہ کیوں گزار بسنت
خبر بسنت کی بھی کچھ تجھے ہے اے ساقی　　　پیالہ بھر کہ ہے پھر آمد بہار بسنت
کیا بسنت کے ملنے کا وعدہ جو اس نے　　　تمام سال رہا ہم کو انتظار بسنت
ہوا جو وہ گل رنگیں ادا بسنتی پوش　　　تو اور باغ جہاں میں بڑھا وقار بسنت
جو دیکھے تیرے عرق چین زعفرانی کو　　　عرق عرق ہی رہے روئے شرمسار بسنت

سمجھ نہ گل چمن میں اسے گل نرگس
جھکی ہوئی ہے ظفر چشم پرخمار بسنت

ہے خوب گرچہ اس مہ کنعان کی صورت　　　لیکن ہے کہاں تیری سی اس شان کی صورت
ہے شاخ گل اس بن مجھے کیا تیر کے مانند　　　آتا ہے نظر غنچہ بھی پیکان کی صورت
صورت کو تری صورت تصویر ہے تکتا　　　ہے اب یہ تری عاشق حیران کی صورت
سودائی ترے رہتے ہیں باحال پریشاں　　　اے یار ترے زلف پریشان کی صورت
یاد آتی ہے ہر سورہ قرآن کو سن کر　　　وہ روئے کتابی مجھے قرآن کی صورت
کہتا ہوں جو صورت مجھے اے جان دکھا دے　　　کہتا ہے کہ کیا دیکھے گا تو جان کی صورت

انساں ہے وہیں جس میں ہو انسان کی سیرت
ہیں یوں تو ہزاروں ظفر انسان کی صورت

ردیف تائے ہندی

روز لیتا ہے جو خون عاشق مضطر کو چاٹ　　　لگ گئی ہے کیا یہ اے قاتل ترے خنجر کو چاٹ
ایسی دنیا کی حلاوت پہ گرے اہل ہوس　　　جائیں گی یہ مکھیاں گویا کہ اس شکر کو چاٹ
جرعہ مے کا تو زاہد کو کہاں ہے حوصلہ　　　مست ہو جاوے اگر لیوے ذرا ساغر کو چاٹ
کان کے آویزہ لعلیں پہ کب ہے زلف یار　　　سانپ یہ پتھر چٹا لیتا ہے پتھر کو چاٹ
دے اگر اکسیر بھی کوئی تو وہ کہتا ہے کب　　　جس نے اک باری لیا ہے تیری خاک در کو چاٹ
دل میں کیا چھوڑے گا غم ہے چاٹ اس کو لگ گئی　　　یہ چھچھوڑا دیکھنا جائے گا سارے گھر کو چاٹ
دے چکا بوسہ لب شیریں کا وہ تجھ کو ظفر
ہونٹ اپنے کر کے یاد اس لعل جاں پرور کو چاٹ

عشق میں دل ہے مرا کیا ہی غم پنہاں کی پوٹ
بن گیا میں خود سراپا حسرت و حرماں کی پوٹ

ایک بھی آنسو اگر دیکھیں گے میری چشم میں
باندھ کر دھر دیں گے مردم سر پہ طوفاں کی پوٹ

زلف کے حلقہ سے اس روئے عرق آلود نے
چادر شب میں ہے باندھی انجم تاباں کی پوٹ

دل ہزاروں خاکساروں کے ملے اس خاک میں
اے دلوں کے پوٹ خاک کوچہ جاناں کی پوٹ

روبرو اس زلف و خط کے یک سرمو ہو نہ قدر
باندھ کر رکھ دے کوئی گر سنبل و ریحاں کی پوٹ

ایک دو ہوں تو نکالے کوئی سینے میں مرے
یاد مژگاں سے تری ہے نشتر پیکاں کی پوٹ

اے ظفر راہ عدم میں پھر سبک باری کہاں
سر پہ رکھ لی باندھکر جب کثرت عصیاں کی پوٹ

ردیف ثاء مثلثہ

کہہ دو ناصح سے کہ پھر جائے نہ یاں آئے عبث
میں سمجھنے کا نہیں مجھ کو نہ سمجھائے عبث

نہیں امید کہ تو خاک پہ بھی آئے کبھی
کیوں کوئی تیرے لئے خاک میں ملجائے عبث

کیا نہ تھا پنجہ مژگاں مرے سلجھانے کو
موئے زلف آپ نے شانے سے جو سلجھائے عبث

دل سے کہہ دو وہی ہووے گا جو ہونا ہو گا
ہو گا گھبرانے سے کیا اتنا نہ گھبرائے عبث

دل نے چھیڑا تو اسے شوق سے مارے باندھے
زلف کافر تری پر مجھ پہ نہ بل کھائے عبث

اے کماندار ذرا مڑ کے نہ دیکھا تو نے
دیر تک صید محبت ترے چلائے عبث

جانتے ہو کہ وہ مجھ سے ہے کشیدہ خاطر
اشفعیو اے تم کھینچ کے یاں لائے عبث

غیر کا سر ترے زانو پہ رہے گا یوں ہی
سر کوئی سنگ سے ٹکرائے تو ٹکرائے عبث

نہ کیا کام کچھ ایسا جو وہاں کام آتا
کھوئی یاں عمر ظفر ہم نے یونہیں ہائے عبث

ہیں یہاں رنج کے آثار خوشی کے باعث
اشک آنکھوں سے ٹپکتے ہیں ہنسی کے باعث

عجب آیا ہمیں عالم نظر اللہ اللہ
دیکھیں ان دانتوں میں ریخیں جو مسی کے باعث

ہوں دل سمجھو مجھے خواہ بتاؤ خفقان
ہے یہ جو کچھ سو تمہاری خفگی کے باعث

میرے زخموں سینہ رکھ آب دم تیغ در تیغ
خشک لب چاہتے ہیں تشنہ لبی کے باعث

تم جو غصے ہو تو غصہ مرے سر آنکھوں پہ
پر بشرطیکہ نہ ہو اور کسی کے باعث

سطر ابرو نہیں اس روئے کتابی پہ ظفر
ترک کاتب نے لکھی ہے غلطی کے باعث

ردیف جیم تازی

غم فرقت سے ترے جس کا رہے بند مزاج
سو مفرح سے بھی اس کا نہ ہو خورسند مزاج

سن تو لیتے ہیں مرا حال جو کچھ کہتا ہوں
ان کا برہم مری جانب سے ہے ہر چند مزاج

آ گیا چشم کے بیمار کا دم آنکھوں میں
تو نے پوچھا نہ کبھی کیوں ہے کسلمند مزاج

ہوں وہ دیوانہ کو مجنوں بھی ادب سے بن میں
پوچھتا مجھ سے ہے بن کر مرا فرزند مزاج

بوسہ ہائے لب شیریں کی جسے چاٹ لگے
اس کا مائل نہ ہو سوئے شکر و قند مزاج

تیرے آنے سے ہوئی خوش نہ طبیعت ناصح
بلکہ رنجیدہ ہوا سن کے ترے پند مزاج

اے ظفر جس نے کیا قطع تعلق سب سے
چاہتا اس کا کسی سے نہیں پیوند مزاج

میں کیا کہوں اس بت کی جدائی کا رنج و غم
ہے میرے لئے ساری خدائی کا غم و رنج

چھوٹا ہے قفس سے تو کہاں طاقت پرواز
ہے مجھ کو بڑا اپنی رہائی کا غم و رنج

پوچھے کوئی غم کھانے کی عاشق سے حلاوت
رکھتا ہے مزا کیا یہ مٹھائی کا غم و رنج

گر روٹھتے ہیں گاہ وہ ملتے ہیں اب ان سے
نے صلح کی شادی نہ لڑائی کا غم و رنج

اس در پہ نہیں مجھ کو رسائی تو بلا سے
لیکن ہے رقیبوں کی رسائی کا غم و رنج

کیوں آنکھ دکھاتا ہے ترا حلقہ گیسو
ہے دل کو اسی چشم نمائی کا غم و رنج

ہر دم ظفر اک تیغ الم کھینچ کے دل پہ
کیا ہاتھ لگاتے ہیں صفائی کا غم و رنج

ہے تری چین جبیں حسن کی یوں تاب میں موج
جلوہ افروز ہو مہتاب سے جوں آب میں موج

موجزن اشک ہیں یوں دیدہ تر میں میرے
اٹھتی ہے جوش سے طوفاں کے یہ گرداب میں موج

دل بیتاب میں جوش طپش عشق نہیں
مارتا آگ کا دریا ہے یہ سیماب میں موج

یہ تماشا ہے تری زلف کا عکس آئینہ میں
سانپ کی طرح سے لہرائے ہے تالاب میں موج

آب گریہ کی مری موج ہے موج طوفاں میں
بحر مواج نے دیکھی نہیں یہ خواب میں موج

آتش افروز ہو ساغر میں جو روئے ساقی
جلوہ گر ہو روش برق مے ناب میں موج

ہم سے وہ اور ہم اس سے ہیں ظفر یوں باہم
موج میں آب ہو جس طرح اور آب میں موج

ردیف جیم فارسی

پیچ سے زلف کے چلتا نہیں تدبیر کا پیچ
کہ یہ ہے اے دل شامت زدہ تقدیر کا پیچ

کرتا عشاق سے ہے پیچش گرداب فنا
اے ستم گار ترے جوہر شمشیر کا پیچ

حرف پیچیدہ سے مضمون لکھا پیچیدہ
پیچ در پیچ ہے تو خط تری تحریر کا پیچ

نہ بچا پیچ سے کوئی بھی بل گردوں کے
گو یہ ہے پیر مگر ہے غضب اس پیر کا پیچ

پاؤں پڑ پڑ کے جو رکھتی ہے مجھے زنداں میں
اے جنوں کیا ہے خدا جانے یہ زنجیر کا پیچ

لے گئی کھینچ کے کس پیچ سے میرے دل کو
نہ کھلا مجھ پہ کچھ اس زلف گرہ گیر کا پیچ

سینکڑوں پیچ وہ ہر بات میں کرتا ظفر
ایک ہو تو کہوں اس شوخ کی تقدیر کا پیچ

چل گیا دل پہ جو اس زلف گرہ گیر کا پیچ
تھا یہ اے بخت سیہ اپنے ہی تقدیر کا پیچ

بوسہ دینے میں ہو تم پیچ کی باتیں کرتے
ہم نکالیں گے کوئی اور ہی تدبیر کا پیچ

حلقہ زلف کو رکھ کر سر ابرو دیکھو
تم نے دیکھا نہ ہو گر جوہر شمشیر کا پیچ

تیرا دیوانہ جو زنداں سے نہ نکلا اب تک
پڑ گیا پاؤں میں کچھ ایسا ہی زنجیر کا پیچ

غیر پر دھر کے سناتے ہو ہمیں تم باتیں
خوب ہم جانتے ہیں آپ کی تقریر کا پیچ

آ گیا پیچ میں اس کا گل پیچاں کے جو دل
ہے خدا جانے وہ کس طرح کی تاثیر کا پیچ

اے ظفر لکھو تم اس یار کو اس پیچ کا خط
نہ کھلے اس کے سوا اور پہ تحریر کا پیچ

یہ اشک سینہ پہ ٹپکے نہیں ہیں داغ کے بیچ
پتنگ عشق کے لو ہیں گرے چراغ کے بیچ

مطلع ثانی

بنی وہ ناخن غم کے ہیں دل کے داغ کے بیچ
پڑی ہوئی ہیں کئی بتیاں چراغ کے بیچ

نہیں ہے سینہ پہ داغ میں مرے کیا دل
مکاں وہ اپنا جو ہوا رہے ہیں باغ کے بیچ

بھرا ہوا ہے تری چشم مست میں یوں ناز
کہ جس طرح سے مے ناب ہوا باغ کے بیچ

جنھوں نے توڑ دیے اپنے پائے حرص و ہوا
پڑے ہیں چمن سے وہ گوشہ فراغ کے بیچ

جو بوئے مشک کہوں بوئے زلف کو ان کی
تو وہ کہیں کہ خلل ہے ترے دماغ کے بیچ

نہ دیر میں ہے نہ کعبہ میں ہے تو وہ دل میں
ہمیشہ پھرتا ہے جس کے ظفر سراغ کے بیچ

اگر ہو معلوم اپنی جانب سے تیرے دل میں غبار ہیچ ہیچ
تو خاک ہونے سے پہلے ہو جائے خاک یہ خاکسار ہیچ ہیچ

مطلع ثانی

تمہارے رخسار لالہ گوں ہیں جو غیرت لالہ زار ہیچ ہیچ
تو منہ پہ زلف عرق فشاں بھی ہی ہے مشک بہار ہیچ ہیچ
بسان غربال دیکھے روزن جب اپنے سینہ میں میں نے جاناں
کہ ہو گئے اس کے تیر مژگاں مرے کلیجے کے پار ہیچ ہیچ
جو زلف مشکیں تلک تمہارے کسی طرح مجھ کو دسترس ہو
تو میں یہ جانوں کہ میرے قبضہ میں آیا ملک تاتار ہیچ ہیچ
خبر نہ تھی ہم کو آنسوؤں کی کہ ہوں گے یہ طفل ایسے ابتر
ہوئی ہے جائے چشم تر ہمارے گلے کی آخر کو ہار ہیچ ہیچ
مثال پروانہ جان دے دوں میں اپنی اس یار شمع رو پر
کرنا وہ جانے یہ سوختہ جاں ہمارا ہے جاں نثار ہیچ ہیچ
یہ کیا ستم ہے کہ میری جانب سے کوئی غماز کوئی مفسد
اگر کہے جھوٹ سوٹ بھی تو کچھ جانتا ہے وہ یار ہیچ ہیچ
بہاؤں رخسار زرد پر میں جو عشق میں اپنے اشک گلگوں
دکھا دوں آنکھوں سے اک جہاں کو خزاں میں جوش بہار ہیچ ہیچ

بچائے اللہ ابتلا سے وہ زلف کافر بری بلا ہے
کہ ڈس لیا دل ظفر ہزاروں کا ایسے مانند مار ہیچ ہیچ

ردیف حاء مہملہ

جان گیا میں میری طرف سے جی میں آئی ور طرح
تیوری اس نے دیکھ کے مجھ کو آج چڑھائی اور طرح
لکھا اس نے اور طرح پر قاصد پرچہ کاغذ کا
تو نے مرے پڑھانے کو ہے بات بنائی ور طرح
دست و پا گر باندھ لئے مہندی نے تمہارے خوب ہوا
بن مجھیں آئی یوں تو تم سے ہاتھا پائی اور طرح
ظاہر و باطن ایک طرح پر تجھ کو نہ دیکھا آئنہ رو
دل میں صفائی ور طرح ہے منہ پہ صفائی ور طرح
لاکھ دوائیں بدلیں اطباء تیرے مریض ہجراں کی
ہو نہ سوائے وصل علاج درد جدائی اور طرح
بام پہ چڑھ کر کس مہوش نے جلوہ اپنا دکھایا ہے
دیتا ہم کو آج فلک پر چاند دکھائی اور طرح
ایک طرح پر بات ہو تو کچھ بات کا ان کی بھروسہ ہو
کہتے ہیں منہ سے ور طرح اور جی میں سمائی ور طرح
غنچے نہیں اے باد صبا یہ جس کی گرہ تو کھولے گی
میرے گرفتہ دل کی ہو گی عقدہ کشائی اور طرح

اڑتے ہیں اوسان کہ دیکھیں سرکشوں کے اڑتے ہیں
سان پہ اس نے آج ظفر تلوار ور طرح

کوئی لائق عشق و حسن ہوا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح
ہوئی ایسی کسی سے وفا و جفا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

مرے زخموں پہ چھڑکے نمک وہ اگر کہیں زخموں سے دل کے زخم جگر
لیا تیغ جفا کا کسی نے مزہ نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

پھنسے یوں تو بہت اے حضرت دل تہ دام فریب اس یار دل
کوئی ہو گا اسیر دام بلا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

ہمیں بھاتی ہے طرح رنج و تعب تمہیں بھاتی ہے طرح عیش و طرب
کبھی جائے گی بدلی ایک ذرا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

ترا حسن و جمال اے زہرہ جبیں کہے شمس و قمر سے عجب ہی نہیں
کوئی ہو گا زمانہ میں جلوہ نما ہماری طرح نہ تمہاری طرح

ہوا شیفتہ کوئی کسی پہ تو کیا ہوئے باہم اگر اسے ہوش ربا
کبھی عجز و نیاز اور ناز و ادا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

کہا قیس نے مجھ سے ظفر یہ سخن کہ ہے سچ یونہی اے مشفق من
کوئی دشت جنوں میں خراب ہوا نہ ہماری طرح نہ تمہاری طرح

دل ہے مکدر ان کا صفائی ہو کس طرح
بخت اپنے نارسا ہو رسائی ہو کس طرح

دام بلا ہے زلف میں کچھ بے طرح سے دل
جا کر پھنسا ہے دیکھیں رہائی ہو کس طرح

حسن بتاں میں ہووے نہ قدرت کا گر ظہور
معلوم پھر خدا کی خدائی ہو کس طرح

جاں داروئے وصال نہ ہو جب تلک نصیب
جاں بر مریض درد جدائی ہو کس طرح

آنکھیں لڑائیں غیر سے وہ میرے سامنے
میری نہ ان سے روز لڑائی ہو کس طرح

قاتل بغیر ناخن شمشیر کے ترے
اس سخت جان کی عقدہ کشائی ہو کس طرح

جن کو بھلا خدا نے بنایا ہے اے ظفر
پھر کیجے ان بھلوں سے برائی ہو کس طرح

حال دل کیوں کر کریں اپنا بیاں اچھی طرح
روبرو ان کے نہیں چلتی زباں اچھی طرح

لے چلی صحرا کو گر وحشت ہمیں اچھی طرح
رو تو لیں گے کھول کر دل ہم وہاں اچھی طرح

بھول جانا راہ کعبہ کی مگر دیکھا نہیں
تو نے زاہد جلوہ حسن بتاں اچھی طرح

دیکھنی منظور ہو صورت جسے اس یار کی
دل کو صاف اپنے کرے آئینہ ساں اچھی طرح

پھر کہاں ہم سے ستم کش تو کرے گا ہم کو یاد
کر لے اب ہم پر ستم اے دلستاں اچھی طرح

اس قدر جلدی ہے کیا بیٹھو سنبھل کر وقت ذبح
تا مری گردن پہ ہو خنجر رواں اچھی طرح

پاس لے چل اس کے کہتا ہے دل خانہ خراب
جانتا بھی میں نہیں جس کا مکاں اچھی طرح

آئے تم اس دم کہ جس دم آ گیا آنکھوں میں دم
میں نے دیکھا بھی نہ تم کو میری جاں اچھی طرح

اتنی بھی فرصت نہ دی ہم کو فلک نے اے ظفر
کرتے اس کوچے میں ہم آہ و فغاں اچھی طرح

سوز غم پیچھے پڑا دل کے ہمارے بے طرح
لائے گی گرمی محبت کی حرار سے بے طرح

چل نہ جائے بزم میں تلوار دیکھ اے جنگجو
کرتا ہے ابرو سے تو اپنے اشارے بے طرح

جنبش گیسو سے کہہ دے دل ہے بیتاب و تواں
کوڑے اس شامت کے مارے کو نہ مارے بے طرح

جی ڈرے کیوں کر نہ میرا اے شب تار فراق
آنکھیں دکھلانے لگے مجھ کو ستارے بے طرح

پارہ پارہ کر کے چھوڑیں گے کتاں کی طرح سے
دل کے درپے ہیں مرے یہ ماہ پارے بے طرح

خانہ دل کو لگی کیا آگ سوز عشق سے
ہر بن مو سے نکلتے ہیں شرارے بے طرح

دیکھتا سودا نہ دوں کا اور بگڑے گا مزاج
تم نے ہیں بال اج زلفوں کے سنوارے بے طرح

دل کو لے کر تم مقرر ہو گے خواہاں جان کے
مجھ کو آتے ہیں نظر تیور تمہارے بے طرح

اے ظفر کس طور سے کس طرح سے کیجئے نباہ
ان طرح داروں کے ہیں اطوار سارے بے طرح

اگر نظارہ گل کی نہ ہو ہوس میں روح
پھڑک پھڑک کے نہ نکلے مری قفس میں روح

پھرے ہے ناقہ لیلیٰ کے ساتھ مجنوں بھی
ہمیشہ لپٹی ہوئی نالہ جرس میں روح

بدن سے روح سبک رو ہوئی ہے خواب میں دیکھ
ہزار کوس پہ پہنچے ہے یک نفس میں روح

خزاں کے آتے ہی بلبل چمن میں مر جاتی
پہ آشیانہ کی ان کی ہے خار و خس میں روح

رہے حلاوت دنیا میں یوں دلی کا دل
مگس کی جیسے رہے نیشکر کے رس میں روح

جیا جہاں میں کوئی سو برس بھی تو پھر کیا
ہوئی نہ سیر سے گر سیر سو برس میں روح

بغیر دیکھے ترے میں تو اپنے قالب سے
نہ دوں نکلنے اگر ہووے میرے بس میں روح

وہ اس طرح سے جہاں میں ہے جا بجا موجود
کہ جس طرح ہے بدن کی ہر اک نس میں روح

برابر اصل میں ہیں اے ظفر قوی و ضعیف
سمجھ تو ایک ہی شہباز اور مگس میں روح

ردیف خاء معجمہ

ہر مژہ ہے چمن حسن گل اندام میں شاخ
کیا تماشا ہے کہ پھولی ہے یہ بادام میں شاخ

کرتی ہے باغ میں اے گل تجھے جھک جھک کے سلام
رہتی تحریک صبا سے ہے اسی کام میں شاخ

کیا جوانی کا بھروسا کہ ہے آخر پیری
پہلے سرسبز ہے پھر خشک ہے انجام میں شاخ

رخصت سیر چمن گر نہیں دیتا صیاد
رکھ دے پر گل کوئی میرے قفس دام میں شاخ

دست گل خوردہ مرا دیکھ کے ہو جائے خجل
باغباں پھولوں سے لد جائے جن ایام میں شاخ

دم گل گشت زیادہ ہے مجھے سولی سے
ہمدموں یاد قد دلبر خود کام میں شاخ

جب کہ لائے ہے صبا باغ میں اس گل کی خبر
اے ظفر دے ہے زرگل اسی انعام میں شاخ

عجب طرح کا ہے دن رات آسماں کو چرخ
ہمیشہ چرخ سے ہے اس کے اک جہاں کو چرخ

ملا نا خاک میں ہے سب کو مثل نقش قدم
زمیں پہ رکھتا کسی کے نہیں نشاں کو چرخ

تری وہ چشم کی گردش ہے جس سے اے ساقی
مثال جام ہے ہر پیر و ہر جواں کو چرخ

جو کشت و خوں پہ ہمارے نہیں کمر باندھی
تو باندھے پھرتا ہے کیوں تیغ کہکشاں کو چرخ

بچے جو چرخ کی گردش سے کیا بچے انساں
یہ چرخ وہ ہے کہ دے ہے فرشتہ خاں کو چرخ

نہیں ستارے یہ بھر لایا اپنی چشم میں اشک
شب فراق میں سن کر مری فغاں کو چرخ

جو خاک بھی ہوں تو ہوں فخر دین کے در کی
ظفر چھوڑائے نہ مجھ سے اس آستاں کو چرخ

تری مژہ کے دل گرم اضطراب میں سیخ
ہے اس طرح کہ ہو جس طرح سے کباب میں سیخ

خمیدہ ہو گئے اب حلقے ضعف پیری سے
قد اپنا تھا جو کبھی عالم شباب میں سیخ

تنور چرخ سے لیتے گرسنہ کب کے اتار
ذرا بھی لگتی اگر قرص آفتاب میں سیخ

کباب کا جو مزہ ہے زبان مے کش پہ
کہے ہے شیخ کو یہ نشہ شراب میں سیخ

پلا وہ بنگ ہمیں ساقیا کہ سینک تو کیا
کھڑی ہو چاہیے اس جام پرشراب میں سیخ

لگو نہ شیخ کے منہ دیکھو آج اے رندو
کہ اس کی ریش کا ہر بال ہے عتاب میں سیخ

مزا شراب کا ساقی نہیں بغیر کباب
پکا کے لا کوئی اس سیر ماہتاب میں سیخ

شتاب کر تو مہیا پر اس سلیقہ سے
کرنے کباب جلے اور نے شتاب میں سیخ

وہ سیخ آہ ظفر ہے جگر کبابوں کی
نہ دیکھی ہو گی کبابی نے اپنے خواب میں سیخ

ردیف دال ہندی

اللہ اللہ رے تمہاری خودنمائی کا گھمنڈ
ہے جو تم میں بھرا ساری خدائی کا بھرم

ہو گیا دم میں مکدر دیکھو وہ آئینہ رو
حضرت دل تھا تمہیں جس کی صفائی کا گھمنڈ

دختر رز کو ذرا محفل میں تم آنے تو دو
دیکھ لیں گے آج سب کی پارسائی کا گھمنڈ

زلف جاناں سے کہو کیوں کرتی ہے اتنی کجی
شانہ دے گا سب نکال اس کج ادائی کا گھمنڈ

برہمن کو بت کدے پر شیخ کو کعبہ پہ ناز
ہم کو ہے اس آستاں کی جبہ سائی کا گھمنڈ

اے حنا شاباش باندھے تو نے اس کے دست و پا
تھا بہت شوخی سے جس کو ہاتھا پائی کا گھمنڈ

آشنا ہرگز نہیں بالکل ہیں وہ نا آشنا
اے ظفر کرتے ہو جس کی آشنائی کا گھمنڈ

کیا دہن میں ہیں ترے اے لعل لب دنداں سفید
در جگ یاقوت میں موتی ہیں سب یکساں سفید

دیکھے وہ بوندیں پسینے کی ترے رخسار پر
جس نے دیکھے ہوں نہ گل پر قطرہ باراں سفید

تیرہ بختوں کے لئے ہے صاف تیغ آب دار
سر کے بالوں میں ترے یہ مانگ اے جاناں سفید

جوش گریہ سے یہ عالم ہے کہ ہر آنسو کی بوند
ہے کبھی سرخ اور کبھی میرے سر مژگاں سفید

دوست جب دشمن ہوئے اور آشنا نا آشنا
ہو گیا لاہو جہاں کا ہم نے جانا ہاں سفید

اک غضب بجلی سی چمکی شب ترے رخسار سے
دیکھتے ہی ہو گیا روئے مہ تاباں سفید

چاہیے دل سے فقیری اس پہ کیا موقوف
اے ظفر رنگیں ہو یا جامہ انساں سفید

اپنے دانتوں کو مسی میں دیکھ اے مہر و سفید
خوشنما ہیں دامن شب میں گل شبو سفید

گر چڑھاوے زہر او کافر تری چشم سیاہ
مری جائیں جھانک منہ میں ڈال کر آہو سفید

عشق کی دولت ہے کان لعل و گوہر چشم تر
سیکڑوں ہیں سرخ آنسو سیکڑوں آنسو سفید

تار بارش کو نشے میں دیکھ کر کہتے ہیں مست
ہو گئے سب ریش میں پیر فلک کے مو سفید

اشک خون آلودہ میرا چپ کبوتر ہے کوئی
ایک بازو سرخ ہے تو ایک ہے بازو سفید

خانہ دل ہے سپید اس کی سیاہی دور کر
کیا سفیدی سے محل کرتا ہے اپنا تو سفید

عشق میں ہے یہ سیہ چشموں کے دل اب تک جوان
ہو گئے پیری سے گو مژگاں سفید ابرو سفید

خط جسے لکھتے ہو تم لکھو ہمیں کیوں دیکھ کر
رکھ لیا ہے آپ نے کاغذ تہ زانو سفید

سرخرو ہوں اے ظفر کیونکر عزیزوں سے عزیز
بے مروت ہے زمانہ ہو گئے لوہو سفید

ردیف ذال معجمہ

چھپایا تو نے ہے کس کا کواڑ میں کاغذ
دھرا ہوا ہے جو در کی دراڑ میں کاغذ

لکھے جو محضر حوالی کو کوہ کن کے عشق
تو برگ لالہ ہو مہری پہاڑ میں کاغذ

کسی کو لکھتے تھے خط وہ پلنگ پر بیٹھے
مجھے جو دیکھا چھپایا نواڑ میں کاغذ

جلے بجھے مرا مضمون سوز دل پڑھ کر
کہے ہے پھینکو پڑے ایسا بھاڑ میں کاغذ

یہ کس کی خانہ خرابی کے تم ہوئے درپے
دبایا لکھ کے جو تعویذ اجاڑ میں کاغذ

کھلا نہ ہم پہ کہ یہ کیا وہ زیب مسند ناز
چھپا کے دیکھے ہیں تکیہ کی آڑ میں کاغذ

اگر ہو قیس کو منظور اشتہار جنوں
تو لکھ کے باندھ دے ہر ایک جھاڑ میں کاغذ

تمام حرف بھی کاغذ پہ ہیں بگڑ جاتے
کسی کو لکھتے ہیں گر وہ بگاڑ میں کاغذ

گلی میں اس کی ہے قاصد ہجوم غیروں کا
سنبھالے رکھیو ذرا بھیڑ بھاڑ میں کاغذ

الٰہی خیر ہو پکڑا گیا واں قاصد
قبول دے نہ کہیں مار دھاڑ میں کاغذ

رہی جو خط و کتابت کی چھیڑ چھاڑ ظفر
بہت سیہ ہوئے اس چھیڑ چھاڑ میں کاغذ

ردیف راء مہملہ

تھک کے گرے جو دوڑ چلے پندار و غرور کے رستے پر
ساری طاقت کھو کے پہنچے آدھی دور کے رستے پر

برسوں دشت جہالت میں گمراہ بھٹکتے پھرتے ہیں
کھاتے ہیں ٹھوکر جب آتے عقل و شعور کے رستے پر

تیرا مریض عشق اٹھا کر جیسے توقع جینے کی
پیک اجل کے قدم ہے گنتا بیٹھا گور کے رستے پر

بیلے غرور حسن نہ دیکھے آنکھ اٹھا کر ایک نگاہ
پریاں گرچہ باندھے پرے اس رشک حور کے رستے پر

ہو نہ مکدر خاطر کوئی دیکھ کے چال ضعیفوں کی
اڑتی گرد نہ دیکھی ہم نے لشکر مور کے رستے پر

پھونکے اپنی آتش غم سے پارہ دل کو عاشق زار
بیٹھے ہیں مانند کبابی اس مخمور کے رستے پر

سر کٹوا کر رکھ دے ظفر جو کوئی چلے سولی پر
رکھے قدم پھر عشق میں اپنا وہ منصور کے رستے پر

اشک ہیں مژگاں پہ یوں لخت جگر سے پیشتر
جیسے نکلتے ہیں شجر میں گل ثمر سے پیشتر

جان لب پہ آ گئی آہ جگرسے پیشتر
راہ رو منزل پہ پہنچا راہبر سے پیشتر

کیا دکھاتے ہو ہمیں تم اپنی تیغ آب ناز
ہاتھ دھو بیٹھے ہیں ہم دل اور جگر سے پیشتر

یہ وہی باتیں ہیں دل کرتی نہیں اس بت کو موم
جاتے تھے پتھر پگھل جس کے اثر سے پیشتر

فصد کی حاجت ہے کیا مجھ کو رگ رگ میں مرے
چبھ گئے وہ موئے مژگاں نیشتر سے پیشتر

رخصت پرواز کر صیاد تو دیتا ہمیں
ہم چمن میں پہنچتے باد سحر سے پیشتر

رکھتے ہستی میں عدم سے کیوں قدم اپنا جو ہم
ہوتے واقف اس مقام پر خطر سے پیشتر

تھے جو خوبان زمانہ اور بھی ہاں فتنہ ساز
پر یہ فتنے تھے کہاں اس فتنہ گر سے پیشتر

ضعف سے اس در پہ اب ہم نقش بر دیوار ہیں
سر بہت ٹکرا چکے دیوار و در سے پیشتر

عرصہ ہستی ہے تنگ اتنا کہ جب ہوں گرم رو
یک نفس میں ہم گزر جائیں شرر سے پیشتر

مارا سر کیوں کوہ کن نے پتھروں سے عشق میں
تیشہ اس کو مارنا تھا اپنے سر سے پیشتر

نور تھا خیر البشرؐ کا گو تھا ظاہر میں بشر
حق اگر پوچھو بشر ہی تھا بشر سے پیشتر

دیدہ مشتاق کا شوق نظارہ دیکھنا
چاہتا ہے میں نکل جاؤں نظر سے پیشتر

جاتے ہیں پیش نگاہ یار ہونے کو نثار
پیشتر دل سے جگر اور دل جگر سے پیشتر

پیش آیا آہ جو جو کچھ کہ راہ عشق میں
کہہ دیا تھا ہمدموں ہم نے ظفر سے پیشتر

گزرا یہ خاطر میں خطرہ اس خبر سے پیشتر
کون خط کو لے کر آیا نامہ بر سے پیشتر

مطلع ثانی

ڈھل گیا وہ شب کو آئیں دوپہر سے پیشتر
صبح یہ جلدی کہ اٹھ جائیں گھر سے پیشتر

روتے روتے اب تو باقی نام کو بھی نم نہیں
ہو چلے تر جیب و دامن چشم تر سے پیشتر

دل کا سودا ہم کبھی کرتے نہ زلف یار سے
پر یہ شامت تھی نہ واقف تھے ضرر سے پیشتر

کھو دے گا دونوں جہاں سے کر کے تو آنکھیں دو چار
پا گئے تھے ہم تو تیری اک نظر سے پیشتر

ہے سفر درپیش اس بستاں سرا اے غنچہ دار
باندھ تو رخت سفر غافل سفر سے پیشتر

ہوتے بال و پر اگر میرے تو بام یار تک
میں پہنچتا اڑ کے مرغ نامہ بر سے پیشتر

جانتا ہی اب نہیں کوئی مجنوں ہے کہاں
شور تھا اس کا ترے شوریدہ سر سے پیشتر

لالہ و گل ہیں کہ نکلے ہیں ولے وہ خاک سے
تھے جو میری آگ سے انگارے برسے پیشتر

دل نے چھیڑا تیری مژگاں نے کہ میں نے زلف کو
چھیڑ اے کافر ہوئی ہلا کدھر سے پیشتر

دیکھ منہ سے لعل کیا کیا ہم نے اگلے اے ظفر
صاف صاف اشعار یہ کہہ کر گہر سے پیشتر

ہے اگر چشم صدف کے کوئی گوہر اندر
تو مرے دیدہ تر کے ہے سمندر اندر

تاب رخسار سے دالان ہے سارا روشن
ہیں وہ بیٹھے ہوئے چلمن کے مقرر اندر

دیکھو اس جام جہاں میں ہے تماشائے جہاں
اک ذرا غور سے تو دل کے نظر کر اندر

تیری شمشیر کو عاشق جو لگاتا ہے گلے
نہیں معلوم کہ کیا اس کے ہے جوہر اندر

نل بے ضبط نفس گرم کہ اک شعلہ سا
اٹھ کے رہ جاتا ہے سینہ ہی کے اندر اندر

شمع کو پردہ فانوس سے کچھ کام نہیں
پر ترے رشک سے چھپ جائے ہے جل کر اندر

محتسب ٹوٹیں ترے ہاتھ کو توڑے تو نے
جتنے مے خانے کے تھے شیشہ و ساغر اندر

دل کہاں عشق کہاں اتنی کہاں گنجائش
آ گیا بحر یہ اس کوزہ کے کیوں کر اندر

اے ظفر آئے گا کون آج تمہارے گھر میں
تم جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو باہر اندر

کرے ہے نکہت گل دمبدم چمن میں سفر
ہمیشہ خانہ بدوشوں کو ہے وطن میں سفر

کچھ ایسا آن کے قاصد سنا گیا ہے پیام
کہ روح کر گئی قالب سے اک سخن میں سفر

خدا کی راہ میں شیطان سے سمجھ کے چلو
مسافرو ہے گزرگاہ رہزن میں سفر

وفور اشک سے میرے نگاہ دیدہ تر
ہمیشہ کرتا ہے دریائے موجزن میں سفر

کہاں میں اور کہاں کوئے عشق جانو
لکھا تھا کعبہ کا تقدیر برہمن میں سفر

جہاں سے کتنے ہی ناکام کر گئے آخر
تمہارے آرزوئے بوسہ دہن میں سفر

ہوا نصیب مہ و مہر کو نہ خیمہ نو
کیا ہمیشہ ظفر خیمہ کہن میں سفر

کیونکر نہ خاکسار رہیں اہلِ کیں سے دور
دیکھو زمیں فلک سے فلک ہے زمیں سے دور

پروانہ وصلِ شمع پہ دیتا ہے اپنی جاں
کیونکر رہے دل اس کے رخِ آتشیں سے دور

مضمون وصل و ہجر جو نامہ میں ہے رقم
ہے حرف بھی کہیں سے ملے اور کہیں سے دور

گو تیر بے گماں ہے مرے پاس پر ابھی
جائے نکل کے سینہ چرخِ بریں سے دور

وہ کون ہے کہ جاتے نہیں آپ جس کے پاس
لیکن ہمیشہ بھاگتے ہو تم ہمیں سے دور

حیران ہوں کہ اس کے مقابل ہو آئینہ
جو پر غرور کھنچتا ہے ماہ مبیں سے دور

یاں تک عدو کا پاس ہے ان کو کہ بزم میں
وہ بیٹھتے بھی ہیں تو مرے ہمنشیں سے دور

منظور ہو جو دید تجھے دل کی آنکھ سے
پہنچے تری نظر نگہ دور بیں سے دور

دنیائے دوں کی دے نہ محبت خدا ظفر
انساں کو پھینک دے ہے یہ ایمان و دیں سے دور

نہ کھینچ سینہ سے تو اپنے جاں نثار کے تیر
جگر میں رہنے دے یہ اس جگر فگار کے تیر

لگے ہے باغ میں ہر شاخ گل مرے دل پر
غمِ فراق سے اس شوخ گل عذار کے تیر

کھلے نہیں لب سوفار میری جانب کو
لہو کے پیاسے وہ دوڑے ہیں مثہ پہار کے تیر

پڑے گلال جو ہولی میں اس کی پلکوں پر
تو جانو ڈوبے ہیں خوں میں کسی شکار کے تیر

عجب نہیں مرے حق ہوں تجھ بن اے ساقی
یہ تار بارش اگر ابر نوبہار کے تیر

کیا ہے چرخ پہ انجم کا سینہ پر سوراخ
شب فراق میں آہوں نے مار مار کے تیر

کرے ہے خاک کے تودہ پہ مشق تیر وہ کیوں
لگائے سینہ پہ اس اپنے خاکسار کے تیر

تمہارے کشتہ مژگاں کی خاک سے پیدا
ہمیشہ خار ہوں یا ہوویں بدلے خار کے تیر

ظفر مزے کو محبت کی وہ ہی جانے ہے
کہ جس نے کھائے ہیں دل پہ نگاہ یار کے تیر

جنوں میں سر سے جو چھوڑوں پہاڑ کے پتھر
ملا دوں خاک میں سب توڑ تاڑ کے پتھر

نکلتی جان ہے یوں تیرے سخت جانوں کی
کہ جیسے کوئی نکالے اکھاڑ کے پتھر

وہ سنگ سرمہ ہے تیغ نظر کو تیز کریں
اگر ہے واسطے منظور یار کے پتھر

اٹھاتے ہاتھ جو مجنوں سے شہر کے لڑکے
تو کون آ کے اٹھاتا اجاڑ کے پتھر

تمہارے گھر میں جو پتھر ہیں رات کو آتے
ہمیں خبر ہے وہ ہیں چھیڑ چھاڑ کے پتھر

کسی کا ایسا ہے کھٹکا کہ بند کر کے کواڑ
لگاتے آپ ہیں پیچھے کواڑ کے پتھر

اگر نہ مانے عدو یوں مراد پاؤ ظفر
تو اس کی چھاتی پہ دھر دو پچھاڑ کے پتھر

ردیف راء ہندی

بٹھا کے غیر کو قائم نہ کر فساد کی جڑ
نکال اس کو کہ ہے یہ بشر فساد کی جڑ

جو خط کے لکھنے میں برپا ہوں سو طرح کے فساد
تو ٹھہرے شاخ قلم سربسر فساد کی جڑ

قیام ابڈ کی جڑ سے بھی کم ہے دنیا کو
کچھ اس کی اصل نہیں ہے مگر فساد کی جڑ

اکھاڑ نخل طمع کو کہ باغ عالم میں
رکھے ہے یہ شجر بے ثمر فساد کی جڑ

وہ فتنہ زا ہے نگہ دل ہے یہ فساد انگیز
ادھر ہے فتنہ کی جڑ اور ادھر فساد کی جڑ

کرے جو ریشہ دوانی یہ آہ و نالہ سے
تو جنو ہے دل شوریدہ سر فساد کی جڑ

رکھے فلک سے جو اصلاح کی کوئی امید
تو سر پہ ڈھول دے یہ فتنہ گر فساد کی جڑ

نہ ہے شریر کوئی اور نہ کوئی مفسد ہے
تیرا ہی نفس ہے بنیاد سر فساد کی جڑ

ظفر جہاں میں نہ ہو کوئی مفسد پیدا
نہ ہو زمین و زن و زر اگر فساد کی جڑ

ردیف زا معجمہ

آتش عشق سے ہے کیا دل ناشاد گداز
یہ وہ ہے آگ کہ ہوا اس سے تو فولاد گداز

سخت جانی کا ہو دعوی جسے اس کے دل کو
کرے اک دم میں تری گرمی بیداد گداز

نہ اثر ہو دل شیریں میں اگر کوہ کو بھی
موم کی طرح سے کر دے غم فرہاد گداز

نالہ مرغ گرفتار میں تاثیر کہاں
ورنہ ہو ایک نفس میں دل صیاد گداز

ہو گیا حسن کی گرمی سے تری شمع صفت
سب کا دل بزم میں اے شوخ پری زاد گداز

چشم نم دیدہ نہیں میری تبسم سے تیرے
ہے طبیعت ہی مری اے ستم ایجاد گداز

اے ظفر موم نہ دل ہو بہت سنگیں دل کا
گرچہ پتھر بھی ہو سن کر مری فریاد گداز

بشر کو کیوں نہ ہو درپیش ہاں نشیب و فراز
کہ دم کے ساتھ ہے ہر دم یہاں نشیب و فراز

فلک عروج و تنزل سے اک زمانے کو
دکھائے ہے روش نردباں نشیب و فراز

کٹے ہی جائے ہے راہ فنا کو طے ہر دم
سمجھتی کچھ نہیں عمر رواں نشیب و فراز

حضیض و اوج میں سیار ہیں ستارے بھی
دکھاتا کس کو نہیں آسماں نشیب و فراز

کبھوں بگولے کو کیا خاک میں بیاباں گرد
کہ میری طرح سے دیکھے کہاں نشیب و فراز

کسی کو پست کرے ہے فلک کسی کو بلند
کہ اس ہنڈولے میں ہے ہر زماں نشیب و فراز

ہمیشہ راہ محبت میں ہے ہمیں درپیش
برنگ گرد رہ کارواں نشیب و فراز

زمیں کو دیکھے ہے ہو کر عصا کف نرگس
رکھے ہے عرصہ باغ جہاں نشیب و فراز

اچھل کے اتنا نہ چل دیکھ یاں تو او نرگس
کہ میرے ساتھ ہے فوارہ سال نشیب و فراز

ظفر ہے راہ ز خود رفتگی عجب ہموار
کہیں بھی جس کی نہیں درمیاں نشیب و فراز

اپنا اثر دکھائے اگر عشق جاں گداز
کر ڈالے کوہ کو مری آہ و فغاں گداز

دل میرا موم شعلہ آتش ہے حسن یار
ہو جائے موم آگ سے کیونکر نہ ہاں گداز

تاثیر سوز دل سے مری کیا عجب کہ ہو
مانند شمع تن میں ہر اک استخواں گداز

دل دم میں زاہدان خشک دل کا مثل برف
ہو آفتاب ساغر مے سے مغاں گداز

دل اس سے ہے دوچار کہ جس کی نگاہ گرم
ہے عقل و فہم سوز شکیب و تواں گداز

دل میرا گھلیا ہے وہ آفت ہے میری آہ
آہن بھی ہو تو اس سے ہوائے دلستاں گداز

ہمسر ہوں میرے نالہ سے کیا نالہ ہائے نے
اس میں ظفر یہ سوز کہاں اور کہاں گداز

نکلا ہے رخ پہ خط ترے اے رشک ماہ سبز
کیا گل زمین حسن سراسر ہے واہ سبز

اس شوخ سبزہ رنگ نے کشتہ کیا جسے
رہتی ہے اس کی خاک پہ اکثر گیاہ سبز

کیا اعتبار یاں کی خزاں و بہار کا
ہے رنگ اس چمن کا گہے زرد گاہ سبز

اس کی ذقن پہ سبزہ خط کی نہیں نمود
کائی سے ہو گیا ہے سراسر یہ چاہ سبز

برسا ہزار بار یہاں ابر نو بہار
نخل مراد پر نہ ہوا اپنا آہ سبز

انساں کی زیب یہ ہے کہ یک رنگ دل سے ہو
ظاہر میں خون سرخ ہو پوشاک خواہ سبز

قاتل تو محکمہ میں ہے آیا نہیں ابھی
یاں ہو رہا ہے پہلے ہی رنگ گواہ سبز

کر دے شراب سرخ کو حنا کی طرح سے
چشم سیاہ مست کو زہر نگاہ سبز

پیر فلک کو روز محرم ہے اے ظفر
رہتی ہے اس کے سر پہ ہمیشہ کلاہ سبز

نشہ ہے آنکھوں میں اور منہ پہ ہے نقاب ہنوز
وہ بے حجاب نہیں ہے اسے حجاب ہنوز

بہایا چشم سے رو رو کے ہم نے اک دریا
فرو ہوئی نہ تری آتش عتاب ہنوز

مرے مزار پہ ژولیدہ کیوں نہ ہو سنبل
کہ تیری زلف سے ہے دل کو پیچ و تاب ہنوز

الٰہی دیکھا ہے کس مہر وش کو بھر کے نظر
رہے ہے دیدہ آئینہ جو پر آب ہنوز

دیا جواب مری عمر نے مجھے قاصد
وہاں سے خط کا نہ آیا مرے جواب ہنوز

رہے گا زلزلہ میرا زمین مدفن پہ
گیا نہیں ہے مرے دل کا اضطراب ہنوز

دکھا دیا تھا ظفر ہم نے داغ دل اک دن
فلک پہ خوف سے کانپے ہے آفتاب ہنوز

رہ گئی یاں کی یہیں تھی جو یہاں نام کی چیز
واں کے جب کام نہ آئی تو ہے کس کام کی چیز

یوسف رخ سے سرکتی نہیں کافر زلفیں
واہ کیا کام ہے اس سے یہ ہے اسلام کی چیز

دل کو لے کر مرے ملزم وہ ہوئے کیا جو کہا
اس کو لے جاؤ رکھے کون یہ آرام کی چیز

سرخی عارض و رنگینی لب شوخی چشم
ایک سے ایک ہے خوب اس بت گلفام کی چیز

دل کا زلفوں میں مرے سہل ہوا یوں سودا
جیسے سستی کوئی بک جائے ہے نیلام کی چیز

تیری تصویر کو سینہ سے کروں کیونکر جدا
ہے یہ میرے دل بیتاب کے آرام کی چیز

محو ہوں یاد رخ و زلف میں اس کے ایسا
بھول جاتا ہوں ظفر صبح کو میں شام کی چیز

بوسہ روز آپ نے ٹھہرایا تو دو روز کا روز
کیوں چڑھاتے ہو تم اس عاشق دلسوز کا روز

رکھتا ہے مہر جہاں تاب کو بھی گردش میں
شوق دیدار کسی ماہ دل افروز کا روز

اشک طوفاں جو اٹھا ہے کہوں کیا کہ نہ پوچھ
یہ تو اک کھیل ہے اس طفل بدآموز کا روز

کل گئے ہوش و خرد آج گئے صبر و قرار
مال لٹتا ہے مری جاں غم اندوز کا روز

جلوہ فروز اگر ہو نہ وہ خورشید لقا
شب یلدا سے نہ ہو کم مجھے تو روز کا روز

عشق میں ٹھہر گئی ہے یہی روزی میری
زخم کھاتا مجھے اس ناوک دل روز کا روز

چرخ فیروزہ پہ یہ مہر کو دیتا ہے فروغ
اے ظفر جلوہ ترے طالع فیروز کا روز

خاطر سے میں ہوں آپ کی سنتا کلام تیز
ورنہ زبان تو رکھتا ہے یہ بھی غلام تیز

خورشید بھی ہے دیکھ کے گردوں کو کانپتا
ہوتے ہیں جب کسی پہ وہ بالائے بام تیز

لاتی ہے کھینچ کر کشش دل مری اسے
آتا ہے اس طرح سے جو وہ خوشخرام تیز

پی جانا اشک خوں کا ہمارا ہی کام ہے
کون ایسی پی سکے ہے مئے لالہ فام تیز

گرمی ہے کیوں سوا ترے چہرے کی زیر زلف
ہوتا ہے آفتاب کہاں وقت شام تیز

کرتا ہے عاشقوں ہی کو تو ذبح تند خو
رہتی تری چھری ہے انہیں پہ مدام تیز

لکھ قافیہ بدل کے غزل اور اے ظفر
لیکن ہوں اس غزل کے مضامیں تمام تیز

ایسی غضب کی ہے نگہ شوخ و شنگ تیز
جیسے کڑی کمان سے نکلے خدنگ تیز

تجھ بعشے میں سوجھی ہے یوں ہم کو موج بحر
پانی پہ جیسے آتا ہے کوئی نہنگ تیز

سرخی ہے جس قدر لب پان خوردہ میں ترے
ہے اس قدر شفق کا کہاں سرخ رنگ تیز

بوسے کے جو اشارے پہ دیتے ہیں گالیاں
ہے ان دنوں مزاج کا کچھ ان کے ڈھنگ تیز

دیتا ہے تیرا سبزہ خط دم میں ہوش اڑا
اے سبزہ رنگ رکھتی ہے نشا ہے یہ بھنگ تیز

تیغ نگاہ یار کو کرتا ہے اور بھی
سنگ فساں کی طرح سے سرمہ کا رنگ تیز

مژگاں پہ قطرہ اشک کے دوڑے نہیں ہیں یہ
جھاڑے گی ملک کو گئی فوج فرنگ تیز

آئینہ میں بنائے جو ابرو وہ جنگ جو
کیونکر جلب میں ہووے نہ شمشیر جنگ تیز

پیری سے گو ہے کند طبیعت میری ظفر
لیکن شباب کی سی ہے جی میں امنگ بھی تیز

ردیف سین مہملہ

چاہیے درویش کو کیا بادشاہانہ لباس
چھوڑ کر دلق اپنا کیوں پہنے وہ بیگانہ لباس

مطلع ثانی

رکھے ناقص عقل کو جوں مرد فرزانہ لباس
پر نہ عورت کو بنا دے مرد مردانہ لباس

خاک کو کوچہ کی ترے اپنے تن پہ اے پری
جانتا ہے فاخرہ یہ تیرا دیوانہ لباس

بادہ کش راضی ہیں اس پہ گرچہ پیر مے فروش
چھین لے وہ سارا دے کر نیم پیمانہ لباس

قابل صحبت نہ سمجھیں اس کو مردان خدا
زال دنیا گر پہن بیٹھے عروسانہ لباس

اپنے کشتہ کی نہیں وہ زلف ماتم دار اگر
کیوں سیہ اپنا کیا ہے اس نے اے شانہ لباس

گل بھی ہے تیرا شہید ناز اے رشک بہار
جامہ پرخوں سے رکھتا ہے شہیدانہ لباس

لیلی اسے پہچان ہر اک رنگ میں اہل نظر
بدلے گر سو رنگ سے رنگیں وہ جانانہ لباس

جو کہ ہیں باتیں فقیروں کی ظفر وہ چاہئیں
اس سےکیا حاصل اگر پہنا فقیرانہ لباس

مرغ اسیر چھوٹ گئے گر قفس کے دن
صیاد تیرے دام میں اور آئے کس کے دن

دکھا نہ ساتھ ان کے فلک تو نے ایک بھی
جن کے کہ تھے رفیق یہاں اک نفس کے دن

اے ساربان ناقہ برابر نہ ہو سکیں
مجنوں کی ایک آہ بیتالہ جرس کے دن

ساقی خوش آج بادہ کشوں سے ہے اس قدر
اک جام مانگتے ہیں تو دیتا ہے فس کے دن

وہ بات ایک دن کے برابر ہے شعلہ خو
گرمی سے جس کی خاک ہوں دشمن جلس کے دن

اس دلربا کے پاس اگر بھیجوں ایک کو
موجود ہوں خوشی سے گر اپنی کس کے دن

ظالم جو تیری جنبش مژگان نیش زن
نشتر ہوں درمیاں مرے اک ایک نس کے دن

افسوس ایک بات بھی ہم سے وہاں کی ہو
اور ہوویں کام یاں کے ہواؤ ہوس کے دن

خط لکھتے دیر میں تو ہیں دونوں پہ اے ظفر
یا اک برس کے دن ہیں تو واں دس برس کے دن

طائر دل کے لئے کیجئے نہ تدبیر قفس
واسطے اس کے چمن میں بھی ہے تاثیر قفس

تیری قسمت نے گرفتاری میں ڈالا ہے تجھے
نے قصور دام ہے بلبل نہ تقصیر قفس

کرلیا لطف اسیری نے ہے جس کے دل کو صید
کہتا ہے چوب قفس کو وہ یہ ہے تیر قفس

سامنے اس کے اڑے عاشق کے یوں ہوش و حواس
جس طرح چھوٹے تصدق میں عصا فیر قفس

اے گرفتاری تری دولت سے تا قید حیات
جائے گی اپنے تصرف سے نہ جاگیر قفس

کنج غم کی اپنی جو صورت ہے کیا بتلائیں ہم
کھینچ کر جب تک کہ دکھلائیں نہ تصویر قفس

چاہتے ہیں جو کہ رہتے کو اسیری کے ظفر
ان گرفتاروں سے پوچھے کوئی توقیر قفس

ردیف الشین معجمہ

جو اس کے ناخن ابرو سے ہے جگر میں خراش
ہلال عید ہے وہ تو مری نظر میں خراش

ہمارے سینہ میں جو دل خراش ہیں نالے
عجب نہیں وہ کریں گر دل حجر میں خراش

کئے ہیں کیا کہیں وحشت نے تیز پھر ناخن
کہ تازہ ہو گئی سینہ کی لحظہ بھر میں خراش

فقط وہ سمع خراشی ہے اس سے کیا حاصل
نہ ہو سخن سے ترے گر دل بشر میں خراش

برنگ ریزہ مینا سدا نزاکت سے
کرے ہے سبزہ کف پائے سیمبر میں خراش

مزے سے درد محبت کے ہو وہ کیا واقف
خروش جس کے نہ ہو دل میں اور جگر کی خراش

نہیں کسی کو ترے تاب زخم خنجر سے
اگرچہ ہے تو کوئی سینہ ظفر میں خراش

ہوتی جس وقت تپِ غم سے جگر میں سوزش
دل میں گرمی ہوتی اور دیدۂ تر میں سوزش

جس طرف سے کہ گزرتا ہے ترا سوختہ جان
خودبخود ہوتی ہے اس راہ گزر میں سوزش

سنگ دل تجھ کو اثرِ نالۂ سوزاں کا نہ ہو
اور اس آگ سے پیدا ہو حجر میں سوزش

تیرے جلوہ نے دیا دل کو جلا ماہ جبیں
یہ تعجب ہے کہ ہو تاب قمر میں سوزش

سوزش دل نہیں جاتی کہیں جاؤں تجھ بن
گھر کے باہر ہے جو سوزش وہی گھر میں سوزش

ڈالے دوزخ میں خدا لیک محبت میں تری
آتش غم کی دل وجان بشر میں سوزش

بے خبر سردی و گرمی سے ہے دیوانہ عشق
نہ اسے خلد میں ٹھنڈک نہ سرف میں سوزش

ہو دل پیر میں گر عشق کی گرمی تو یہ جان
ابھی باقی ہے کچھ اس شمع سحر میں سوزش

مری تاثیر دم سرد سے عالم میں ظفر
نہ رہی شعلہ میں گرمی نہ شرر میں سوزش

بات میری جب ترے دل پہ نہ ہوا ے یار نقش
فائدہ کیا جب کہ لکھوں روز گرد و چار نقش

ہو نگیں خاتم دست سلیماں وہ نگیں
جس پہ ہووے نام تیرا اے پری رخسار نقش

وہ ہوا اک بار غیروں پہ نہ سرگرم عتاب
ہم نے لکھ لکھ کر جلائے آگ میں سو بار نقش

نقش اپنا تو دکھا دے جس کو اے پردہ نشیں
ہو نہ یوں حیرت زدہ جیسے سر دیوار نقش

تیرا خط ہی اے بت تو تو خط اے تعویذ ہے
تیرے بیمار محبت کو نہیں درکار نقش

نقش بر آب اپنا جینا بحر ہستی میں سمجھ
ہے کہیں بھی ٹھہرتا پانی پہ اے ہوشیار نقش

میرے خون سے اس کے در پہ ہوں اگر نقش و نگار
اے ظفر ایک ایک ہو وہ رشک صد گلزار نقش

ردیف صاد مہملہ

ہمیں ہے جا ایک اسی گلعذار سے اخلاص
اسے ہزار سے الفت ہزار سے اخلاص

برابر اپنا ہے ہر ایک یار سے اخلاص
نہ یہ کہ پیار سے نفرت تو پیار سے اخلاص

جو میرا دشمن جاں ہے وہ ہے اسی کا دوست
کرے ہے کب وہ مرے دوستدار سے اخلاص

ملانا خاک میں ہے اور بھی سوا منظور
بڑھایا تم نے جو اس خاکسار سے اخلاص

نہ بول مجھ سے تو ناصح کہ میں ہوں دیوانہ
تو ہوشیار ہے کر ہوشیار سے اخلاص

ہر ایک شخص سے اخلاص پیار ہے تیرا
مگر نہیں اسی تقصیر وار سے اخلاص

بغیر رنج و مصیبت سوائے حسرت و یاس
رکھے ہ کون دل بیقرار سے اخلاص

غرور تھا ہمیں کیا اپنی پارسائی کا
نہ تھا ہمارا جب اس بادہ خوار سے اخلاص

جہاں میں جتنے کہ ہیں بدنصیب و بدقسمت
ظفر وہ رکھتے ہیں اس بدشعار سے اخلاص

لبوں سے منفعل اس کے شراب ہو خالص
خجل پسینے سے رخ کے گلاب ہو خالص

فلک خلوص سے بیزار ہے عجب کچھ ہو
جو سیم ماہ و زر آفتاب ہو خالص

بلا سے گر نہیں ساغر میں اپنے بادہ ناب
جگر کا خون ہے چشم پرآب ہو خالص

نہ لکھو غیر کا مطلب ہمارے مطلب میں
کہ مخلصوں کے تو خط کا جواب ہو خالص

نچوڑے زلف نہا کر جو وہ تو قطرہ آب
دہان مار سیہ کا لعاب ہو خالص

زمانہ چاہئے جو آمیزش کدورت کو
تو آئینہ میں بھی ہرگز نہ آب ہو خالص

ظفر دکھاؤں اسے اشک سرخوہ اپنے
کہ اس نے دیکھا نہ ایسا شہاب ہو خالص

ردیف ضاد معجمہ

کون کہتا ہے کسیکو گھر میں آؤ بے غرض
کچھ لگاؤ بھی نہیں یہ بے لگاؤ بے غرض

حضرت دل گر نہ ہو تم کو غرض اس زلف سے
آپ کو دام بلا میں کیوں پھنساؤ بے غرض

بن سنور کے تم مقرر آج جاؤ گے کہاں
یہ نہیں تم نے کیا اپنا بناؤ بے غرض

کیا غرض تمکو مرا دل اس سے گر پھرنا نہیں
ناصحو بک بک کے تم سر مت پھراؤ بے غرض

قصہ شب خوں ہے کس کا ورنہ تم کیوں شام کو
پان کا لاکھا مسی پہ یوں جماؤ بے غرض

جو کہ ہیں اپنی غرض کے یار وہ عیار ہیں
ان کو جانو یار جن کو یار پاؤ بے غرض

اپنے مشتاقوں سے جاں گر رونمائی میں نہ لو
کیا غرض تم کو جو تم صورت دکھاؤ بے غرض

شمع کو بھی ہیں جلاتے کچھ غرض کے واسطے
یہ غضب کیا ہے کہ تم ہم کو جلاؤ بے عرض

اے ظفر صاحب غرض سے بھاگتے ہیں لوگ دور
اس زمانے میں کہیں جاؤ تو جاؤ بے غرض

منظور رو نیا رہے قرآں کے بالعوض
درکار کفر صاف ہے ایماں کے بالعوض

راضی ہوں دل سے اپنے وہ ناوک فگن اگر
سینہ سے دل نکال لے پیکاں کے بالعوض

مثل شرار جھڑتے ہیں مژگاں سے اشک گرم
برسے ہے آگ ابر سے باراں کے بالعوض

منظور گر معاوضہ ہووے تو جہاں تک
دے دیجئے بوسہ لب جاناں کے بالعوض

چین و تتار گرچہ مجھے دے کوئی نہ لوں
میں اسکی تار زلف پریشاں کے بالعوض

گر زہر مرگ ہو تو گوارہ ہو وہ مجھے
اے یار تلخی غم ہجراں کے بالعوض

وہ مفت جان اس کو تامل نہ کر ظفر
ٹھہرے جو نیم غمزہ دل و جاں کے بالعوض

بوسہ کب دیتے ہیں مجھ کو وہ دل و جاں کے عوض
بلکہ ہر بات پہ کرتے ہیں نہیں ہاں کے عوض

زلف تیری نہ پریشاں ہو بلا سے کافر
دل پریشاں ہو سر زلف پریشاں کے عوض

خلد زاہد کو مبارک ہو مجھے تو مل جائے
حور وش کوچہ ترا روضہ رضواں کے عوض

ایسے بخت اپنے کہاں ہیں جو لگے منہ ترے
دل حیرت زدہ آئینہ حیراں کے عوض

دیکھتے سینہ پہ داغ کو ہیں ہم اپنے
تجھ بن اے رشک چمن سیر گلستاں کے عوض

پاؤں میں میرے ہے زنجیر سر موج سرشک
گھر ہے میرا ہی مجھے خانہ زنداں کے عوض

میرے سینہ سے نکالے نہ وہ پیکاں اپنا
دل کو لے جائے مرے شوق سے پیکاں کے عوض

خندہ لب ہو مرا برق جہاں کے بدلے
گریہ چشم اگر ہو مری باراں کے عوض

اے ظفر خاک میں عاشق کے ملانے کے لئے
گردش اس چشم کی ہے گردش دوراں کے عوض

ردیف الطاء المہملہ

ناصح نے کہا مجھ سے کہ کر آہ و فغاں ضبط
ناداں یہ نہ سمجھا کہ محبت میں کہاں ضبط

آتی ہے ہنسی اس کو مرے رونے پہ کیا کیا
کرتا ہے مگر شرم سے وہ غنچہ دہاں ضبط

آتش سے تعلق ہے سر ہر بن مو سے
کرتا ہوں جو یک دم نفس شعلہ فشاں ضبط

یہ اس شہ خوبی کا عجب ضابطہ دیکھا
کرتا ہے وہ بے جرم و خطا دل کا مکاں ضبط

گو شمع سراپا ہے زباں پہ کبھی یک حرف
کہتے نہیں تل بے ترا اے سوختہ جاں ضبط

لپکا مجھے بوسہ کا انھیں عادت دشنام
کیا سخت ہے مشکل کہ نہ یاں ضبط نہ واں ضبط

رو رو کے نہ کہہ حال کو کہ وہ ڈرتا ہے دل میں
کر گریہ کو تو اپنے ظفر وقت بیاں ضبط

اس نے پوشیدہ اسی کے لکھا ہے خط
جانتے ہیں ہم کہ چھپا کر کہیں بھیجا ہے خط

خط دیا میرا جو قاصد نے کہا یوں اس نے
تو کہاں سے یہ اٹھا لیا یہ کس کا ہے خط

دیکھے وہ رشک چمن کیا وہ چمن میں سبزہ
سبزہ جس نے ترے رخسار کا دیکھا ہے خط

ہو گا اس رنگ سے معلوم کہ خوں ہو گا مرا
وہ جو شنگرف سے اکثر مجھے لکھتا ہے خط

ہے کہ شاید دل صد چاک کے مضموں کا اثر
کر کے چاک اس نے جو قاصد مرا بھیجا ہے خط

کیوں نہ خوش دل شکنی سے ہو مری وہ تو خط
کر خطوں میں یہ شکستہ اسے بھاتا ہے خط

خط میں لکھی ہے ظفر جس کی شکایت ہم نے
ہائے پڑھوانا اسی سے وہ ہمارا خط

تر آنسوؤں میں ہو نہ اگر چشم غم سے خط
جل جائے لکھتے لکھتے مرا سوز غم سے خط

آزاد پھر نہ کیجئے ہمیں شرط ہے یہی
لکھواتے گر ہیں آپ غلامی کا ہم سے خط

یاران رفتگاں کا کھلے حال کس طرح
بھیجا نہیں کسی نے بھی لکھ کے عدم سے خط

بہتر ہے رخ تیرا گل گلزار خلد سے
خوشتر ہے تیرا سبزہ باغ ارم سے خط

دشمن ہزار وار کرے گر نہ ہو قضا
تن پر پڑے نہ ایک بھی تیغ دو دم سے خط

کھینچی تری کمر جو مصور نے سو کمر
باریک ایک کھینچ دیا سو قلم سے خط

لکھوں جو ایک حرف وفا خط میں اے ظفر
سو ٹکڑے کر کے پھینکے وہ دست ستم سے خط

ابھی کیجئے نہ پارا پارا خط
دیکھ تو لیجئے میرا سارا خط

لایا قاصد جواب خط ایسا
ہم کو لکھنا پڑا دوبارہ خط

تجھ کو لکھتے قلم سے نرگس کے
تیرا حسرت کش نظارا خط

دل کے مضمون بیقراری سے
ار گیا ایسا جیسے پارا خط

کیا تعویذ ہوں دلم نے
لے کے اے دلربا تمہارا خط

مانگ ہے یا اندھیری رات میں یہ
کہکشاں کا ہے آشکارا خط

لکھا تقدیر کا کر غیر کے ہاتھ
بھیجے ہیہات تو نگارا خط

کیا انعام دیکھ کر اس نے
الٹا قاصد کے منہ پہ مارا خط

شوق اظہار راز دل سے ظفر
کھل گیا خود بخود ہمارا خط

دیا ہے لکھ کے ابھی میں نے نامہ بر کو خط
خبر نہیں کہ وہ لے کر گیا کدھر کو خط

لکھا جو میں نے تمہیں خط کہو خط کیا کی
جہاں میں لکھتا ہے اکثر بشر بشر کو خط

جواب لکھ کے مرے خط کا نامہ بر بیک ہا
خطر کی جا ہے چلو یاں سے لیکے سر کو خط

اسے خبر بھی نہیں کہ یہ خط میں لکھا کیا
کہو لکھے کوئی کیا ایسے بے خبر کو خط

لکھا نہ سوز جگر خط میں اس لئے میں نے
کہ دے جلا نہ کبوتر کے بال و پر کو خط

مجھے خطر ہے کوئی دیکھ لے نہ اے قاصد
چھپا کے دیجو اس شوخ عشوہ گر کو خط

لکھو خدا کے لئے وجہ اس تغافل کی
لکھا جو تم نے نہیں اب تلک ظفر کو خط

جو پہنچا اپنا دست یار میں خط
کھلا وہ محفل اغیار میں خط

نوشتہ میں ہے رسوائی جو قاصد
گرا دے ہے مرا بازار میں خط

خط رخسار اس رشک چمن کا
ملا دے ہے خط گلزار میں خط

نہ ہووے موت تو تلوار میں بھی
پڑے تن پر نہ اک سووار میں خط

نہ پہنچا قاصد اس پردہ نشیں تک
دھر آیا روزن دیوار میں خط

مرا تعویذ درد سر بھی ہے
کہ ہو سر پر ترے دستار میں خط

ظفر کا راز سربستہ کھلے گا
نہ پڑھ تو بیٹھ کر دو چار میں خط

جو بھیجے ہے مجھے مجنوں اجاڑ میں سے خط
تو کوہکن بھی ہے لکھتا ہے پہاڑ میں سے خط

کواڑ کھول نہیں سکتا گر وہ پردہ نشیں
تو پھینک دے ہے پٹوکی ڈراڑ میں سے خط

گلی میں یار کی اغیار جمع ہیں قاصد
نہ جانا لے کے تو اس بھیڑ بھاڑ میں خط

جلایا کاغذ گر سوز دل کے مضمون نے
تو نامہ بر مجھے کیا دے گا بھاڑ میں سے خط

دبا یہ مار سیہ گھاس ہی کے نیچے نہاں
نہ نکلا سرمہ کا مژگاں کی آڑ میں سے خط

ہوا تھا کل جو مرا خط پلنگ پر سے گم
سو بارے آج وہ پایا کواڑ میں سے خط

جو خوش نویس ظفر کچھ بگاڑ کر بھی لکھے
دکھائے اور ہی حسن اس بگاڑ میں سے خط

بھیجتے ہو سیکڑوں لکھ لکھ کے تم یاروں کو خط
ایک بھی لکھا نہ تم نے ہم خطاواروں کو خط

ان کی صحت کے لئے یہ اک مجرب نسخہ ہے
لکھ کے اپنے ہاتھ سے بھیجا چہئے بیماروں کو خط

ہو گیا تاثیر مضموں سے قلم کا سینہ چاک
کیا لکھا اس نے تمہارے سینہ افگاروں کو خط

باغ کی رونق بھی ہے ہاں کہ ہو سرسبز باغ
زیب دے کس وجہ سے تیرے نہ رخساروں کو خط

جو یہاں ہیں مفسد وجاسوس و غماز و رقیب
وہ جلانے کو مرے لکھتے ہیں ان چاروں کو خط

دل کا پرچہ قاصد اشک رواں لے جائے گا
کیا غرض مجھ کو جو بھیجوں دے کے ہرکاروں کو خط

خط نہ لکھنے کا اگر شکوہ کروں میں اے ظفر
کہتے ہیں وہ کیوں لکھیں ہم ایسے آواروں کو خط

لکھ کے بھیجیں ان کو ہم کیا خاک خط
بن پڑھے کر ڈالتے ہیں چاک خط

دور گھر ہے یار کا جائے نہ جائے
لے کے کوئی قاصد چالاک خط

مانگ اس کی یاد آئی دیکھ کر
کہکشاں کا شب سر افلاک خط

تر نہ کر اشکوں سے کاغذ سربسر
لکھنے دے اے دیدہ نمناک خط

تیغ براں سے تری پڑتا نہیں
بے قضا اے قاتل سفاک خط

تو نے کیا لکھا تھا جو رونے لگا
پڑھ کے تیرا عاشق غمناک خط

حاسدوں سے ناک میں دم ہے ظفر
دے دو چا کو سے پکڑ کے ناک خط

ہمدموں عشق کی نہ پوچھو شرط
جیسے بھونچال سے جاتا ہے مکاں ہل مضبوط

جو تمہاری نہ جائے گی بدلی
یاں محل اپنے بناتے ہیں یہ غافل مضبوط

ہم کو منظور ہار ہے اپنی
گر رہے قول پہ یہ حور شمائل مضبوط

دل بیمار کے علاج میں ہے
لیکن اک بات پہ ہو جاتی ہے مشکل مضبوط

دل بندھا زلف سے نہیں چھٹتا
تھام لے ہاتھ میں گر دامن قاتل مضبوط

یوں کسی کو ہے کون دیتا دل
اف نہیں کرنے کا ہے دل کا یہ بسمل مضبوط

اے ظفر کیونکر عقیدہ میں ہو اپنے سستی
جب کہ کر دے مدد مرشد کامل مضبوط

مضموں ہیں سینکڑوں تری تحریر میں غلط
باتیں ہزاروں ہیں تری تقریر میں غلط

پیش آئے گا وہی جو لکھا دخل کیا ہو
اک حرف بھی نوشتہ تقدیر میں غلط

تشبیہ زلف یار کو زنجیر سے نہ دو
کب پیچ و تاب ہیں زنجیر میں غلط

کیا دل نے سیدھے مانگ کے رستے کو چھوڑ کر
کی راہ کوئے ماف گرہ گیر میں غلط

پہنچے تری شبیہ کو یوسف کی کیا شبیہ
سب اس کے خط و خال ہیں تصویر میں غلط

کیا کیا نہ ہم نے دل کو تسلی کے واسطے
طومار باندھے آہ کی تاثیر میں غلط

ابرو پہ اس کے چین کا عالم ظفر ہے اور
جوہر کہاں ہیں یہ کسی شمشیر میں غلط

ردیف ظاء معجمہ

کرے ہے فتنہ ترے چشم فتنہ زا کا لحاظ
یہ وہ بلا ہے بلا کو ہے اس بلا کا لحاظ

نہ کی شکایت ظلم و ستم کبھی میں ن ے
رہا سدا مجھے اس شوخ پہ جفا کا لحاظ

فلک پہ کیوں رہی ہرماہ سرخرو مہ تو
جو ہو نہ اس کو ترے نعل نقش پا کا لحاظ

دل اسکی جنبش مژگان سے کیوں حذر نہ کرے
کہ اس مریض کو ہاں چاہئے ہوا کا لحاظ

اٹھا کے آنکھ نہ دیکھا چمن میں نرگس نے
رہا جو اس کو تری چشم پہ حیا کا لحاظ

ملوں میں تیرے کف پا سے اپنے وعدہ تر
مگر ہے مجھ کو ذرا سرخی حنا کا لحاظ

رکھیں ہم اس سے دلاچشم آشنائی کیا
نہ پاس یار کا جس کو نہ آشنا کا لحاظ

نہ توڑ دل کو مرے اے بتان سنگین دل
ڈرو خدا سےکرو خانہ خدا کا لحاظ

ظفر پلا دے اب بھر کے ساغر مے ناب
اگر اٹھانا ہے منظور دل ربا کا لحاظ

ردیف العین المہملہ

رخ سے ہمتاب ہو اس کی تری کیا جاں ہے دشمن
روشنی تیری فقط رات کی مہماں ہے شمع

مطلع ثانی

خوب شبخوں کا یہ پروانہ کے ساماں ہے شمع
قدرتا تیر ہے شعلہ ترا پیکاں ہے شمع

اشک تو اپنے بہاتی ہے و لیکن تیرا
سوز دل کم نہیں ہوتا کسی عنواں ہے شمع

سر کے بل جائے تو جا منزل مقصود کو تو
کیا طے راہ محبت نہیں آساں ہے شمع

ساق سیمیں کو تری دیکھ کے اے سیم بدن
ہو کے خاموش کھڑی بزم میں حیراں ہے شمع

شعلہ آہ جو نکلے ہے دل سوختہ سے
دل جلوں کے لئے وہ کلبہ احزاں ہے شمع

سر قلم ہونے کا باعث ہے یہی بزم فروز
بہتر اس تاج سے تو یاسر عریاں ہے شمع

جس طرح شمع پہ ہوتا ہے فدا پروانہ
ہوتی یوں اس رخ تابندہ پہ قرباں ہے شمع

اے ظفر اشک ندامت میں نہ ڈوبے کیونکر
کہ جلا کر دل پروانہ پشیماں ہے شمع

چاہیے بزم میں کیا عاشق رنجور کی شمع
آہ سوزاں ہو جب اس کی دل محرور کی شمع

وہ کیا جلوہ نما قد ہے ترا سیمبدن
ڈھلے سانچے میں ہے قدرت کے عجب نور کی شمع

روشنی سوز محبت سے رہے گی تا حشر
ہم کو پروا نہیں گل ہووے اگر گور کی شمع

آتش فرق جاناں سے دل سرد مرا
اس طرح جلتا ہے جیسے کوئی کافور کی شمع

نار رکھے دیکھ کے اپنا وہ محبت میں قدم
چاہیے دار بنے راہ میں منصور کی شمع

چارہ گر جائے تعجب نہیں گر بن جاوے
سوزش عشق سے بجھی مرے ناسور کی شمع

آگے خورشید رخ یار کے کیا کام اس کا
اے ظفر خوب کیا بزم سے گر دور کی شمع

دل مرا لینے کو اس طرح سے دلدار ہوں جمع
جیسے اک جنس پہ کتنے ہی خریدار ہوں جمع

ہوں نہ وہ یک گرہ زلف سے اس کی ہمسر
اے صبا گر سینکڑوں گر ہ ناقہ تا تار ہوں جمع

کشتۂ نرگس مخمور ہوں تیرا اے گل
میرے پہلو میں عجب کیا ہے جو میخوار ہوں جمع

دل عشاق میں یوں زلف کے حلقہ میں ترے
جس طرح خانہ زنداں میں گرفتار ہوں جمع

کیا تماشا ہے کہ وہ منہ سے اٹھاوے برقع
اس کے جس وقت کہ سب طالب دیدار ہوں جمع

جوش گریہ مجھے دیتا نہیں اتنی فرصت
کہ مری چشم میں آنسو کبھی دو چار ہوں جمع

ناز و انداز و ادا سے تری کیا جان بچے
ایک کے قتل کو جب اتنے ستم گار ہوں جمع

شہرت اے یار جو ہو تیری مسیحائی کی
تیرے کوچہ میں نہ کیونکر پڑے بیمار ہوں جمع

اے ظفر کیونکہ ہو جمعیت خاطر اپنی
جب تک اس زلف پریشاں کینہ سب تار ہو جمع

ردیف الغین المعجمہ

ہے داغ دل جو عاشق رنجور کا چراغ
ہووے گا بعد مرگ بھی گور کا چراغ

محفل میں نور بادہ سے ساقی مثال ماہ
روشن کرے ہے ساغر بلور کا چراغ

ہے اس پری کی جلوہ گری گھر کی روشنی
میں کیا کروں گا تاب رخ حور کا چراغ

اے شمع ورد ترے رخ روشن کے روبرو
بے نور ہو گیا مہ پرنور کا چراغ

کشتہ ہوں چشم مست کا میرے مزار پہ
لازم ہے جام بادہ انگور کا چراغ

سایہ میں اس کے طرہ مشکیں کے بن گیا
رخسار آتشیں شب دیجور کا چراغ

روشن دلوں کے قرب میں ہیں لاکھ فائدے
تا نجھیں سے کاشغر دور کا چراغ

ہے پاس اپنے اس رخ پرنور سے چراغ
اے ماہ تو دکھا نہ ہمیں دور سے چراغ

روشن ہو چشم مست کے کشتہ کے گور پہ
روغن کی جائے بادہ انگور سے چراغ

شعلہ کو میری سوزش دل پہ جو رشک ہے
جلتا ہے بزم میں مرے مذکور سے چراغ

رونق ہے تفتہ جانوں کو بخت سیاہ سے
پاتا فروغ ہے شب دیجور سے چراغ

کچھ سوزیوں کے گھر میں نہیں روشنی کا کام
فانوس کب ہے خانہ زنبور سے چراغ

اللہ رے تجلی انوار حسن یار
ہے میری گھر میں روشنی طور سے چراغ

روشن ہو آفتاب قیامت کا اے ظفر
ہم دل جلوں کی شمع سر گور سے چراغ

کچھ بات کہہ دیں مصلحتاً تجھ سے ہم دروغ
اے بت قسم نہ کھائیں خدا کی قسم دروغ

قاصد خط اس نے لکھ کے جو بھیجا کبھی تو کیا
تحریر جو ہے اس میں وہ ہے یک قلم دروغ

ابرو کو اس کی کہتے ہیں سب تیغ اصفہان
ہے اصفہانیوں میں کہاں ایسا خم دروغ

غم کھاتے کھاتے جان مری لب پہ آ گئی
وہ اب بھی جانتے ہیں مرا حال غم دروغ

میں نے تو کچھ کہا نہیں تم کہتے ہو کے کیا
کیا پیچوں اس دروغ کو ہے بے تم دروغ

سچا ہے اس زمانے میں وہ بھی کہ جس کی ہو
کچھ راستی سخن میں سوا اور کم دروغ

حق ہے دروغ گو کو نہیں حافظہ ظفر
جاتا ہے بھول کر کے جو وعدہ صنم دروغ

ہمارے قتل کو تو لی نہ بردوانی تیغ
ترا ہے ابروے پر خم خود اصفہانی تیغ

جہاں کو کشتہ کیا اے کشندہ عالم
تری نگہ ہے غضب وقت ظلم رانی تیغ

پڑا ہے کس کا یہ دریا میں عکس چین جبین
ہر ایک موج سے دکھلاتی ہے جو پانی تیغ

چھٹے عذاب سے، تیرا اسیر رنج و الم
کرے جو اس پہ ذرا تیری مہربانی تیغ

قد کشیدہ ترا سیف ہمرے حق میں
نہ کھینچ مجھ پہ عبث اے عدوئے جانی تیغ

نشان زخم نہیں جسم زار پہ میرے
یہ دے گئی مجھے ظالم تری نشانی تیغ

کیا تھا اس نے ظفر امتحاں محبت کا
وگرنہ تھی اسے کیا مجھ پہ آزانی تیغ

ردیف الفا

گر ہے دل دینا خطا کر بت بے پیر معاف
کچھ نہیں ہونے کی ہو اب تو یہ تقصیر معاف

تو اگر قتل پہ خوش ہو تو خوشی سے اپنی
خوں کرے اپنا تجھے عاشق دلگیر معاف

دل سودا زدہ کو مارے ہے کوڑے وہ زلف
ورنہ دیوانے کو تو ہوتی ہے تعزیر معاف

دم بسمل نہ سنی منہ سے ترے بسم اللہ
ذبح کرنے میں ہے شاید تری تکبیر معاف

کر حساب ستم و جور جو ہوں حاصل داغ
کیا عجب ہوتی محاسب کو ہے تحریر معاف

دل دیوانہ تری زلف کو چھوڑے کیونکر
ہے سدا سے اسے یہ خانہ زنجیر معاف

اے ظفر حشر کو ہو جائیں گے سب تیرے گناہ
سبب دوستی حیدرؑ و شبیرؑ معاف

جو دیکھوں بزم میں اس شوخ جنگجو کی طرف
چھری کو دیکھ کے دیکھے مرے گلو کی طرف

تجھی کو دیکھتے ہیں اپنے دل کی آنکھوں سے
ترے سوا نہیں ہم دیکھتے کسو کی طرف

جو پائی بزم میں ساقی تری جگہ خالی
بھر آیا دیکھ کے دل ساغر و سبو کی طرف

تصور اس قد دلجو کا چشم تر میں ہے
چمن میں دیکھئے کیا سرو آب جو کی طرف

تلاش مشک میں جاتا ہے چین کو سوداگر
چلا دل اپنا نہیں زلف مشک بو کی طرف

نہ اس کی بزم میں آنسو بہائیو اے چشم
نگاہ رکھیو ذرا میری آبرو کی طرف

ظفر میں ان سے کروں بات کیونکہ محفل میں
لگائے کان ہیں سب میری گفتگو کی طرف

ور تھی بیمار غم کی کل خبر چاروں طرف
آج کچھ سنتے ہیں احوال دگر چاروں طرف

ڈھونڈتی ہیں جس کو آنکھیں وہ نہیں آتا نظر
ہم بہت دوڑاتے ہیں اپنی نظر چاروں طرف

خاک بھی ہو کر رہا آوارہ ہی میں خاکسار
خاک اڑاتی ہے مری باد سحر چاروں طرف

خطمیں جو میں نے لکھا رسوا ہوا میں چار سو
اس نے پھینکا خط کو میرے چاک کر چاروں طرف

دل مرا رہتا ہے یوں اس حسن کے شعار کے گرد
جیسے پروانہ پھرے ہے شمع پر چاروں طرف

کیا نوشتہ میں ہے اپنے دیکھئے ہونا ہے کیا
خط کے چرچے ہو رہے ہیں نامہ بر چاروں طرف

ہے وہ دل ہی میں تمہارے تم اگر ڈھونڈھو اسے
پھرتے ہو ناحق بھٹکتے اے ظفر چاروں طرف

تھا نہ جب تک صنم ہوش ربا سے واقف
حق ہے واللہ نہ تھا بندہ خدا سے واقف

دے دیا ہم نے دل اپنا تجھے افسوس کہ ہم
اے دغا باز نہ تھے تیری دغا سے واقف

جانتے سب سے ہے لگ چلنے کے شیوے دنیا
پر نہیں ایک رہ و رسم وفا سے واقف

نہیں معلوم کہ ہے لعل و جواہر کیا چیز
ہم ہیں اس یار کی خاک کف پا سے واقف

جو مجھے کہتے ہیں دل اس کو دیا کیوں تو نے
نہیں اس شوخ کی وہ ناز و ادا سے واقف

کر دیا زلف نے کافر تری ہم کو آگاہ
ورنہ ہم اگلے تھے دام بلا سے واقف

میں ہوں بیمار محبت نہ کرو میرا علاج
اے طبیبو نہیں تم میری دوا سے واقف

ہائے کس شوخ ستمگر سے لگا دل اپنا
کہ نہ ہے مہر سے وہ اگاہ نہ وفا سے واقف

چلتے کیوں گل کی روش باغ جہاں میں غافل
اے ظفر ہوتے اگر یاں کی ہوا سے واقف

دیکھ کر اس قاتل سفاک کو خنجر بکف
عاشق سربازا پھرتے ہیں ہمیشہ سربکف

مے کشی کو کون آیا باغ میں اے عندلیب
جو صراحی در بغل غنچے ہیں گل ساغر بکف

ہم بدولت آنسوؤں کو دیکھتے ہیں عشق میں
چشم سے اپنی صدف کی طرح سے گوہر بکف

خوں کئے تو نے ہزاروں پھرتے ہیں سب داد خواہ
ہے ترے دست ستم سے اک جہاں محضر بکف

ٹپکے دریا میں ترے دل سوز کا گر اشک گرم
ہوں حبابوں کی جگہ گرداب کے اخگر بکف

آنکھ اٹھا کر بھی نہیں وہ دیکھتے ٹک بے دماغ
جو کہ نرگس کی طرح رکھتے ہیں سیم و زر بکف

دیکھئے قسمت کا لکھا ہو گا اس دن کیا ظفر
ہووے گا اعمال بد کا اپنے جب دفتر بکف

ہر رقم میں اس کا انداز رقم ہے مختلف
جو قلم سے اس کے نکلا یک قلم ہے مختلف

وہ جو پاس ان کے نہیں تھا جس کے باعث اختلاف
کچھ مزاج ان کا بہت آگے سے کم ہے مختلف

روبرو عارض کے تیرے روشنی خورشید کی
صاف مثل نور شمع صبحدم ہے مختلف

بات کا تیری بھروسا کیا کہ ہم نے لاکھ بار
قول کو پایا ترے بعد از رقم ہے مختلف

گاہ گریہ نالہ گاہے قلق گہ اضطراب
میرے دل کی حالت رنج و الم ہے مختلف

اک طرح پر ہوا گر ظلم و جفا کوئی سہے
اے ستمگر تیری ہر طرز ستم ہے مختلف

باغ عالم میں مناسب ہے بشر کو احتیاط
اے ظفر چلتی ہوا یاں دم بدم ہے مختلف

زلف کافر کا ہے ڈر دین کو ایماں کو خوف
چشم سفاک کا ہے دل کو خطر جاں کو خوف

بے دھڑک جاتے ہیں ہماور وہ بلاتے تھے ہمیں
ڈر نہ ہے صاحب خانہ کو نہ مہماں کو خوف

واہ کیا ایسا ہمارا غم حسرت نے خراب
دیکھ کر آئے ہے اس خانہ ویراں کو خوف

در جاناں سے ہوا پاؤں اٹھانا مشکل
آ گیا دیکھ کے جو صورت درباں کو خوف

کم ہو اندیشہ اگر کم ہو مآل اندیشی
جتنا دانا کو ہے اتنا نہیں ناداں کو خوف

گرچہ ہو دشمن جاں سارا زمانہ نہ ڈرے
ہاں مگر چاہیے اللہ کا انساں کو خوف

اے ظفر شافع محشر کی محبت ہو جسے
کیا ہو محشر کا پھر اس مرد مسلماں کو خوف

میں صبر کروں ہووے اگر ایک سے تکلیف
قسمت مجھے پہنچائے ہے ہر ایک سے تکلیف

ہیں چشم و نگاہ دونوں بلا کیونکر نہ پائے
دل ایک سے تکلیف جگر ایک سے تکلیف

جیسی کہ شب و روز مجھے دل سے ہے اپنے
ایسی تو نہیں آٹھ پہر ایک سے تکلیف

مہوش تو بہت سے ہیں مگر دل کو نہیں ہے
یاں تیرے سوا رشک قمر ایک سے تکلیف

رکھتے مجھے بے چین ہیں دونوں وہ رخ و زلف
شام ایک سے ہے رنج سحر ایک ایک سے تکلیف

عاشق ترے ہو جاتے ہیں دنیا میں ہزاروں
اٹھ سکی نہیں عشق کی ہر ایک سے تکلیف

یکساں نہیں عالم کوئی دشمن ہے کوئی دوست
ہے ایک سے راحت تو ظفر ایک سے تکلیف

ردیف القاف

نہیں ہے درد مجھے اور کچھ سوائے فراق
طبیب، تجھ سے اگر ہو تو کر دوائے فراق

بجھائے چشم سے دریا بھی وہ تو بجھ نہ سکے
جگر میں آگ کسی کے اگر لگائے فراق

ترے فراق زدوں کے مزار سے تا حشر
عجب نہیں کہ یہ نکلے صدا کہ ہائے فراق

فراق مجھ کو ستاتا ہے ہاں فراق کو میں
یوں ہی ستاؤں اگر میرے ہاتھ آئے فراق

وصال بھی جو میسر ہوا تو خوش نہ ہوا
غم فراق کے ڈر سے یہ بتلائے فراق

کیا خدائے جہان آفریں نے یہ پیدا
فراق میرے لئے اور مجھے برائے فراق

ڈرا نہ روز قیامت سے تو مجھے واعظ
کہ میں نے دیکھے ہیں کتنے ہی روز ہائے فراق

مزے سے کیا کوئی آگاہ ہو محبت کے
نہ جب تلک کہ ہو دل لذت آشنائے فراق

فراق و فرق میں اک حرف کا ہے فرق ظفر
جہاں ہے فرق دلوں میں وہیں ہے جائے فراق

ہو گا تہہ خاک بھی ساتھ جو دل کا قلق
جا کے ہلا دیں گے ہم ساتوں زمیں کے طبق

لعل مسی زیب پر اس کی جو ہے رنگ پان
ہوتے ہیں کیا کیا خجل دیکھ کے شام و شفق

حال شب غمرا سب نہیں جاتا لکھا
گرچہ سیہ ہوتے ہیں روز ہزاروں ورق

دل کے ہیں ٹکڑوں میں یوں ہو رہی مشغول اشک
جیسے گلستاں کا لیں طفل دبستاں سبق

اس کو خط کہکشاں تو نہ سمجھ رات کو
نالہ نے میرے کیا سینۂ گردوں کو شق

گو نہ زباں سے کہا راز محبت تو کیا
خشک ہے لب چشم تر زرد ہے منہ رنگ فق

لالہ و گل پر ظفر اوس سی پڑ جائے گی
دیکھ کے رخسار پر اس کے بہار عرق

جن کے دلوں میں فرق ہے ان کی زباں میں فرق
مطلب میں ان کے فرق ہے ان کے بیاں میں فرق

میں خاکسار اور فلک پر ترا دماغ
ہے مجھ میں تجھ میں جیسے زمیں آسماں میں فرق

پہلو سے ہو کماں کے گریزاں نہ کیونکر تیر
ہوتا ہے ہاں طبیعت پیر و جواں میں فرق

نے ہے تفاوت اس رخ پر نور و ماہ میں
نے مانگ میں ہے اور خط کہکشاں میں فرق

ہو کیا غم فراق سے حال آگے دیکھئے
کچھ آ گیا ابھی سے ہے تاب و تواں میں فرق

ہے اپنا فیض عشق سے پیری میں دلجوان
مطلق نہیں ہے اپنی بہار و خزاں میں فرق

ہاں ہے تو ہاں ظفر جو نہیں ہے تو ہے نہیں
نے کچھ نہیں میں فرق ہے اپنی نہ ہاں میں فرق

پڑ گیا دھیان سے اس بت کے مرے دھیان میں فرق
بت پرستی سے مری آ گیا ایمان میں فرق

دوں ترے ابروئے پر خم سے اسے کیا تشبیہ
کہ ہے اس تیغ اور تیغ صفاہان میں فرق

جیسے دیکھا ہے ترا جلوہ حیرت افزا
نہیں آئینہ میں اور دیدہ حیران میں فرق

جو کہ برسوں سے ہوں یک دل بہم ان میں اے چرخ
ڈالے ہے تفرقہ سازی تری اک آن میں فرق

اپنے بیمار محبت کی عیادت کے لیے
تو جو آتا تو نہ آتا تری کچھ شان میں فرق

اے جنوں ہاتھ سے تیرے نہ رہا آخرکار
چاک داماں میں اور چاک گریبان میں فرق

دور ہو یا وہ ہو نزدیک برابر ہے ظفر
جب کہ انسان سے آیا دل انسان میں فرق

کیا پیغامبروں نے کہیں تقریر میں فرق
جو خط و پرزہ کے ہونے لگا تحریر میں فرق

مطلع ثانی

نل جوہر کی جو کلفت سے ہو توقیر میں فرق
سبب رنگ کچھ قیمت شمشیر میں فرق

نید ہو گر دل دیوانہ عجب کیا کر نہیں
حلقہ زلف میں اور حلقہ زنجیر میں فرق

چارہ درد نصیبوں میں نہیں ہے ناچار
ورنہ کچھ چارہ گروں کی نہیں تدبیر میں فرق

متصل دل پہ لگاتا ہے وہ یوں تیر پہ تیر
دخل کیا اسے اگر دوسرے ہو تیر میں فرق

جو نصیبوں میں لکھا تھا وہی لکھا تو نے
کچھ ترے خط میں نہیں اور خط تقدیر میں فرق

ہمدموں پوچھو نہ مجھ سے سبب درد فراق
آ گیا نالہ دل کی مری تاثیر میں فرق

دیکھو کھچوا کے اگر غور سے دونوں کی شبیہ
میری اور قیس کی کچھ بھی نہ ہو تصویر میں فرق

اے ظفر عشق کی دولت سے ہے دل جن کا غنی
وہ سمجھتے نہیں کچھ چاک اور اکسیر میں فرق

ہے عاشق دلسوز سراپا شجر عشق
پھل جانا پھپھولوں سے ہے اس کا ثمر عشق

ہوتے نہ اگر قاصد اشک اپنے روا نہ
یاروں کو پہنچتی نہ ہماری خبر عشق

نکلے ہے جو یوں داغ بدل خاک سے لالہ
ہے زیر زمیں کیا کوئی لخت جگر عشق

تھرانے لگے آتش دوزخ تو عجب کیا
دکھلائے شرارت اگر اپنی شرر عشق

کیا فائدہ اشکوں کو اگر چشم میں روکا
ہے زردی رخسار سے ظاہر اثر عشق

بجلی گرے اے چرخ اگر اس پہ بلا سے
لیکن نہ پڑے دل پہ کسو کی نظر عشق

ہو گرچہ دماغ اس کا فلک پر تو بجا ہے
جو آپ کو سمجھے ہے ظفر خاک در عشق

ردیف کاف فارسی

سوزش عشق کی یوں ہے دل بیتاب سے لاگ
جس طرح آتش سوزاں کی ہو سیماب سے لاگ

آنکھ کس طرح لگے میری کہ تجھ بن ہر شب
خواب کو چشم سے ہے چشم کو ہے خواب سے لاگ

آبرو رکھی ہے دریا کو گر اپنی منظور
کبھو باندھے نہ مرے دیدہ پر آب سے لاگ

کام مسجد سے مجھے کیا مگر اس ابرو نے
شوق میں اپنے لگا دی مرے محراب سے لاگ

آپ کی زلف کے حلقہ سے دل اے لجہ حسن
اس شناور کو ہے اس حلقہ گرداب سے لاگ

دل لگے اور حسیں سے نہ مرا تیرے سوا
لگے جز شمع نہ پروانہ کی مہتاب سے لاگ

جام کوثر کو بھی وہ منہ نہ لگا دے ساقی
جس کے ہولب کو لگی جام مئے ناب سے لاگ

آنکھ اس رخ سے لگی یوں مری جیسے لگ جائے
گل خورشید کی خورشید جہاں تاب سے لاگ

کی ہے جس روز سے اعدا نے لگاوٹ اس سے
اے ظفر باندھی ہے اس شوخ نے احباب سے لاگ

حال اپنا کرے کیا ترا بیمار بیاں خاک
دم لینے کو بھی اس میں نہیں تاب و تواں خاک

نالوں سے مرے آب ہوئے سنگ و لیکن
اس کو نہ ہوا کچھ اثر آہ و فغاں خاک

جوں نقش قدم مل گئے یاں خاک میں لاکھوں
رکھا نہ فلک نے تو کسی کا بھی نشاں خاک

منعم کو مبارک رہے قالین و نہالی
ہے خاک نشینوں کے لئے فرش مکاں خاک

جو خاک قدم کو تری آنکھوں سے لگائیں
کیا ان کی نظر پر چڑھی کحل صفاہاں خاک

اے گریہ کبھی تجھ سے بجھے گی نہ یہ آتش
کر دے گا جلا مجھ کو مرا سوز نہاں خاک

کب رہتی ہمیشہ ہے بہار گل و گلشن
دو دن میں اڑا دے ہے ظفر باد خزاں خاک

یاروں نے ہماری پاسداری کی ترک
ہم نے یاروں کی اپنی یاری کی ترک

دنیا میں رہے ہم اہل دنیا سے الگ
دنیا داری کی بات ساری کی ترک

ہم شیوہ وفا کا ترک کرتے کیونکر
تو نے نہ کبھی ستم شعاری کی ترک

کی تو نے نہ قدر جانبازی میری
پر میں نے نہ اپنی جان نثاری کی ترک

غم بھی نہ ہو غم گسار میرا افسوس
اوروں نے تو میری غمگساری کی ترک

مضمون کمر کو باندھتے ہیں تیرے
ہم کیونکر کریں سخن کی باریکی ترک

جو کچھ تھا وہ ہم نے دل سے سب ترک کیا
لیکن نہ محبت اک تمہاری کی ترک

میں سوزش دل بجھاؤں کیونکر اپنی
چشموں نے بھی اب تو اشکباری کی ترک

جس دن سے دیا ظفر دل اس کو اپنا
اس دن سے نہ ہم نے آہ و زاری کی ترک

تھامتا ہے دل ہی میرا ہمدموں نالے کی جھوک
گرچہ زخم ہو نہ سنبھلے اس سے اس بھالے کی چوک

زلف کافر کھائے ہے جھوکے ہوا کے دیکھنا
کیا بلا ہے عالم مستی میں اس کالے کی جھوک

بارش گریہ نے ہے لا کر دیا پانی جھکا
ورنہ تھی اتنی کہاں مژگاں کے پرنالے کی جھوک

ڈر ہے صرصر سے یہی مجھ کو کہیں ایسا نہ ہو
آشیاں میرا گرا دے باغ میں ڈالے کی جھوک

تولے ہے سب کو برابر اپنی آنکھوں میں وہی
اس ترازو میں نہیں جس تولنے والے کی جھوک

پھول بالے میں پروئے تو نے کیوں اے نازنیں
گوش نازک سے سنبھلنے کی نہیں بالے کی جھوک

شاخ گل جیسے ہوا سے جھومتی ہے باغ میں
اے ظفر یوں چال میں اس تیرے متوالے کی جھوک

حسن ہے کیا ہی پری چہرہ بھی ہے حور کا ٹھیک
ہے بہر وجہ غرور اس بت مغرور کا ٹھیک

داغ دل سوختگاں کو نہ ہو بہبود نصیب
ایک نسخہ نہ بنے مرہم کافور کا ٹھیک

دل پہ آبلہ کو میرے وہ جب مستاز
کہتا ہے تاک ہے یہ خوشہ انگور کا ٹھیک

حق شناس ایسا نہ تھا کوئی جو یہ حق کہتا
خون ناحق نہ کرو قول ہے منصور کا ٹھیک

تار آہوں کا جو باندھے دل نالاں میرا
ہووے مطرب سے کبھی تار نہ طنبور کا ٹھیک

کیوں نہ لوں جام مئے ناب کے ساقی بوسے
اس میں انداز ہے اس نرگس مخمور کا ٹھیک

کیا آنکھوں سے محبت نے دم گریہ شوق
خانہ آب رواں عاشق مہجور کا ٹھیک

عکس سے مردمک دیدہ عاشق کے بنا
واہ کیا حال تمہارے رخ پہ نور کا ٹھیک

ان کے تو پاس نہ جا غیر کا ہے پاس انہیں
میرے نزدیک ہے اخلاص ظفر دور کا ٹھیک

واللہ بتوں نے ہم سے یاری کی ترک
پر ہم نے نہ ان کی پاسداری کی ترک

ہم خاک میں مل گئے بلا سے لیکن
اس در کی نہ ہم نے خاکساری کی ترک

دیتا نہیں تو جام تو ساقی ہم نے
لے آج ہی سے شراب خواری کی ترک

سو بار خفا ہوئے نہ چھوڑا ملنا
کیوں آمد و رفت اب کی باری کی ترک

کچھ آپ نے قدر جاں نثاروں کی نہ کی
اس پر بھی نہ ہم نے جاں نثاری کی ترک

میں غم ہی کو جانتا ہوں اپنا غمخوار
یاروں نے تو میری غمگساری کی ترک

سو بار برس کے تھم گیا مینہ لیکن
آنکھوں نے مری نہ اشکباری کی ترک

دشمن کیا اپنا اک جہاں کو ہم نے
لیکن نہ تمہاری دوستداری کی ترک

جس دن سے کہ دم تری محبت کا بھرا
اک دم نہ ظفر نے آہ و زاری کی ترک

دیئے جو پر مرے صیاد نے اکھاڑ کے پھینک
صبا و تو نے دیئے سب چمن سے جھاڑ کے پھینک

کس اشتیاق سے لکھا تھا میں نے خط قاصد
دیا بغیر پڑھے اس نے چیر پھاڑ کے پھینک

جہاں میں میں ہوں وہ دیوانہ جس پہ لڑکوں نے
تمام پتھر اٹھا کر دیئے پہاڑ کے پھینک

یہ سر پہ باندھے ہے دستار کیا سنوار کے تو
کہ ربط دیں گیا ہے زاہدا بگاڑ کے پھینک

اس اپنے شیفتہ کو سنگسار کر لیکن
نہ کنکر اور پہ تو ساتھ چھیڑ چھاڑ کے پھینک

وہ میری لاش کو گاڑے نہ اپنے کوچہ میں
اگر گڑی بھی ہو تو اس کو دے اکھاڑ کے پھینک

مجھے نکال کے بستی سے میری وحشت نے
دیا ہے اب تو ظفر درمیاں اجاڑ کے پھینک

ردیف اللام

واہ کیا زلف بت بے پیر کے حلقے ہیں گول
دیکھ کر جن کو بنے زنجیر کے حلقے ہیں گول

آسمان پہ یہ نہیں ہالے مہ خورشید کے
دونوں اس شقف کہن تعمیر کے حلقے ہیں گول

واسطے عاشق کے ہیں گرداب دریائے فنا
وہ جو اس کے جوہر شمشیر کے حلقے ہیں گول

کہتے ہیں چشم و دہن جن کو وہ میرے دھیان میں
دام حسن عالم تصویر کے حلقے ہیں گول

ہم ہجوم زخم ہی کو تن پہ سمجھے ہیں زرہ
گول یہ روزن نہیں ہیں تیر کے حلقے ہیں گول

عین شفقت سے بنائے شہسوار ان کو رکاب
یہ جو دونوں دیدہ نخچیر کے حلقے ہیں گول

گرد روئے خوبرو یاں دیکھنا ہنگام خط
کیا بنے پرکار سے تقدیر کے حلقے ہیں گول

گل جو کھائے تیرے چھلوں کے تو کیا ہے خوشنما
ہاتھ پہ اس عاشق دلگیر کے حلقے ہیں گول

دل کو ان کانوں کے بالوں نے کیا حلقے بگوش
اے ظفر کچھ یہ عجب تاثیر کے حلقے ہیں گول

جو ہوتے ہم نہ جہان خراب میں داخل
تو ہوتے کاہے کو رنج و عذاب میں داخل

ترے شہید کی قاتل نماز ہوتی ہے
شریک ہو کے ہو تو بھی ثواب میں داخل

جو تیری چشم ہو بیدار ، دل بھی ہو بیدار
نہیں تو جاگنا ہے تیرا خواب میں داخل

حساب کیا جو دس ہیں دو گے بوسہ ہمیں
تم ایک دو کو نہ رکھو حساب میں داخل

بھرے ہیں چشم میں اعجاز عشق سے یہ اشک
وگرنہ کیونکر ہو دریا حباب میں داخل

کلام تلخ سے کیا کام لعل میگوں کو
کرے ہے زہر کو کیوں تو شراب میں داخل

رہے جہاں میں نہ باقی سفید ایک ورق
جو میرا قصہ غم ہو کتاب میں داخل

بچا تھا کچھ ترے رخسار سے ازل میں نور
ہوا وہ چشم مہ و آفتاب میں داخل

اگر جواں ہو دل پیر عشق کی دولت
تو اے ظفر ہے وہ تیرے شباب میں داخل

نہیں کہتے کہ جا تو بات کا کہنا ہے لا حاصل
اگر کہنے کا موقع ہے تو چپ رہنا ہے لاحاصل

کہا مجنوں نے تیرے پہن کر طوق سلاسل کو
کہ اس گہنے کے آگے اور سب گہنا ہے لاحاصل

جو حاصل ہوتا مطلب کا نہیں موقوف کہنے پر
تو پھر کہنے کا لینا نام کیا کہنا ہے لا حاصل

جنوں کے ہاتھ سے ہوتا ہوں جا کر تنگ میں واں بھی
مرے نزدیک دامن دشت کا پہنا ہے لاحاصل

سدا ہے کروفر عاشق کے آہ و نالہ دل سے
سمجھنا کرنا بیجا ہے وہ سہنا ہے لاحاصل

نہ لے جائیں بہا کر مجھ کو گریہ اس کے در تک بھی
تو پھر ان آنسوؤں کا چشم سے بہنا ہے لاحاصل

فلک کے ہاتھ سے کلفت اگر روشن فقیروں کو
نہ ہو حاصل تو مہر و ماہ کا کہنا ہے لاحاصل

حمائل کر گلے میں اپنے میرا دست گل خوردہ
گلوں کا ہار تو نے رشک کا پہنا ہے لاحاصل

نہ جانے ظلم سہنے پر بھی گر وہ قدر عاشق کی
ظفر تو اس ستم گر کا ستم سہنا ہے لاحاصل

جبکہ دل ہی نہ ملے ماہ جبیں کیا حاصل
ساتھ شکووں کے چناں و چنیں کیا حاصل

گرچہ ہمسر ہے ہر اک آہ حا سے لیکن
دل کو منظور سہارا ہی نہیں کیا حاصل

اے کماندار نہ سینہ سے مرے تیر نکال
جائے گی ساتھ نکل جان حزیں کیا حاصل

زلف مشکیں سے تری اپنا معطر ہے مشام
کیوں پھریں ڈھونڈتے ہر ناقہ چیں کیا حاصل

گور عاشق پہ نہ لا غیر کو اپنے ہمراہ
ہو جو بے چین کوئی زیر زمیں کیا حاصل

نظر آئی نہ تری شکل اگرچہ ہم کو
روکا آنکھوں میں دم باز پسیں کیا حاصل

کیوں ملاتا ہے ہمیں خاک میں ظالم باز آ
اس سے ہو گا تجھے اے چرخ بریں کیا حاصل

دل و جاں دیتے ہیں انکار کسے ہے لیکن
جب محبت کا نہیں تم کو یقیں کیا حاصل

اے ظفر دل ہے جو دور وہ میرے نزدیک
گرچہ ظاہر میں نہایت ہے قریں کیا حاصل

موباف اس کے جعد شکن در شکن میں لال
گویا زباں ہے مار سیہ کے دہن میں لال

فرقت میں تیرے ٹپکے جو آنکھوں سے اشک خوں
دھبے سے جا بجا ہیں مرے پیرہن میں لال

کشتہ کو تیرے دست حنائی کے بعد غسل
دیکھا تو خوں سے تھا وہ سراپا کفن میں لال

جوش جنوں عشق سے ہے یہ فساد خون
چٹے سے پڑ گئے ہیں سراسر بدن میں لال

حاضر ہیں میرے لخت دل و پارہ جگر
منظور ہو تجھے اگر نورتن میں لال

پہنچی فلک پہ تیرے شہیدوں کی اڑ کے خاک
پیدا شفق نہ کیونکر ہو چرخ کہن میں لال

سنگ عقیق لب سے ترے کیا عجب اگر
بک جائے رنگ سرخ کی قیمت یمن میں لال

حسرت سے لالہ کیونکر نہ ہو جائے غرق خون
جوڑا پہن کے آئے جو وہ گل چمن میں لال

بوسہ جو لعل لب کا کل ان سے طلب کیا
کیا کیا ظفر وہ مجھ پہ ہوئے انجمن میں لال

جب فکر ان بھوؤں کی کرے شان میں ہلال
منہ ڈالے کیوں نہ اپنے گریبان میں ہلال

آنے سے تیرے باغ میں کیا عید ہو گئی
شاخ خمیدہ ہے چمنستاں میں ہلال

کس مہ جبیں کے عشق میں جوگی بنا ہے یہ
مندرا فلک کے ڈالے ہے جو کان میں ہلال

منہ کیا کہ سامنے ترے ابرو کے آ سکے
شمشیر اپنی کھینچ کے میدان میں ہلال

پہنچا نہ زیر پا ترے جوں نعل کفش پا
اے مہ جبیں رہا اسی ارمان میں ہلال

چڑھ جائے میرے اشک کا دریا تو کیا عجب
کشتی ڈبوئے چرخ پہ طوفاں میں ہلال

یہ بھی ہے ایک ناخن پا اس کا اے ظفر
اس ماہ وش کے چڑھتا ہے کب دھیان میں ہلال

دیکھے جس وقت تری زلف پریشاں میں بل
پڑے اک تار سے سو تار رگ جان میں بل

بحر مواج سے بہتر اسے جانو جو کبھی
پڑے غصہ سے نہ پیشانی انسانی میں بل

قیس و فرہاد کو کیا تاب کو آگے میرے
کر سکیں ایک ذرا عشق کے میدان میں بل

نیش کژدم کجی دے ابھی اک دم میں نکال
اتنا ہے گونج کو بالے کے ترے کان میں بل

یہ بھی کچھ پیچ نوشتہ ہی کا ہے اپنے کر ہیں
ناوک انداز ترے جوہر پیکان میں بل

زور گریہ کا ہمارے تمھیں دیکھا اس نے
آ گیا اس سے ہے کچھ موجہ طوفان میں بل

آدمی خاک کرے بلکہ اجل کے آگے
اے ظفر اس کا نکل جائے ہے اک آن میں بل

تیرا ایوان ہے کیا روضہ رضوان کی نقل
بلکہ ہے روضہ رضواں ترے ایوان کی نقل

ماہ نو جس کو بتاتے ہیں وہ ہے جلوہ نما
اے مہ زہرہ جبیں تیرے گریبان کی نقل

بے دوات و قلم اس روئے کتابی کا خیال
کرتا ہے کیا دل سیپارہ میں قرآن کی نقل

زلف کیا کیا تری ہوتی ہے پریشاں سن کر
دل سوداز دہ کے حال پریشان کی نقل

لی ہے عکس خط رخسار سے آئینہ نے
اے شہ حسن ترے حسن کے فرمان کی نقل

کرتی ہے کعبہ سمجھ کر جسے اک خلق طواف
ہے وہ دراصل دل حضرت انسان کی نقل

ہے ترے فیض سخن سے وہ سخن ور کامل
جس نے اک بار ظفر کی ترے دیوان کی نقل

کیا اک بوسہ پہ دل عاشق بدحال کا مول
کچھ سوا کہتا نہیں مانگتا ہے مال کا مول

مطلع ثانی

ہائے کیا مشک تری زلف خط و خال کا مول
چین و تاتار نہ جب دونوں ہوں اک بال کا مول

کیا عجب شوق اسیری میں جو مرغان اسیر
بیچ کر آپ کو فساد کے دیں جال کا مول

دل کو بکوا ہی دیا چشم نے اس یار کے ہاتھ
پھر سکا نہ پھر نہ چکایا ہوا دلال کا مول

قدر یوں الفت دیرینہ کی دی اس نے دکھا
جیسے ہو جائے ہے کم جنس کہن سال کا مول

لایا دامن میں گہر بھر کے مگر دے نہ سکا
ابر نیساں دم گریہ مرے رومال کا مول

ہو کے دنیا سے سبکدوش نہ منعم نہ فقیر
کہیں کمبل ہے گراں اور کہیں شال کا مول

دل بلاؤں میں پھنسا زلف کا ہو کر خواہاں
لیتا سودا کوئی ایسا بھی ہے جنجال کا مول

ماہ نے جمع کیا سیم ظفر مہر نے زر
پھر جو دیکھا تو نہیں یار کے اک گال کا مول

سوز غم میں یہ بلا اس بت بے پیر کے پھل
دل و جگر دونوں گئے عاشق دلگیر کے پھل

باغ عالم میں ہیں جو مرد کر خواہان نبرد
پھول بھاتے ہیں سپر کے انہیں شمشیر کے پھل

کھائے ہے شاخ کمان سے ترے لے لے کے مزے
دل مرا جان کے پیکان کو ہر تیر کے پھل

باغ دل میں شجر آہ لگائے ہم نے
لیکن افسوس لگے ان میں نہ تاثیر کے پھل

ہے ذقن سیب کا پھل اور ذقن پہ تیرے
خال مشکیں جو کئی ہیں وہ ہیں انجیر کے پھل

رکھے اس باغ میں بے فیض سے کیا چشم ثمر
کہ نہیں کھاتا کوئی نخل سے تصویر کے پھل

پھل ستاروں کا منجم سے ظفر کیا پوچھو
سب وہ کرتے ہیں موافق مری تقدیر کے پھل

عرق میں ہے گل رخسار کے گلاب کا میل
شمیم زلف میں ہے بوئے مشک ناب کا میل

بغیر اشک پیا جائے کیوں نہ خون جگر
کہ ہوتا آب سے ہے تیز تر شراب کا میل

جو رہتے گرم طپش ہیں شرار و شعلہ و برق
کچھ ان میں بھی ہے مرے دل کے اضطراب کا میل

فروغ حسن میں ہے نشہ شراب کو دخل
نمود صبح میں ہے نور آفتاب کا میل

ہمارا میل ہو کیا اس سے جس کی باتوں میں
کبھی ہو لطف کا میل اور کبھی عتاب کا میل

نہ کوہ کن سے ملے دل مرا نہ مجنوں سے
نہیں کسی سے بھی اس خانماں خراب کا میل

دل برشتہ پہ مائل ہیں وہ لب میگون
کہ ہے شراب کا اور اے ظفر کباب کا میل

ردیف المیم

یہ جو تم کھاتے ہو خدا کی قسم — ہے دروغ اے بتو خدا کی قسم
پھرتے ہیں مہر و مہ جو سرگرداں — ہے تری جستجو خدا کی قسم
کھول دیتے ہیں میرے نالہ و آہ — راز پوشیدہ کو خدا کی قسم
پہنچے منزل پہ ہمسفر اور ہم — گئے غفلت میں سو خدا کی قسم
جاؤ غماز کی نہ باتوں پہ — ہے وہ بیہودہ گو خدا کی قسم
یہ جو تم دیکھتے ہو غفلت میں — خواب ہے غافلو خدا کی قسم
مہر کیا ذرہ کیا کہ ہے سب میں — جلوہ یار لو خدا کی قسم
شمع میں ہے وہی تجلی نور — گل میں ہے وہ ہی بو خدا کی قسم

ظفر اس سے نہ کر زیادہ کلام
کہ وہ ہے تند خو خدا کی قسم

نکلے گریہ سے اگر تیرے حزینوں کے کام — کریں اک روز میں وہ بارہ مہینوں کے کام
کام کرتا شرفا کا جو فلک ہوتا شریف — یہ کمینہ ہے جو کرتا ہے کمینوں کے کام
طمع و حرص و ہوا نے کیا انساں کو خراب — کہ ہے یہ ساری خرابی انھیں تینوں کے کام
دولت عشق سے ہے سینہ جواہر خانہ — دل کے ٹکڑے مرے کرتے ہیں نگینوں کے کام
کرتا ہے حسن کی پندار سے اب تو جو ستم — کیا کبھی ہوتے ہیں اے شوخ حسینوں کے کام
روشن نقش قدم خاک میں ملتے ہیں سدا — تیرے کوچہ میں ہیں یہ خاک نشینوں کے کام

اے ظفر ایک بھی کام اس کا قرینہ سے نہ ہو
بے قرینہ کرے گر لاکھ قرینوں کے کام

ہیں نشے میں مست جو ہم ساغر مئے الفت کے ہم — عمر کرتے ہیں بسر کب ساتھ کیفیت کے ہم
آ گئی صورت نظر کس عالم تصویر کی — صورت تصویر جو عالم میں ہیں حیرت کے ہم

قتل کرتی ہیں مجھے اس کی رسیلی آنکھیں
رہتی ہے خوں سے مری روز رنگیلی آنکھیں

شدت گریہ سے کس وقت جدائی میں تری
آستیں کو نہیں رکھتی میری گیلی آنکھیں

نوک جھوک ان کی چلی جائے ہے دل سے میرے
کتنی مژگان ہیں بلا تیری نکیلی آنکھیں

ڈورا کاجل کو جو ہے وہ رسن گردن دل
کیا تماشا ہو اگر چھوڑ دیں ڈھیلی آنکھیں

کھل گئیں جلوہ رخسار تیرا دیکھتے ہیں
مہر و مہ کی بھی سر گنبد نیلی آنکھیں

نہیں ان کافروں سے نیم نگہ کی بھی امید
مجھ سے رکھتے ہیں ترے ہیر بخیلی آنکھیں

دل کے لینے ہی کے سو ڈھب ہیں انہیں یاد ظفر
اس ستم گر کی قیامت ہیں ڈھیلی آنکھیں

آہ و فغاں یا نالے پیہم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں
تم کو کیا تنہائی میں ہم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

وہ بے پروا ان کی بلا سے کوئی جئے یا کوئی مرے
ظلم و ستم عشاق پہ ہر دم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

چاک گریباں ٹکڑے داماں بال پریشاں خاک بسر
اپنا جنوں سے ہے یہ عالم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

مجھ سے خفا کیوں میری خطا کیا ہے تو تصور دیدہ دل
مشورہ دونوں کر کے باہم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

کرتے ہیں بحر کو غرق خجل کرتے ہیں ابر کو شرم سے آب
اشک ترے اے دیدہ پرنم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

کرتے کبھی ہیں جیب دریدہ کرتے کبھی ہیں نوحہ گری
گھر جو ہے تم بن خانہ ماتم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

ہم سے کسی کو کام ظفر کیا کر کے شق ہم اپنا جگر
بھرتے نمک ہیں یا ہم مرہم چاہتے ہیں سو کرتے ہیں

دل کیوں نہ روشن اس کے ہو ورد درود میں
دیکھا خدا کے نور کو جس کے وجود میں

مطلع ثانی

مثل حباب دیکھ محیط وجود میں
اتنی ہوا نہ باندھ تو آ کر نمود میں

سوزش انہیں کے واسطے ہے جو ہیں اہل درد
کیوں آگ میں جلے جو نہ خوشبو سوود میں

سودائے عشق میں کبھی پائی نہ منفعت
کیا کیا ضرر اٹھائے تمنائے سود میں

بھڑکے ہے سوز عشق سے ہر استخوان تن
دل جل رہا ہے آتش ذات الوقود میں

مستی ہماری کم نہیں طاعت سے زاہدا!
رہتے ہیں پائے خم یہ ہمیشہ سجود میں

خالی نہیں ہے اس سے کوئی حد کوئی جہت
ہر چند وہ نہیں ہے حیات و حدود میں

گو بن گیا ہوں سوکھ کے کانٹا سا میں حقیر
لیکن کھٹکتا اب بھی ہوں چشم حسود میں وہ

وہ کھیل کھیل جس سے بنے کچھ وہاں کا کھیل
کیا فائدہ یہاں کے ظفر کھیل کود میں

چوسے لب میگوں دم خواب ایسے مزے میں
پی تھی نہ کبھی ہم نے شراب ایسے مزے میں

اس روئے کتابی کا ہے آنکھوں میں تصور
ہم دیکھتے ہیں دیکھو کتاب ایسے مزے میں

جو ہم نے مزا عشق کا پیری میں اٹھایا
گزرا نہیں اوروں کا شباب ایسے مزے میں

ساقی مری توبہ کے ٹھہرنے کے نہیں پاؤں
گر جھومتا آئے گا سحاب ایسے مزے میں

پروا ترے زخمی کو نہیں آب بقا کی
رکھتی ہے تری تیغ کی آب ایسے مزے میں

جیسا کہ دل سوختہ ہے اپنا مزے دار
رہتا ہے کہاں جل کے کباب ایسے مزے میں

پوچھوں ہ یہ تم بوسے لئے کتنے مزے سے
رہتا ہے کسے یاد حساب ایسے مزے میں

چھٹتا ہے مزا عشق کا ہم سے کوئی ناصح
آئے نہیں ہم خانہ خراب ایسے مزے میں

ہوتے ہی نشہ کیونکر نہ کھل جائے وہ ہم سے
رہتا ہے ظفر کوئی حجاب ایسے مزے میں

ڈھے گئے بن بن کے دنیا میں مکاں بہتوں کے ہیں
اے فلک تو نے مٹائے یاں نشاں بہتوں کے ہیں

حال دیوانوں کا اپنے پوچھ خار دشت سے
یعنی افسانے اسے نوک زباں بہتوں کے ہیں

ہر قدم پر تیری انداز خرام ناز نے
دل کئے پامال اے سرو رواں بہتوں کے ہیں

آشنائی کا بھروسا کیا تمہاری ہو مجھے
ہو چکے آپ آشنا اے مہرباں بہتوں کے ہیں

اس چمن میں میری برق نالہ پر سوز سے
جل گئے اے ہمصفیر و آشیاں بہتوں کے ہیں

محفل عشرت میں بھی سا قاتل سفاک کے
کٹ گئے سر بیٹھے بیٹھے شمع ساں بہتوں کے ہیں

عشق میں اس ماہ کے میں ہی نہیں اک دلفگار
چاک سینہ اے ظفر مثل کتاں بہتوں کے ہیں

رہے ہے غیر ہم سے ہم پیالہ آپ کے گھر میں
پلاتے شیر بکری کو ہو پانی ایک ساغر میں

لب شیریں پہ اس کے یوں ہے خال عنبریں جیسے
مگس رہ جائے ہے گر کر قوام قند و شکر میں

جو رنگ شیشہ ساعت کو دیکھو تم یقین جانو
کدورت کی بھی حالت ہے طبائے مکدر میں

جگر کے آبلے جی میں ہجوم داغ دل لشکر
یہ سیدھا چاک سینہ ہے نشان اس غم کے لشکر میں

عرق کی بوند اس کے زیر ابرو دیکھ کر ہم نے
یہ جانا ہے کوئی قندیل بیت اللہ کے در میں

دکھائے اپنے چشم مست کی گردش اگر ساقی
تو آئے زاہد گوشہ نشیں کی عقل چکر میں

جگے مقتل میں کیونکر موتیا کے غنچے حیراں ہوں
عرق کے دیکھ کر قطرے تری شمشیر میں

نہیں ہوتا ہے وہ آرام جاں جس رات ہم بستر
تو ہو جاتے ہیں میرے تار بستر خار بستر میں

بظاہر گو نہ مجھ پر گرم ہو وہ سنگدل لیکن
ظفر یہ جانتا ہوں میں نہاں ہے آگ پتھر میں

کفر سے ایماں ملا اس ملک ہستی میں ہمیں
حق پرستی ہاتھ آئی بت پرستی میں ہمیں

کر دیا ہی تھامئے پندار نے ہم کو خراب
ہوش بار سے آ گیا جلدی سے مستی میں ہمیں

نیم غمزہ پہ بھی گر سودا ہودل کا وہ کہیں
نفع کچھ ہرگز نہیں اس جنس سستی میں ہمیں

اونچ نیچ اچھی جتائی خوب بچھیکا چرخ نے
گہ بلند پہ ہمیں اور گاہ پستی میں ہمیں

ابر باراں میں سوا ہوتا ہے مئے نوشی کا لطف
ساقیا دے جام مے بدلی برستی میں ہمیں

جوش وحشت کے ہماریاور ہی کچھ ڈھنگ ہیں
رہنے دے گا یہ جنگل میں نہ بستی میں ہمیں

ظاہر گو نہ مجھ پہ گرم ہووہ سنگدل لیکن
ظفر یہ جانتا ہوں میں نہاں ہے آگ پتھر میں

کفر سے ایمان ملا اس ملک ہستی میں ہمیں
حق پرستی ہاتھ آئی بت پرستی میں ہمیں

کر دیا ہی تھامئے پندارنے ہم کو خراب
ہوش بارے آ گیا جلدی سے مستی میں ہمیں

نیم غمزہ پہ بھی گر سودا ہو دل کا وہ کہیں
نفع کچھ ہرگز نہیں اس جنس سستی میں

اونچ نیچ اچھی جتائی خوب بچھیکا چرخ نے
گہ بلند پہ ہمیں اور گاہ پستی میں ہمیں

ابر باراں میں سوا ہوتا ہے مئے نوشی کا لطف
ساقیا دے جام مے بدلی برستی میں ہمیں

جوش وحشت کے ہمارے اور ہی کچھ ڈھنگ ہیں
رہنے دے گا یہ نہ جنگل میں نہ بستی میں ہمیں

اے ظفر جو کچھ کئے ہم نے زبردستی میں کام
ان کےبدلے مل رہے ہیں زبردستی میں ہمیں

جاؤتم کہیں ایسا تو ہوسکتا نہیں
اور نہ میں پہنچوں وہیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

چھیڑوں چین زلف کو میں اور نئی تقصیر پہ
ہو نہ وہ چیں بر جبیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

کیا ہوا گو حسن یوسف شہرہ آفاق ہے
تو ہے پہ جیسا حسیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

نے عنایت نے نوازش کیونکہ اس کافر کو میں
دوں دل و ایمان و دیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

زلف کے حلقے میں بھی جیسا رخ روشن ترا
ماہ بھی ہالہ نشیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

جائے تو بالیں سے میرے اور نہ جائے تیرے ساتھ
میری یہ جان حزیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

میں ہوں ایسا چاہتا دل ہو نہ اس پہ مبتلا
کیا کہوں پہ ہم نشیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

سینہ کاوی یاں کرے کوئی نہ جب تک اے ظفر
ناسور ہو جائیں نگیں ایسا تو ہو سکتا نہیں

وہ دن گئے زلف بت کافر میں آ پہنچے تو ہیں
شام کو شامت زدہ پر گھر میں آ پہنچے تو ہیں

کوئی دن میں دیکھنا لخت جگر میں آئیں گے
تیر غم اپنے دل مضطر میں آ پہنچے تو ہیں

جائیں گے تو جان کو بھی ساتھ ہی لے جائیں گے
پھر برنگ بوئے گل دم بھر میں آ پہنچے تو ہیں

تیری جانب جب کیا ہے ہم سبکدوشوں نے قصد
نام ان کے عشق کے دفتر میں آ پہنچے تو ہیں

ہوں گے سر دفتر کہاں میری طرح فرہاد و قیس
گرتے پڑتے کوچہ دلبر میں آ پہنچے تو ہیں

اضطراب دل کے ہاتھوں ہم ضعیف و ناتواں
میں نے جب چاہا وہ آئیں بر میں آ پہنچے تو ہیں

کیونکر ہوں قربان اس اپنے تصور کے نہ میں
دیکھئے کیا ہووے اس لشکر میں آ پہنچے تو ہیں

دل یہ کہتا ہے ہجوم رنج و غم کو خیر کچھ پروا کہ نہیں پر واسطے جلنے کے ہم
اے ظفر بزم پری پیکر میں آ پہنچے تو ہیں

رکھتے کیا بانکے نہیں شمشیر و خنجر اور ہیں
لیکن اس کی ابرو پر خم کے جوہر اور ہیں

مطلع ثانی

کرتے ہم مضمون سوز دل بیاں گر اور ہیں
آگ ہو جاتے ابھی اس کو وہ سن کر اور ہیں

جب چھری کرتا ہے وہ بیداد گر اوروں پہ تیز
لگتی مرچیں سی مرے زخم جگر میں اور ہیں

لگتے ہیں خنجر ترے جس وقت پہلو میں مرے
طائر جاں کے مرے لگجاتے شہپر اور ہیں

دیکھ فرہاد ستم سے ترے ہم کرتے ہیں کیا
چپ ابھی کچلی میں تا بہ محشر اور ہیں

دیکھتا ہے آج وہ ہم کو نگاہ قہر سے
یاالٰہی خیر ہو قاتل کے تیور اور ہیں

کوہ کو پانی نہ کر اے نالہ خارا گداز
مارنے سر سے ہمیں دوچار پتھر اور ہیں

خم کے خم خالی کئے ساقی سے لیکن اب تلک
ہم کئے جاتے طلب ساغر پہ ساغر اور ہیں

پیرو عشق جنوں کو کیا غرض ہے خضر سے
راہ ان کی اور ہے اور ان کے رہبر اور ہیں

اہل بخشش سے برابر ہوں کہاں سنجیدہ طبع
سرو موزوں ہے تو کیا نخل ثمر ور اور ہیں

جو ہے دل پر وہ منہ پر لاتے ہیں آئینہ دار
ہم نہیں ہیں وہ کہ دل میں اور منہ پر اور ہیں

خوبی جوہر سے پائے ہے ہر اک شے امتیاز
لعل بھی پتھری ہیں لیکن وہ پتھر اور ہیں

سوز غم سے جل کے خاکستر تو ہوں میں ہو چکا
ہے جو گرمی سے رہی شاید کچھ اخگر اور ہیں

شعلہ آہ و فغاں سے ہم سر چرخ کہن
دیکھتے ہر شب عیاں تابندہ اختر اور ہیں

ہم قناعت کو تری دولت سمجھتے ہیں ظفر
ڈھونڈتے تھے جو زر کو ہیں وہ طالب زر اور ہیں

ابھی زاہد نہیں آیا ہے میخواروں کے قابو میں
چکھائیں گے مزا گر آ گیا یاروں کے قابو میں

منافعکو سمجھا حضرت عشق اپکی دولت
پھنسی ہے جنس دل جا کر خریداروں کے قابو میں

ابھی مر جائیں یاں تک زندگی سے تنگ ہیں لیکن
نہیں ہے موت اپنی تیری بیماروں کے قابو میں

وہ چشم مست آہو ہیں کہ تیرے سامنے ظالم
نہیں رہتے ہیں بالکل ہوش ہشیاروں کے قابو میں

نگاہ و ناز انداز و ادا سے دل بچے کیونکر
کہ یہ تو آ گیا بیچارہ ان چاروں کے قابو میں

کہیں ہیں مردم دیدہ مرے اشکوں سے رو رو کر
کہ اب تو آ پڑے ہم مردم آزاروں کے قابو میں

ظفر بچنا ہی رہیو دیکھ اہل صومعہ سے تو
خدا کے واسطے آنا نہ مکاروں کے قابو میں

نیند اس فکر میں یاں رات بھر آج آئی نہیں
کہ ہوا کیا جو وہاں کی خبر آج آئی نہیں

صبح مشہ دیکھا تھا کس کا کہ رہا ہم کو یہ رنج
تیری صورت کی سی صورت نظر آج آئی نہیں

جوش گریہ سے ترے کل تو رواں تھا دریا
بوند اک اشک کی اے چشم تر اج آئی نہیں

کیا چمن سیک ہیں سب اڑ گئے گلہائے چمن
بس کے پھولوں میں جو باد سحر آج آئی نہیں

کل کہا کس نے تھا کل آئیں گے اور آئے آج
دل کو کل میرے جو اک لحظہ بھر آج آئی نہیں

کیونکر جانوں کہ مجھے یاد کیا تھا تو نے
کوئی ہچکی بھی تو اے عشوہ گر آج آئی نہیں

ہو گیا عشق میں ہے ضعف یہاں تک تم کو
اہ بھی لب پہ تمہاری ظفر آج آئی نہیں

دوست اپنے کچھ نہ کچھ آ کر خبر دیتے تو ہیں
واں کی باتوں سے ہمیں آگاہ کر دیتے تو ہیں

کیوں نہیں لیتے لب و دنداں کے بوسہ کے عوض
اشک و لخت دل کے ہم لعل و گوہر دیتے تو ہیں

ہم تو اے میرے ملامت کھول دیتے ہیں کان
کان جو سکتے ہیں تیرے کان بھر دیتے تو ہیں

دیکھئے کیا پیش آتا ہے لکھا تقدیر کا
لکھ کے ہم نامہ تجھے اے نامہ بر دیتے تو ہیں

یاد رکھنا ایک دن بوسہ بھی لے ہی لیں گے ہم
آپ ہم کو گالیاں ہر بات پر دیتے تو ہیں

اے خدنگ یار کیوں سینہ سے نکلا جائے ہے
ہم ترے رہنے کو اپنے دل میں گھر دیتے تو ہیں

دیکھیں دیتا ہے ہمیں نخل محبت کیا ثمر
ہم اسے اشکوں سے پانی چشم تر دیتے تو ہیں

تم جو کہتے ہو کہ تم کیا دو گے سر اپنا ہمیں
لیجئے حاضر ہے سر ہم اپنا سر دیتے تو ہیں

ہم کو ڈر ہے لے کے وہ دل جان کا خواہاں نہ ہو
آہ اس بے مہر کو دل اے ظفر دیتے تو ہیں

جانِ عالم ہو کوئی کیوں کر جدا رکھے تمہیں ۔۔۔ زندگی ہے اے بو تم سے خدا رکھے تمہیں

مطلع ثانی

خودنما ہو تم کوئی پردے میں کیا رکھے تمہیں ۔۔۔ وہ رکھے در پردہ جو دل میں چھپا رکھے تمہیں
حضرت دل کیا کروں میں خود ہے الٹی آپ کی ۔۔۔ تم اسی سے رہتی ہو خوش جو خفا رکھے تمہیں
ناصحو جانو مرا تم حال گرچہ زلف یار ۔۔۔ ایک دو دن بھی گرفتار بلا رکھے تمہیں
درد اٹھے اس طرح سے دل میں پھر کیوں دمبدم ۔۔۔ اپنے پہلو میں اگر عاشق بٹھا رکھے تمہیں
تم تو ہو عیار لیکن وہ بڑا عیار ہے ۔۔۔ اس بگڑنے پہ جو یار اپنا بنا رکھے تمہیں
نکلے دم جب تک کے میرا آہ بالیں پر مرے ۔۔۔ کوئی ایسا ہو کہ باتوں میں لگا رکھے تمہیں
خط تو میں لکھتا ہوں لیکن یہ مجھے رہتا ہے ڈر ۔۔۔ کوئی دشمن کچھ نہ پہلے سے پڑھا رکھے تمہیں

اس کے حسن حیرت افزا کو جو دیکھے اے ظفر
عمر بھر آئینہ ساں و چشم وا رکھے تمہیں

کیا کہیں ان سے بتوں میں ہم نے کیا دیکھا نہیں ۔۔۔ جو یہ کہتے ہیں سنا ہے پر خدا دیکھا نہیں
جس سے دیکھا ہے ترے ابرو کو ہم نے مہ جبیں ۔۔۔ ماہ کو تو آسماں پر آنکھ اٹھا دیکھا نہیں
پہلے ہی سے حسن کا اپنے ہے تجھ کو اک غرور ۔۔۔ آئینہ تو نے ابھی اے خود نما دیکھا نہیں
خوف ہے روز قیامت کا تجھے اس واسطے ۔۔۔ تو نے اے زاہد کبھی دن ہجر کا دیکھا نہیں
وہ تماشا دیکھے گر دیکھے زلیخا تیری شکل ۔۔۔ خواب میں بھی اس نے جو اے مہ لقا دیکھا نہیں
یوں تو ہیں سرو گل اندام وزہی اے رشک گل ۔۔۔ تجھ سا پر رنگیں ادا گلگوں قبا دیکھا نہیں
تو جو کرتا ہے ملامت دیکھ کر میرا یہ حال ۔۔۔ کیا کروں میں تو نے اس کو ناصحا دیکھا نہیں
ہم نہیں واقف کہاں مسجد کدھر ہے بتکدہ ۔۔۔ ہم نے اس گھر کے سوا گھر دوسرا دیکھا نہیں

چشم پوشی دیدہ و دانستہ کی ہے اے ظفر
ورنہ اس نے اپنے در پر کیا تمہیں دیکھا نہیں

ہم نے اوصاف مژہ لکھے تھے جتنے خط میں ۔۔۔ واں سے آئے کئی کانٹے کسی بن کے خط

جتنے ہم کھائیں گے گل روز یہاں اتنے ہی
پھول لالہ کے تمہیں بھیجیں گے کن کے خط میں

اس پری کی خبر انساں تو نہیں لکھ سکتا
حال معلوم ہوا اس کا کسی جن کے خط میں

رقعہ بھی پرا وہاں تک نہیں پہنچا سکتے
بھیجوں خط اپنا الٰہی انہیں کن کے خط میں

ہم نے ہر سن میں لکھے خط غلاوی لیکن
ہو گی لغزش نہ ہمارے کسی سن کے خط میں

رات دن آتے ہیں خط واں سے مگر وصل کا حرف
نہ کہیں رات کے خط میں ہے نہ دن کے خط میں

یہ جو دو چار ظفر ان کے ہیں اخبار نویس
تم بھی خط لکھ کے روانہ کرو ان کے خط میں

ہم نہیں وہ جو کریں دل سے فراموش تمہیں
جانتے اپنا ہیں اے جان دم و ہوش تمہیں

مطلع ثانی

چشم مست اپنی جو دکھلائے وہ مے نوش تمہیں
زاہد و ہوش و خرد کا نہ رہے ہوش تمہیں

کر چکے آہ و فغاں ضبط تم اے حضرت دل
دمبدم گر ہے محبت کا ابھی ہوش تمہیں

شب فرقت میں بھی رہتے ہو بغل میں میرے
دیکھتا ہوں اپنے تصور سے ہم آغوش تمہیں

آنکھیں سرمہ سے ہیں آلودہ تری پوچھ ان سے
کس کے ماتم نے کیا ہے یہ سیہ پوش تمہیں

واعظو صبح قیامت کا جو تم لاتے ہو ذکر
اس نے دکھلایا نہیں اپنا بنا گوش تمہیں

کون ایسا ہے جو زلف کو دھو دھو کے پئے
مجھ سا ملنے کا نہیں کوئی بلا نوش تمہیں

شمع ساں گو کہ سراپا ہو زباں تم لیکن
دیکھتا ہوں ظفر اس بزم میں خاموش تمہیں

جگر اور دل جو زخمی ہیں مری جاں دونوں کے دونوں ہیں
خدنگ ناز غمزے کے نشاں دونوں کے دونوں ہیں

جہاں میں رنج و راحت کے ہو رہنے کا ٹھکانا کیا
وہ دل ہی ہے سما جاتے جہاں دونوں کے دونوں ہیں

مرے سینہ و پہلو میں ہیں دو تیر کے روزن
ادھر سے گھر کے یہ تو تابداں دونوں کے دونوں ہیں

ہوئے ہیں اشک خوں سے جیب و دامن اس قدر رنگیں
مرے نزدیک یہ باغ جناں دونوں کے دونوں ہیں

ترے ابرو ہیں وہ کج خلق مانگو اک اگر بوسہ
ابھی رخ پھیرتے مثل کماں دونوں کے دونوں ہیں

امید وصل دل میں چشم ہے بہت شوق نظارہ
بہت دن سے تصرف میں مکاں دونوں کے دونوں ہیں

تمنائے زیارت میں تری یہ دیدۂ گریاں
ترے پاس آئے کیونکر آسماں دونوں کے دونوں ہیں

تصور اور تخیل میں خبردار اے ظفر اپنی
خبر دیتے تھے تو واں کے یہاں دونوں کے دونوں ہیں

تو جو آتا ہی نہیں راحت جاں دو دو دن
تو ہمیں دو دو برس ہوتے ہیں ہاں دو دو دن

رونا اک پل بھی مرا کرتا ہے طوفاں برپا
اب تو اشک آنکھوں سے رہتے ہیں رواں دو دو دن

آگے تم آتے تھے اک دن میں یہاں دو دو بار
اب بتاؤ ہمیں رہتے ہو کہاں دو دو دن

ہاتھ رخسار سے دھر کے نہ سویا کیجے
رہتے عارض پہ ہیں چھلوں کے نشاں دو دو دن

تم تو اک دن کو بھی جاتے تھے نہ گھر سے اپنے
خالی اب کس لئے رہتا ہے مکاں دو دو دن

دو گھڑی کے لئے کس واسطے یاں آتے ہو
وہیں تم جاؤ کہ رہتے ہو جہاں دو دو دن

ایک دن بھی جو ذرا ان کو خفا دیکھتے ہیں
اے ظفر رہتا ہے ہم کو خفقاں دو دو دن

جو تم کو اس برائی پر بھی ہم اچھا سمجھتے ہیں
خدا جانے کہ یہ بدکیش ہم کو کیا سمجھتے ہیں

ہمیشہ رنج و غم درد والم پاس اپنے رہتے ہیں
ہمیں کنج حزن میں آپ کیا تنہا سمجھتے ہیں

ہم اپنا خون دل پیتے ہیں مثل بادہ گلگوں
اور اپنی چشم و دل کو ساغر و مینا سمجھتے ہیں

نہیں آتا سمجھ میں لوگ سمجھاتے ہیں کیا ان کو
کہ سمجھائے کسی کے کب ترے شیدا سمجھتے ہیں

نہ وہ خورشید کو نسبت ہمارے داغ سوزاں سے
کہ اس کو اس کا ہم اترا ہوا چھاپا سمجھتے ہیں

تری باتیں تری گھاتیں سمجھ میں کس کے آتی ہیں
نہیں تو کچھ ہمیں اے شوخ بے پروا سمجھتے ہیں

دل پر خوں ملیں میرا نہ کیونکہ اپنے تلووں سے
کہ خون دل کو میرے وہ حنا بے پا سمجھتے ہیں

الٰہی حضرت دل کی سمجھ کیوں ہو گئی الٹی
کہ اس نا آشنا کو آشنا اپنا سمجھتے ہیں

کبھی گر دیکھتے ہیں آئنہ حیران ہوتے ہیں
ظفر وہ حسن میں جو آپ کو یکتا سمجھتے ہیں

لاغری سے یوں ترے اندوگیں کی ہڈیاں
ہیں عیاں جیسے کہ مجنوں حزیں کی ہڈیاں

گر ترا دلسوز سرگرم فغاں ہو جل اٹھیں
شمع ساں گرمی سے آہ آتشیں کی ہڈیاں

یہ حلاوت ہے محبت کی کہ سر سے پاؤں تک
ہے مزا سب میں ہما کھائے کہیں کی ہڈیاں

خاک کو بھی جسم سے حائل نہیں دریا و کوہ
یہ زمیں کی ہیں رگیں اور وہ زمیں کی ہڈیاں

جی میں ہے میرے لکھوں قاتل تری شرح کی ستم
ہوں قلم برش سے گر شمشیر کیں کی ہڈیاں

قابل نفرت ہے وہ یاں تک نہ ہو جس کو یقین
کھاتے کتے بھی نہیں اس بے یقیں کی ہڈیاں

آگے ان آنکھوں کے گر شوخی کرے تو اے ظفر
توڑ ڈالوں مار کر آہوئے چیں کی ہڈیاں

ہنسی میں دکھائی دکھائی کے قربان
تری واہ اس خوش ادائی کے قربان

مطلع ثانی

جو لالہ ہو دست حنائی کے قربان
تو ہو شاخ نازک کلائی کے قربان

دکھاتا ہے ہر رنگ میں جلوہ اپنا
میں اس شوخ کی خود نمائی کے قربان

کدورت بھری دل میں منہ پر صفائی
اس آئینہ رو کی صفائی کے قربان

کہوں رتبہ کیا تیرے در کے گدا کا
کہ شاہی ہو جس کی گدائی کے قربان

یہ اک دل تو کیا ہے اگر لال دل ہوں
تو کیجئے تری دلربائی کے قربان

وفا ہو جو تجھ میں تو کیا جانے کیا ہو
کہ دل ہے تری بے وفائی کے قربان

ترے شیوہ آشنائی کے صدقے
تری طرز نا آشنائی کے قربان

کیا صاف ہاتھ اس نے پہلے مجھی پر
ظفر اس کی تیغ آزمائی کے قربان

میں بنی آدم میں ہوں کوئی کہ قوم جن میں ہوں
کیا بتاؤں کن میں ہوں پر اکیلا ہوں جن میں ہوں

ناتواں برسوں کا تھا پر واہ ری آب و ہوا
میکدہ میں کیا توانا ہو گیا دو دن میں ہوں

تمن تیرہ وہ ہوں جن کو سمجھتے ہو تم اپنا یار
تمن میں نے ہوں نہ تیرہ میں کہو میں کن میں ہوں

جو مرے دل میں ہے وہ ہی منہ پہ ہے آئینہ دار
جیسا ظاہر میں صفا ہوں ایسا ہی باطن میں ہوں

یہ نہیں امکاں کہ مجھ کو وصل جاناں ہو نصیب
جان دیتا میں عبث اس امر ناممکن میں ہوں

عاشقوں کو اپنے تم دیتے ہو مژدہ وصل کا
کیوں نہ سن کر شاد و خرم ہوں کہ میں بھی ان میں ہوں

عشق کے باعث ظفر پیری میں بھی ہوں جواں
جیسا جب اس سن میں تھا ویسا ہی اب اس سن میں ہوں

میں بھلائی کہوں تو کس کی کہوں
اور برائی کہوں تو کس کی کہوں

کہوں آشنا کہوں کس کو
آشنائی کہوں تو کس کی کہوں

رند بے باک ہیں کہوں تو کسے
پارسائی کہوں تو کس کی کہوں

شیوہ راستی کہوں کس کا
کج ادائی کہوں تو کس کی کہوں

جبکہ ہو سب میں وہ ہی جلوہ نما
خود نمائی کہوں تو کس کی کہوں

وہ تو کہتا ہے باوفا ہوں میں
بیوفائی کہوں تو کس کی کہوں

روبرو روئے صاف کے اس کے
پھر صفائی کہوں تو کس کی کہوں

وہ تو ہر دم ہے میرے دم کے ساتھ
پھر جدائی کہوں تو کس کی کہوں

اے ظفر بخت نارسا کے لئے
نارسائی کہوں تو کس کی کہوں

چوری سے وہ بوسہ عارض زلف اٹھا کر کیوں کر لوں
مال وزردی یوں تو چھپا کر سب کو دکھا کر کیوں کر لوں

میری طرف سب تاک رہے ہیں محفل میں ہیں جتنے حریف
ساقی تجھ سے ساغر مے میں آنکھ بچا کر کیوں کر لوں

کیا کیا مجھ پر ظلم کیے ہیں چرخ نے عی یہ فکر مجھے
بدلہ اس سے لوں جو کیے ہیں قابو پا کر کیوں کر لوں

جب تک میرے زخموں پہ چھڑکے نہ وہ قاتل خوب نمک
مہر و وفا کے اپنے مزے لوں زخم جو کھا کر کیوں کر لوں

مجھ سینہ کہ ہو دم کشتن دم توڑے بیتاب ہے کیوں
دم میں زیر تیغ محبت سر کو جھکا کر کیوں کر لوں

میں کیوں دل دوں نرخ بڑھا کر یا دوں لے کر مال کا سوں
وہ کہے لوں میں مفت اسے یا مول گھٹا کر کیوں کر لوں

تیرا شوق پا بوسی مدت سے ظفر ہے مجنوں کو
لیکن ہے یہ شوخ قدم جو لوں میں جا کر کیوں کر لوں

دوستو جی کیوں کر اپنا اس کے جی میں ڈال دوں
جو عداوت دشمنوں کی دوستی میں ڈال دوں

بات وہ کرتے ہو تم جس میں پڑے رونا مجھے
کب تلک میں ٹال دوں کب تک ہنسی میں ڈال دوں

تو سن وحشت جدھر چاہے یہ لے جائے مجھے
ہاتھ سے باگ اپنی میں بے طاقتی میں ڈال دوں

اے صبا کر رہبری اتنی کہ اب میں خاکسار
جا کے مشت خاک اپنی اس گلی میں ڈال دوں

اس کے چشم مست کو دعوی ہے گر ڈالوں نظر
زاہدان چلہ کش کو مے کشی میں ڈال دوں

ہونٹ چاٹے اپنے مجنوں گر ہو لذت آشنا
وہ نمک شور جنوں سے عاشقی میں ڈال دوں

عقل ڈالے ہے خرابی اب ہے دانائی یہی
اے ظفر میں آپ کو دیوانگی میں ڈال دوں

کیوں میں ایک بوسہ پہ قناعت کیونکر کر جاؤں
اور ان کو بیا ل وہ عنایت کیونکر کر جاؤں

جدا مجھ سے ہو دل یہ نہ سمجھا کر وہ مدت سے
رفیقان کا ہوں ترک اس کی رفاقت کیونکر کر جاؤں

پلائے غیر تجھ کو مے پیوں میں خون دلا اپنا
گوارا اس کو میں اے بے مروت کیونکر کر جاؤں

وہ بھاگیں لاکھ مجھ سے دور مجھ کو پاس ہے ان کا
کنارہ ان سے میں اب اے محبت کیونکر کر جاؤں

جو باعث اس مصیبت کے ہیں وہ سب پاس ہیں تیرے
ترے آگے بیان اپنی مصیبت کیونکر کر جاؤں

سفر دنیا سے کر جانا تو کچھ مشکل نہیں لیکن
بتا اے دل کہ طے میں راہ الفت کیونکر کر جاؤں

دل بیتاب کو تو تھام کر میں نے رکھا اپنے
مگر نالہ کو ضبط اے درد فرقت کیونکر کر جاؤں

مری صورت تو سب پہچانتے ہیں اس کے کوچے میں
اگر جاؤں مبدل اپنی صورت کیونکر کر جاؤں

ظفر تطور ہو جلوہ دکھانا جب اسے اپنا
نہ دیکھوں کس طرح میں اور غفلت کیونکر کر جاؤں

کدورت کھو کے گر ساری دل بے کینہ بن جاؤں
صفائے سینہ سے میں اپنے ایک آئینہ بن جاؤں

کرے مشق خدنگ ناز تو گر اے کمان ابرو
تو میں تو وہ مقابل کر کے اپنا سینہ بن جاؤں

برابر آشنائے نو کے بھی سمجھے نہ وہ مجھکو
اگر میں عمر کھو کر عاشق دیرینہ بن جاؤں

کہا یہ دار نے منصور سے گر قصد ہو تیرا
تو بام عشق کا تیرے لئے میں زینہ بن جاؤں

نہیں جائے تعجب اے ظفر گر عشق کی دولت
ہجوم داغ سے میں اپنے اک گنجینہ بن جاؤں

وہ بیٹھے بیٹھے یوں ہیں جو اداس بے جا ہوں
تو پھر بجا ہے مرے گر حواس بے جا ہوں

وہی کہوں گا جو ہو گا بجا سنو نہ سنو
نہیں وہ میں کہ مرے التماس بے جا ہوں

سب اپنی اپنی جگہ پر ہیں اٹکلیں تیرے
جو ایک ہوں تو کہیں تیرے پاس بے جا ہوں

امید وصل کی ٹھہری ہے ناامیدی سے
اگرچہ رکھتے یہ ہم دل میں آس بے جا ہوں

بناؤ ہو تو بجا ہو نہیں تو کیا حاصل
بناؤ میں اگر اے خوش لباس بے جا ہوں

یہ خط میں حرف شکایت کا ان کے ہے عنواں
کہ ایک ہووے بجا تو پچاس بے جا ہوں

ظفر ہو قدرت حق میں کبھی نہ عقل کو دخل
تمام وہم و گمان و قیاس بے جا ہوں

تھا فضائے قدس میں اب قالب آدم میں ہوں
چھپ گیا مجھ سے وہ عالم اور ہی عالم میں ہوں

زیر گردون سیہ پوش اے دل غفلت شعار
خوش نہ ہو تو یہ سمجھ میں عالم ماتم میں ہوں

دیکھنا معجز نمائی عشق کی میری کہ میں
رکھتا اک دریا حباب دیدہ پرنم میں ہوں

اس بلا سے دیکھئے کیونکر رہا ہو مجھے
میں اسیر اس کی کمند گیسوئے پرخم میں ہوں

نالہ نے کی طرح سے اپنی ہستی کا مجھے
کیا بھروسہ ہے کہ اک دم میں نہیں اک دم میں ہوں

کام ہے رونے سے مجھ کو رات بھر مانند شمع
خواہ بزم عیش میں ہوں خواہ بزم غم میں ہوں

کرتا ہوں جب چارہ زخم دل اپنا اے ظفر
میں ملاتا مشک و الماس و نمک مرہم میں ہوں

عالم صورت میں تو میں صورت آدم میں ہوں
عالم معنی میں لیکن اور ہی عالم میں ہوں

بعد میرے کون ہو گا ایسا غم کا غمگسار
غمزدہ غم ہو گا میرے غم میں اس غم میں ہوں

کیوں اٹھا کر آنکھ دیکھو سوئے سرد آب جو
رکھتا اس قد کا تصور دیدہ پرنم میں ہوں

باندھتا کیا کیا ہوا ہوں اپنی مانند حباب
آ گیا اس ہستی یک دم کے ایسے دم میں ہوں

مجھ سے کیوں الجھے ہے تو ناصح کہ میں الجھا ہوا
آگے ہی اس کے خیال گیسوئے پرخم میں ہوں

رہتا ہوں مثل گل خنداں گریباں چاک میں
یہ نہیں معلوم شادی میں ہوں یا ماتم میں ہوں

بڑھتے بڑھتے دل تلک پہنچا ظفر زخم جگر
اور میں اب تک تلاش نسخہ مرہم میں ہوں

میں ہوں عاصی کہ پر خطا کچھ ہوں
تیرا بندہ ہوں اے خدا کچھ ہوں

جزو و کل کو نہیں سمجھتا میں
دل میں تھوڑا سا جانتا کچھ ہوں

تجھ سے الفت نباہتا ہوں میں
باوفا ہوں کہ بے وفا کچھ ہوں

جب سے نا آشنا ہوں میں سب سے
تب کہیں اس سے آشنا کچھ ہوں

نشہ عشق لے اڑا ہے مجھے
اب مزے میں اڑا رہا کچھ ہوں

خواب میرا ہے عین بیداری
میں تو اسمیں بھی دیکھتا کچھ ہوں

گرچہ کچھ بھی نہیں ہوں میں لیکن
اس پہ بھی کچھ نہ پوچھو کیا کچھ ہوں

سمجھے وہ اپنا خاکسار مجھے
خاک رہوں کہ خاک پا کچھ ہوں

چشم الطاف فخر دیں سے ہوں
اے ظفر کچھ سے ہو گیا کچھ ہوں

کان سے سنیں ہم بات چیت یوں کی دوں
پر کہیں نہ منہ سے ہم بات چیت یوں کی دوں

یوں کہیں کہ دوں لیکن ایک بات کہتے ہیں
کہتے ہم نہیں ہم دہ بات چیت یوں کی دوں

ہم نے دل میں جب ٹھانی بات ان سے یوں کیجئے
دی انہوں نے دے کر دم بات چیت یوں کی دوں

ہوش میں جو ہم رہتے جا کے ان سے کیوں کہتے
دو نگاہوں فسانہ غم بات چیت یوں کی دوں

ہوتے یوں وہ کیوں برہم گر نہ کان میں کہتے
انکی زلف خم در خم بات چیت یوں کی دوں

حال تو بیاں کرنا اس سے میرا جوں کا توں
کہہ نہ دیجو اے ہمدم بات چیت یوں کی دوں

کفر و دیں ظفر ایک سال جانتے ہیں محرم لوگ
کر رہے ہیں نامحرم بات چیت یوں کی دوں

تجھے آغوش میں اے سیم بر لوں کس طرح سے
ترے میں پیارے بوسے اگر لوں کس طرح سے لوں

نہیں ہے طاقت جنبش مجھے تو ناتوانی سے
جو کروٹ بستر اندوہ پر لوں کس طرح سے لوں

مرا بخت سیہ دیتا نہیں یہ دسترس مجھ کو
بلائیں زلف کی جو سر بسر لوں کسطرح سے لوں

وہ دل لے کر نہ دے تو کیا کروں اے ہمنشیں بتلا
ہمت لوں کر اس سے چھین کر لوں کس طرح سے لوں

خبر اپنی بھی جب مجھ کو نہ ہو رنج و مصیبت میں
دل آفت زدہ کی میں خبر لوں کس طرح سے لوں

طریق وصل میں میں چھوڑ کر خضر تصور کو
اگر ساتھ اور اپنے راہبر لوں کس طرح سے لوں

وہ دلبر آفت جاں ہے دل اس کو دوں تو کیونکر دوں
اک آفت میں جو اپنی جان پر لوں کس طرح سے لوں

ہوا میں قتل لیکن تو نہ ہو بدنام ڈرتا ہوں
ترا جو نام اے بیداد گر لوں کس طرح سے لوں

ستاتا ہے مجھے یہ دل نکل کر میرے قابو سے
اگر میں اس سے بدلا اے ظفر لوں کس طرح سے لوں

کیا کروں شکوہ کہ الفت عشوہ گر اگلی نہیں
اگلی الفت تو گئی گزری نظر اگلی نہیں

پھر گئی اک بار ایسی باغ عالم کی ہوا
بولتے وہ بولیاں بھی جانور اگلی نہیں

اور ہی طرز دروش پر لکھ کے بھیجا اس نے خط
وہ رہ و رسم کتابت نامہ بر اگلی نہیں

نالہ شب ہی کے کیا اگلے اثر کو روئیے
تجھ میں بھی تاثیر اے آہ سحر اگلی نہیں

دیکھتے ہیں روز ہم تیرے نئے ظلم و ستم
بھولتے تیری وفا پیارے مگر اگلی نہیں

ہو گیا معلوم انداز سخن ہی سے مجھے
وہ عنایت ان کی میرے حال پر اگلی نہیں

گرچہ آیا وقت پیری جا چکا عہد شباب
پر وہ باتیں ہم سے چھٹتی اے ظفر اگلی نہیں

نصیب وصل جو اس یار مہ جبیں سے نہیں
اندھیرے گھر میں مرے روشنی کہیں سے نہیں

تو اس کی دید کی طاقت نظر میں پیدا کر
کہ پاس وہ نظر آئے گا دور بیں سے نہیں

برنگ نقش قدم خاک میں ہیں مل جاتے
پر اٹھتے کوچہ جاناں کی ہم زمیں میٹھیں

اگرچہ کیسا ہی ہو گا کڑی کمان کا تیر
وہ پیش جائے گا آہ دل حزیں سے نہیں

یہاں ہے آتش دوزخ بھی اک شرارے برق
ترا مقابلہ اس آہ آتشیں سے نہیں

کیا ہے تو نے نیا کس کو ذبح اے سفاک
کہ چھوٹا جس کا یہ خوں تیری آستیں سے نہیں

ہمیشہ رہتے ہیں ان کی مصاحبت میں وہی
ظفر ملاتے ہیں جو ہاں سے ہاں نہیں سے نہیں

نقاب اس کی رخ پہ عتاب پر رنگیں
شفق کا پردہ سا ہے آفتاب پر رنگیں

سرشک خون سے ہے مانند شاخ مرجاں دیکھ
ہر اک مژہ مری چشم پر آب پر رنگیں

اگر خضاب سے رنگیں کیا ہے ریش کو شیخ
تو کچھ مزاج بھی ہو اس خضاب پر رنگیں

اگرچہ کچھ ترے نالے میں ہے اثر بلبل
گلوں کے خون سے لے کر شتاب پر رنگیں

عبث ہے زشتی باطل پہ ظاہر آزمائی
ورق لگاتے ہیں بدخط کتاب پر رنگیں

لہو سے رہتی ہے پٹی ہمیشہ اے جراح
جراحت دل پر اضطراب پر رنگیں

ظفر جو اس لب رنگیں سے ہو جواب طلب
تو دے جواب وہ کیا کیا جواب پر رنگیں

رکھے ہے خانہ دل ہفت کشور اک گوشہ میں
نہ بلکہ دو جہاں ہیں اس کے تو ہر ایک گوشہ میں

کہوں کیا جوش گریہ چشم طوفان زا کا میں اپنے
بھرے ہیں سینکڑوں جیسے سمندر ایک گوشہ میں

بغیر از تیرے میخانہ میں سب بیکار ہے ساقی
پڑے ہیں شیشہ اک گوشہ میں ساغر ایک گوشہ میں

ترے ابرو کو دعوی ہے کہ ماہ نو ہو گر سرکش
پکڑ لاؤں کماں کے میں مقرر ایک گوشہ میں

کرے محفل میں سرگوشی وہ کیا حلقہ بگوشوں سے
غنیمت ہے جو کچھ کہہ دیا کر ایک گوشہ میں

پڑے ہیں تیرے کوچہ میں مثال نقش پا لاکھوں
کہے تو ہم بھی کر لیں اپنا بستر ایک گوشہ میں

ظفر میخانہ دنیا کی کیفیت وہ کیا جانے
پڑا زاہد تو ہے مسجد کے اندر ایک گوشہ میں

آیا خط مدعی وقت سے میرے ہاتھ میں
آ گیا یہ مدعا قسمت سے میرے ہاتھ میں

چاہتا ہوں صورت تسکیں دل بیتاب کی
آئے تصویر ان کی کس صورت سے میرے ہاتھ میں

دل غنی کیونکر نہ ہو میرا کہ اکسیر آ گئی
خاک پائے یار کی دولت سے میرے ہاتھ میں

سینہ کوبی سے ہوا کیا جانے کیا سینہ کا حال
اب تلک اک درد ہے شدت سے میرے ہاتھ میں

یاد دلواتا ہے ساقی مجھ کو چشم مست یار
دیکھے جام بادہ کیفیت ہے میرے ہاتھ میں

طوق گردن کے کئے ٹکڑے گریباں کی طرح
دیکھو تو کیا زور ہے وحشت سے میرے ہاتھ میں

نسخہ بیماری دل ہے یہ نامہ یار کا
آ گیا کیا جانے کس حکمت سے میرے ہاتھ میں

کیونکر دامن گیر ہوں اس قاتل سفاک کا
ہو رہا رعشہ سے ہے ہیبت سے میرے ہاتھ میں

دے گئے تھے وہ نشانی مجھ کو اپنے ہاتھ سے
یہ جو چھلا ہے ظفر مدت سے میرے ہاتھ میں

دولت عشق ہو گر پاس تو زر کچھ بھی نہیں
کہ زر نقد بہ از داغ جگر کچھ بھی نہیں

بے خبر ہم ہیں محبت میں تمہاری سب سے
کیا خبر پوچھتے ہو ہم کو خبر کچھ بھی نہیں

غیر پر لطف و کرم ہم پہ نہ شفقت کی نگاہ
واہ جو کچھ ہے ادھر ہی ہے ادھر کچھ بھی نہیں

جو ہے کام اسی میں منفعت ہی منفعت ہے تمام
ایک سودائے محبت میں ضرر کچھ بھی نہیں

ایک دن وہ تھا کہ تھی آہ میں کیا کیا تاثیر
ایک دن یہ ہے نالوں میں اثر کچھ بھی نہیں

گرچہ بے پردہ ہے وہ پر ہیں ہزاروں پردے
کام کرتی مری غفلت میں اثر کچھ بھی نہیں

واہ ری عقل کہ مرتے ہیں یہ شاعر کن پر
جن حسینوں کے دہن اور کمر کچھ بھی نہیں

اس پہ بھی کتنا ہوں سرگرم شرارت دیکھو
گرچہ ہستی مری مانند شرر کچھ بھی نہیں

جب تلک چشم ہے وا آتا نظر ہے سب کچھ
ہو گئی بند جہاں آنکھ ظفر کچھ بھی نہیں

یوں بہم پیوستہ بدخو یار دو رہتے نہیں
اک میاں میں جس طرح ہتھیار دو رہتے نہیں

آنکھ کس کس کی بچاؤں کونسی شب ہے کہ واں
در پہ درباں چار چوکیدار دو رہتے نہیں

اس لئے مجنوں کو موت آئی کہ پیدا ہم ہوئے
ملک وحشت میں بہم سردار دو رہتے نہیں

دونوں ان آنکھوں کے دیکھو میرے دل میں گھر کیا
ایک گھر میں سنتے تھے بیمار دو رہتے نہیں

تیرے مجنوں کے گریباں میں بجز اک تار اشک
پنجہ وحشت سے ثابت تار دو رہتے نہیں

چشم میں دو قطرہ آنسو کے نہ ٹھہرے ورنہ کیا
ایک ڈبیہ میں در شہوار دو رہتے نہیں

کنج تنہائی میں کس دم پاس اپنے اے ظفر
رنج و غم یہ مونس و غمخوار دو رہتے نہیں

جو سر سے تا قدم اس میرے مہ جبیں کو تکیں
کبھی فلک کو تکیں اور کبھی زمیں کو تکیں

غرور حسن ہے یاں تک انہیں کہ کیا امکان
اٹھا کے آنکھ کبھی وہ مہ جبیں کو تکیں

ترے ہیں ناز و ادا بھی عجیب طرح کے دزد
تکیں نہ مال و دولت دل حزیں کو تکیں

جو تیرے تاکنے والے ہیں تجھ کو تاکے ہیں
نہ وہ پری کو تکیں اور نہ حورعیں کو تکیں

نصیب ہو نہ ان آنکھوں کو نور بینائی
ترے سوا جو کسی اور مہ جبیں کو تکیں

تکیں ن ہمراہ اجل کی وہ خوں گرفتہ کبھی
جو تیرے ناوک بیداد تیغ کیں کو تکیں

پھر آفتاب کو دیکھیں نہ آفتاب پرست
ظفر جو یار کے رخسار آتشیں کو تکیں

بن جاتا ڈھب ہمارا اگر کل میں آج میں
ہم لے ہی آتے ان کو ادھر کل میں آج میں

کل تھی نگاہ اور تری آج اور ہے
ہے کچھ پھری ہوئی سی نظر کل میں آج میں

دو دن کے جوش گریہ سے تو نے ہزار ہا
طوفان اٹھائے دیدہ تر کل میں آج میں

کل سے رقیب گھر میں جو اس کے ہے آج تک
دن میں کہیں گیا ہو نہ گھر کل میں آج میں

تھا کل تو وعدہ آج کا کہتے ہو آج کل
جائے گی یونہی عمر گزر کل میں آج میں

کل اشک گرم چشم میں تھے آج ہیں شرر
کتنا بڑھا ہے سوز جگر کل میں آج میں

نے کل تھا دل کو چین نہ ہے جی کو آج کل
سمجھو تو کیجے فرق ظفر کل میں آج میں

بعد دو دن کے اگر دیکھو اسے تیرے دن
جانو مہ ہو کے یہاں آیا نظر تیرے دن

بوسہ لب ترا لیتے ہی مجھے ہو گی شفا
یہ دوا وہ نہیں ہو جس کا اثر تیرے دن

کیا بھروسہ نظر لطف کا ہے یہ دو دن
پھر نہیں دیکھنے کا بھی وہ ادھر تیرے دن

نہ ہوئے ساتھ جنازے کے سوم میں آئے
سنکے عاشق کے وہ مرنے کی خبر تیرے دن

گر زمانہ میں ترقی نہ ہو رفتہ رفتہ
کیوں ہلال اوج فلک پہ ہو قمر تیرے دن

تپ غم جان کے ہے ساتھ نہیں یہ وہ بخار
رہے دو روز چڑھا جائے اتر تیرے دن

ہم رہے اس نگہ مست سے دو دن بیہوش
بارے کچھ تھوڑا سا ہوش آیا طرف تیرے دن

کیوں قدر نہ آنسو کی ہو صاحب نظروں میں
نکلے نہ گہر ایسا ہزاروں کے گھروں میں

صیاد نے آزاد کیا مجھ کو قفس سے
طاقت نہ رہی اڑنے کی جب میرے پروں میں

ناز و نگاہ غمزہ سے دل اس کے حذر کر
آمان کہاں دیکھ نہ جا فتنہ گروں میں

یہ مست مے عشق سے واقف نہیں زاہد
سمجھے ہے خبردار کو یہ بے خبروں میں

طے کرتے ہیں سب یار رہ منزل مقصود
بے طاقت اگر ہیں تو ہمیں ہم سفروں میں

پہنچائیں جو واں نالہ جاں سوز کو میرے
ہے اتنا دم و دود کہاں نالہ بروں میں

اس دور میں کرتے ہیں جو کچھ چرب زبانی
جلتے ہیں ظفر گھی کے چراغ ان کے گھروں میں

جتنے ان کی خدمت میں لوگ آنے جانے والے ہیں
ہیں بہکانے والے انہیں کب راہ پہ لانے والے ہیں

مطلع ثانی

میرے دل کی سوزش کو کب اشک بجھانے والے ہیں
بلکہ یہ تو اور زیادہ آگ لگانے والے ہیں

میں ان سے پس دیوار کیا شب نالہ تو اس نے سن کے کہا
لائے پھر تشریف وہی سوتوں کے جگانے والے ہیں

یاد کرو گے ہم کو جب اٹھ جائیں گے ہم تب دنیا سے
ملتے کب تقدیر سے ایسے ناز اٹھانے والے ہیں

اپنا ہنسنا رونا ہے موقوف انہیں کی باتوں پہ
وہ ہی ہنسانے والے ہیں ہم کو وہی رلانے والے ہیں

کس کا منہ ہے روبرو اس کے جا کر میرا حال کہے
جانتا ہوں میں خوب انہیں سب باتیں بنانے والے ہیں

سینہ سپر ہو تیغ نگاہ سے کون تیری اے عربدہ جو
آنکھ لڑانے والے تیرے جان لڑانے والے ہیں

بستر گل پہ خاک کرو گے سب کو ہماری گرم بغل
آپ ہمیشہ انگاروں پہ ہم لوٹانے والے ہیں

دل کی کششیں کچھ ہے اثر تو کھینچ بلاؤ ان کو ظفر
ورنہ تمہارے بلائے سے یوں کب وہ آنے والے ہیں

دشت جنوں کو جائیں گے ہم کل میں آج میں   لیں گے ہمارے تھام قدم کل میں آج میں
کرتے تھے یوں تو ظلم ہمیشہ پر آپ نے   کچھ کچھ کئے تھے تازہ ستم کل میں آج میں
ہستی کے قید خانے سے مجنوں ہے تیرا تنگ   چلتا ہے سوئے دشت عدم کل میں آج میں
معلوم ہے ہمیں بھی وہ جو کچھ عدو کے ساتھ   تم نے کئے ہیں قول و قسم کل میں آج میں
اس بت کی بیوفائی اگر ہے یہی تو ہم   ڈھونڈھیں گے کوئی اور صنم کل میں آج میں
جو کل تھا دل کا حال وہی آج بھی رہا   پایا کچھ اضطراب نہ کم کل میں آج میں

پڑھ قافیہ بدل کے ظفر اور بھی غزل
کچھ شعر کر لئے ہیں رقم کل میں آج میں

کرتا وہ بیچارہ کیا تدبیر سے چارہ نہیں   پر کرے کیا چارہ گر تقدیر سے چارہ نہیں
صورت تصویر میں حیراں ہوں حیرت کا مری   ہوتا کچھ اس عالم تصویر سے چارہ نہیں
زلف کے سودائیوں کو قید کرنا چاہیے   بہتر ان کے واسطے زنجیر سے چارہ نہیں
روز ہوتا جائے ہے وہ بت ہمیشہ سنگدل   ہوتا کچھ اس آہ بے تاثیر سے چارہ نہیں
کرتی ہے دلکو نشانہ ناوک مژگان یار   جز خدا کوئی قضا کے تیر سے چارہ نہیں
دے مریض عشق کو کوئی دوا کیا اور خاک   ہوتا اس بیمار کا اکسیر سے چارہ نہیں

تشنہ لب ہیں جو شہادت کے ظفر ان کے لئے
بہتر اس آب دم شمشیر سے چارہ نہیں

نہیں تار سرشک سرمہ آلود اس کی مژگاں میں   کمر باندھے یہ کالی پلٹن ایستادہ ہے میداں میں
ہلال اترا ہے شاید چاہ زمزم میں یہ سمجھے ہم   تمہارا دیکھ کر خال سیہ چاہ زنخداں میں
عرق سے ہے جو تیری آبروئے چین پیشانی   میاں وہ آب دیکھی ہی نہیں تیغ صفاہاں میں
سنہری دیکھ کر بندے بھووں میں ماہ وش تیری   یہ کہتے ہیں منجم آفتاب آیا ہے میزاں میں
کوئی دیوانہ آیا ساتھ لے کر لشکر وحشت   بگولوں نے جو ایستادہ کئے خیمہ بیاباں میں
ستاروں میں ہے خط کہکشاں یا دیکھ کر مجھ کو   رکھی ہے چرخ نے انگشت حیرت اپنے دنداں میں
کرے گا کیا رخ روشن سے اس کے نور کا دعوی   مہ ہالہ نشیں تو منہ تو ڈال اپنے گریباں میں
دلپر داغ کب ہے سینہ پر داغ میں مضطر   کرے ہے رقص طاؤس گلستاں یہ گلستاں میں

نہیں ہے کوئی شعر اس کا ظفر تشبیہ سے خالی
لکھی یہ کیا غزل تصویر تو نے اپنے دیواں میں

کیا دانت مصفا ہیں مرے یار کے منہ میں
دانے سے ہیں گویا دُرِ شہوار کے منہ میں

جلد آ کہیں اے رشکِ مسیحا کہ یہ ہے حال
پانی ہیں چواتے ترے بیمار کے منہ میں

کیا جانے پیا کس کا ہے خوں تیر نے تیرے
سرخی ہے کماندار جو سو فار کے منہ میں

حلقہ ہے بلا زلف کا اے پنجۂ شانہ
دیجیو کہیں انگلی نہ سیہ مار کے منہ میں

پھرتا ہے عجب لطف سے مے جام میں ساقی
بھر آئے ہے پانی وہیں میخوار کے منہ میں

کیا دیکھا مرا حال کہ بالیں پہ ہے میرے
انگشت تحیر مرے غمخوار کے منہ میں

صیاد خبر لئے کئی دن سے نہیں اڑ کر
دانہ بھی گیا مرغ گرفتار کے منہ میں

اظہار کرے حال سب اپنا جو زباں سے
ظالم مرے زخم دل افکار کے منہ میں

منہ لگ نہ ظفر اس کے وہ کہہ بیٹھتا ہے صاف
جو آئے ہے اس آئینہ رخسار کے منہ میں

مرید قطب دیں ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں ان کا غلام کمتریں ہوں میں

انہیں کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم میں
وگرنہ یوں تو بالکل روسیہ مثل نگیں ہوں میں

نہ کعبہ سے غرض مجھ کو نہ میخانہ سے کچھ مطلب
ہمیشہ گھستا ان کے آستانے پر جبیں ہوں میں

رہوں میں بد سیکش پہ رہوں ان کی محبت میں
نہیں خواہش مجھے یہ صوفی خلوت نشیں ہوں میں

مجھے تو خانقاہ و میکدہ دونوں برابر ہیں
ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں کہیں ہوں میں

یہی عقدہ کشا میرے یہی ہیں رہنما میرے
سمجھتا ان کو اپنا حامی دنیا و دیں ہوں میں

بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

محرم کی دے ترے جو گرہ یار بند میں
دوں ٹھونک میخیں غیر کے میں چار بند میں

میں باغ دلکشا میں بھی تجھ بن گرفتہ دل
ہوں اس طرح کہ جیسے گنہگار بند میں

جھگڑے سے کفر و دیں کے نہ نکلیں گے جب تلک
دونوں رہیں گے کافر و دیندار بند میں

پگڑی کو اپنے ہاتھ سے اے ہوشمند باندھ
تو کیوں بندھے یہ بندش دستار بند میں

سرو چمن کے ساتھ ہے اک سرکشی کی قید
آزاد بھی ہے باعث پندار بند میں

مجھ کو یقیں ہے بات مری بھول جائیں گے
دیں گے گرہ اگرچہ وہ سو بار بند میں

جس شرح غم سے سینکڑوں دفتر سیاہ ہوں
کیونکر ظفر سمائے وہ دو چار بند میں

نہ پوچھو اس مہ نامہربان کی باتیں
زمیں کی ہوں تو کہیے آسمان کی باتیں

وہ بولتے نہیں کسو اپنے باعث تمکین
پر انکو آتی ہیں سارے جہان کی باتیں

جو ایک ہو تو کہوں میں تو صبح سے تا شام
ہزاروں سنتا ہوں اس بدگمان کی باتیں

نہ کیجئے شکوہ مرا جا بجا کہ بہتر ہوں
اسی مکان پہ ہوں جس مکان کی باتیں

تری مژہ تری ابرو مجھے ہیں یاد آتے
جو کوئی کرتا ہے تیر و کمان کی باتیں

کیا ہو جس نے کہ بازار عشق میں سودا
اسی سے پوچھئے سود و زیاں کی باتیں

کہے ہے ضعف سے کچھ اس طرح نہیں آتیں
سمجھ میں اپنی تری ناتوان کی باتیں

نہیں ہے قتل ہی کرنے پہ امتحان وفا
کہ اور بھی ہیں بہت امتحان کی باتیں

وہ گالیاں ہی سناتا ہے اے ظفر لیکن
مجھے خوش آتی ہیں اس بدزبان کی باتیں

نہ وہ زمیں کے نہ ہے آسماں کے پردے میں
مگر ہے جلوہ نما دو جہاں کے پردے میں

بدل رہا ہے وہ باغ جہاں میں کیا کیا رنگ
ہمیشہ دیکھو بہار و خزاں کے پردے میں

چھپے ہے پردے میں کب وہ مکین پردہ نشین
شگاف سینکڑوں ہیں ہر مکاں کے پردے میں

دوئی کا پردہ اٹھا دل سے اور آنکھ سے دیکھ
خدا کے نور کو حسن بتاں کے پردے میں

کسے ہے یار سوا اس کے تاک جھانک ایسی
کہ چاہے پردہ دل سے وہ جھانکے پردے میں

کرے ہے چشم کے منظر میں رنگ رلیاں وہ
چھپا ہوا مژہ خوں چکاں کے پردے میں

ظفر رکھے اسے در پردہ دل میں کیا عاشق
چھپائے ماہ کو کیونکر کتاں کے پردے میں

گر کام تیرا وہم کے بھٹکاؤ پر نہیں
تیرے لئے اٹک کسی اٹکاؤ پر نہیں

جھٹکے ہے جب وہ ہاتھ تو کیا کیا ہمارا دل
جھٹکے اٹھاتا ہاتھ کے جھٹکاؤ پر نہیں

جوڑے سے دل کو باندھو نہ الجھاؤ زلف میں
مشکیں بلا سے کھینچ دو لٹکاؤ پر نہیں

دل سے بلائیں یوں تری ہاتھوں سے لوں نہ لوں
کچھ پیار انگلیوں ہی کے چھٹکاؤ پر نہیں

بھٹکائے ہے تو غیر کو کیا کیا کہ یاں نہ آئے
لیکن وہ رکتا اس ترے بھٹکاؤ پر نہیں

اے کوہکن نہ سر کو پٹک کوہ سے کہ عشق
رکھتا ہے شکوہ سر ہی پٹکاؤ پر نہیں

اڑنے کی واسطے نہیں ہم کو ممانعت
صیاد ایک ہی بھی اٹکاؤ پر نہیں

کیونکر نکالے سوزن نار بیردل سے پھانس
جب اطلاع ہی اسے کھٹکاؤ پر نہیں

مٹکائے آنکھ یا نہ وہ مٹکائے اے ظفر
موقوف آنکھ ہی کے تو مٹکاؤ پر نہیں

بوسہ بے مرضی ہم اے رشکِ قمر لیتے نہیں
کس لئے بستر پہ تم کروٹ ادھر لیتے نہیں

کیا کہیں حال اپنا تجھ سے اس قدر ہیں ناتواں
سانس بھی پہروں ترے خستہ جگر لیتے نہیں

تم ہوئے رشکِ مسیحا بھی اگر کیا فائدہ
اپنے بیمارِ الم کی تو خبر لیتے نہیں

دیکھے اس تو خط کو خط جس روز سے پائی سزا
خط کو میرے ہاتھ میں بھی نامہ بر لیتے ہیں

اپنے دانتوں کی صفائی تو دکھائے ہے جنہیں
کوڑیوں کے مول وہ سلکِ گہر لیتے نہیں

جان جو دیتے ہیں غمزے پر ترے وہ تو کبھی
سر پہ احسانِ اجل اے عشوہ گر لیتے نہیں

ہم سے کل کرتی ہے زلفِ یار لیکن اس پہ بھی
ہم بلائیں اس کی کس دن اے ظفر لیتے نہیں

واقف ہیں ہم کہ حضرتِ غم ایسے شخص ہیں
ور پھر ہم ان کے یار ہیں ہم ایسے شخص ہیں

دیوانے تیرے دشت میں رکھیں گے جب قدم
مجنوں بھی لے گا ان کے قدم ایسے شخص ہیں

جن پہ ہوں ایسے ظلم و ستم ہم نہیں وہ لوگ
ہوں روز بلکہ لطف و کرم ایسے شخص ہیں

یوں تو بہت ہیں اور بھی خوبانِ دل فریب
پر جیسے پرفن آپ ہیں کم ایسے شخص ہیں

کیا کیا جفاکشوں پہ ہیں ان دلبروں کے ظلم
ایسوں کے سہتے ایسے ستم ایسے شخص ہیں

دیں کیا ہے بلکہ دیجئے ایمان بھی انہیں
زاہد یہ بت خدا کی قسم ایسے شخص ہیں

آزردہ ہوں عدو کے جو کہنے پہ اے ظفر
نے ایسے مخصوہ ہیں نہ ہم ایسے شخص ہیں

جو تو کہتا ہے پردے میں وہ ہم طناز سنتے ہیں
میسر دیکھنا تیرا کہاں آواز سنتے ہیں

ترے کوچے میں چوری سے بھی میں تو آ نہیں سکتا
کہ کھٹکا پاؤں کا تیرے خلل انداز سنتے ہیں

دم آنکھوں میں ہے وہ آئے نہ آئے دیکھئے کیا ہو
کہ جس کے دم میں ہم آئے اے دمساز سنتے ہیں

اے ہمراز شاید جان کر ہے تو سنا دیتا
جو تجھ سے کہتے ہیں وہ غیر سے ہم راز سنتے ہیں

دلِ مردہ ہمارا ہو اگر زندہ عجب کیا ہے
مسیحا کا سا ہم لب میں ترے اعجاز سنتے ہیں

یہی انعام شاید ناز برداری کا ہے اپنی
تری جو گالیاں ہم اے سراپا ناز سنتے ہیں

خوشی سے ایک ہو جاتی ہے ان کی عیدِ قرباں کی
نوید قتل اپنی جب مرے جانباز سنتے ہیں

تسلیم کو کی جاتی ہے جس دم غیر کے منہ سے
شکایت ہم تری اے دلبر طناز سنتے ہیں

کنارے بیٹھ کر ان کو سنا تو مدعا اپنا
سرِ محفل ظفر کہتا ہے کیا غماز سنتے ہیں

مرے اور غیر کے کیا منہ سے جام مے لگاتے ہیں
وہ اک کاسہ میں پانی شیر بکری کو پلاتے ہیں

لگائی عشق نے وہ آگ دل میں بجھ نہیں سکتی
وفور اشک سے ہر چند ہم دریا بہاتے ہیں

دکھاتے ہیں دل پہ داغ جب ہم چارہ سازوں کو
ہمارے داغ دل کیا کیا ہمیں آنکھیں دکھاتے ہیں

نہیں معلوم پھونکا کیا صبا نے کان میں گل کے
چمن میں جس سے غنچے چپکے چپکے مسکراتے ہیں

جگائیں بخت خوابیدہ کو گر میرے تو میں جانوں
کہ میرے نالہ دل خوب سوتوں کو جگاتے ہیں

نئی تلوار جس دم کوئی ان کے ہاتھ آتی ہے
تو پہلے اس کو وہ اس سخت جاں پر آزماتے ہیں

قطعہ

وہ ہم سے وعدہ کر جاتے ہیں اکثر شب کے آنے کا
مگر آتے نہیں ہرگز جا کر بھول جاتے ہیں

گزر جاتی ہے ساری رات کہتے کہتے یہ ہم کو
اب آتے ہیں لآتے ہیں اب آتے ہیں اب آتے ہیں

اگرچہ کھینچتے ہیں آپ کو وہ دور تر ان کو
کشش سے اپنے دل کی اے ظفر ہم کھینچ لاتے ہیں

وہ جو چلیں ہیں اتنی جلدی دیکھیں کدھر کو جاتے ہیں
ٹھہرتے ہیں رستے میں کہیں یا سیدھے گھر کو جاتے ہیں

جاتے تو ہیں کوچہ میں تیرے جو ہیں ترے سر باز وفا
لیکن رکھ کے ہتھیلی پر وہ اپنے سر کو جاتے ہیں

ہیں یہی قاصد میرے ہمیشہ اور یہی خط پرزا ہے
اشک رواں جو میرے لے کر لخت جگر کو جاتے ہیں

قصد کعبہ ان کو مبارک شوق جنہیں ہو کعبہ کا
اے بت کافر چھوڑ کے ہم کب تیرے در کو جاتے ہیں

کچھ تو عدم میں ہستی سے اسا نکان کو زیادہ ہے
پھر نہیں آتے پھر کے ادھر کو جو کر ادھر کو جاتے ہیں

کوئی اگر مر جائے تڑپ کر ان کی بلا سے ان کو کیا
حال وہ کس کا پوچھتے ہیں اور کس کی خبر کو جاتے ہیں

کیا کہوں کیا بن جاتی ہے میرے جی پر ان کی جدائی سے
پاس سے میرے وہ جو کہیں اک لحظہ بھر کو جاتے ہیں

ہوتے ہیں تیری بزم میں خوش کب شمع صفت ہم سوختہ جان
جلتے شام کو آتے ہیں اور روتے سحر کو جاتے ہیں

جو ہیں ظفر پیدائش ان کی بے فکری میں گزرے ہے
آٹھ پہر اندیشہ ہی میں دانش ور کو جاتے ہیں

اسیر جن کے دل اس گیسوئے دوتا میں ہیں
انہیں کے دل سے کوئی پوچھے کس بلا میں ہیں

مطلع ثانی

ہوا جو باندھتے اس قلزم فنا میں ہیں
حباب وار وہ بے مغز کس ہوا میں ہیں

نہ ان کو چاہیے خنجر نہ چاہیے شمشیر
وہ قتل کرتے ہیں ہزاروں کو اک ادا میں ہیں

ہمارے ان کے محبت کے کچھ نہ پوچھو ڈھنگ
کہ ہم وفا میں ہیں سرگرم وہ جفا میں ہیں

جنوں کے ہاتھ سے دوچار تار بھی باقی
نہ جیب میں نہ مرے دامن قبا میں ہیں

مزا ہے آج اگر ان سے ہاتھا پائی ہو
لگا رہے وہ حنا اپنے دست و پا میں ہیں

ترے ہی کوچہ میں ہوں دفن تیرے کشتہ ناز
یہ تجھ سے چاہتے وہ اپنے خوں بہاں میں ہیں

کریں گے پارہ کو کیا خاک یہ مہوس خاک
کہ آپ کشتہ تمنائے کیمیا میں ہیں

جو اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں بتوں کو ظفر
بناتے بت کدہ وہ خانہ خدا میں ہیں

فدا پروانہ ساں جاں اس پہ ہم جانباز کرتے ہیں
اگرچہ پر نہیں پر شوق میں پرواز کرتے ہیں

مطلع ثانی

ستم ہم پر نہیں یہ دلبر طناز کرتے ہیں
ستم کا ظاہرا پردہ ہے لیکن ناز کرتے ہیں

تمہارے گھر میں شب کو کس طرح ہم آئیں چوری سے
کہ چوکیدار کھٹکا سنتے ہی آواز کرتے ہیں

جو کہتا تھا وہی کہتا رہا منصور سولی پر
کہ کہہ کر حرف حق انکار کب سرباز کرتے ہیں

ہم اس میں آپ ہوجاتے ہیں گم انداز سے باہر
نظر میں جب کمر کا یار کی انداز کرتے ہیں

جو میرے درد دل کا چارہ ساز آتا بھی ہے کوئی
تو سازش اس سے پہلے طالع ناساز کرتے ہیں

جو عالی ظرف ہیں جو مستی صہبائے الفت میں
نہ پردہ فاش کرتے ہیں نہ افشا راز کرتے ہیں

الٰہی خیر کیجو آج کان ملاحت سے
پھر آ کر دم بدم سرگوشیاں غماز کرتے ہیں

ظفر کیا کام ہے مستوں کو زاہد کے وظیفے سے
وہ اپنا ورد شعر حافظ شیراز کرتے ہیں

خط اس نو خط کو قاصد لکھ کے الفت آزماتے ہیں
وہ کیا لکھتا ہے دیکھیں ہم بھی قسمت آزماتے ہیں

مطلع ثانی

جو سر بازوں پہ وہ تیغ محبت آزماتے ہیں
تو ہم بھی آج چل کر اپنی قسمت آزماتے ہیں

نہیں پائیں گے مضمون کمر کی اس کی باریکی
عبث باریک ہیں اپنی طبیعت آزماتے ہیں

دل وجاں دین و ایماں وہ ابھی دینے کو حاضر ہے
اگر عاشق کی اپنے آپ ہمت آزماتے ہیں

وہاں ہم جا کے دیکھیں کیونکہ رہتے ہو رفیق اپنے
تمہاری حضرت دل ہم رفاقت آزماتے ہیں

قیامت کر چکے برپا مرے سر پہ محبت میں
اور اس پہ بھی مجھے یہ سرو قامت آزماتے ہیں

مجھی سے سیکھ کر باتیں عدو کے دل دکھا لیں گے
مجھی پہ آپ پھر وقت عداوت آزماتے ہیں

کہیں چھینٹوں میں ان کے دیکھ تو ٹھنڈا نہ ہو جائے
کہ یہ آنسو تجھے اے سوز فرقت آزماتے ہیں

ظفر یہ بار عشق اٹھے نہ اٹھے ہم ضعیفوں سے
مگر یکبار اپنی تاب و طاقت آزماتے ہیں

صنم جیسا کہ تو نام خدا ہے دلربائی میں
نہ ہو گا دلربا ایسا کوئی ساری خدائی میں

وہ ہیں آوارہ و سرگشتہ صحرائے جنوں میں ہم
خضر گم راہ ہوتا ہے جنوں کی رہنمائی میں

کہاں ہے آئینہ کو تاب اتنی اے پری پیکر
کہ وہ ہووے مقابل تیرے عارض سے صفائی میں

نہ ہوتے آشنا تیرے جو ہم کو یہ خبر ہوتی
کہ تو ہو جائے گا ناآشنایوں آشنائی میں

میسر ہے ہمیں بوس و کنار اس کا تصور سے
مزے ہم وصل کے لے لیتے ہیں کیا اب جدائی میں

اسیران قفس نے دور اپنے بال و پر توڑے
ہوا حاصل نظر کر یہ تمنائے رہائی میں

ظفر رنگ حنا میں گو نہاں ہے اسقدر شوخی
کسی کا خوں ملا اس نے مگر دست حنائی میں

گاہ بگاہ ادھر وہ جو گزر کرتے ہیں
خوب چھڑکاؤ مرے دیدہ تر کرتے ہیں

پھرتے ہیں خاک اڑاتے ہوئے مانند صبا
عمر ہم خاک بسر خاک بسر کرتے ہیں

کیوں نہ قرباں ہوں کماندار ترے تیروں کے
واہ کیا چھٹتے ہی دل میں مرے گھر کرتے ہیں

دیکھو اے غنچے پہ اس باغ میں خنداں ہو کر گل
چٹتے ہی گلشن ہستی سے سفر کرتے ہیں

دل پہ جو گزرے ہے ہو جائے ہے مجھ کو معلوم
قاصد اشک مرے آ کے خبر کرتے ہیں

جلتے ہیں کیونکر تیرے سوختہ جاں ہجر کی شب
شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کرتے ہیں

اے ظفر ہم کو ادھر وہی نظر آتا ہے
ہم نظر اس کے تصور میں جدھر کرتے ہیں

ناصافیوں سے دل کے باصاف صافیوں ہیں
چھٹتی ہے ہم سے ان سے کیا برخلافیوں میں

کوچہ میں زلف کے تو رہنے دے میرے دل کو
اے شانہ مدتوں سے ہے یہ معافیوں میں

آتا ہے پیش دیکھیں کس طرح وہ ستم گر
ظلم و ستم کی اپنے ہم سے تلافیوں میں

وہ خوش غلاف تیغہ ہے قتل کو ہمارے
جو یار ہے تمہارے آنکھیں غلافیوں میں

مژگاں کے تیرے خنجر آتے ہیں کام اپنے
یا سینہ چاکیوں میں یا دل شگافیوں میں

وعدہ خلاف اب تو وعدہ کہیں وفا کر
اک عمر یونہی گزری وعدہ خلافیوں میں

کیا کیا سخنوروں کے پھر تنگ قافیے ہوں
لکھیں ظفر غزل وہ گر ایسے قافیوں میں

پیاموں میں کھلی انکار کی تقریریں ہوتی ہیں
خطوں میں یک قلم اقرار کی تحریریں ہوتی ہیں

وہی ہوتا ہے جو ہونا ہے انساں کے مقدر میں
موافق دوستو تقدیر کے تدبیریں ہوتی ہیں

نہ ہو حیران اگر عالم میں ہر صورت علیحدہ ہے
مرقع میں ہزاروں رنگ کی تصویریں ہوتی ہیں

نہ ڈھونڈھو پائداری دیکھو دنیا کی عمارت میں
کہ بے بنیاد یاں کی غافلو تعمیریں ہوتی ہیں

ہوا کیا گر پھٹا گل کا جگر فریاد بلبل سے
کہ عاشق کی تو باتوں میں بڑی تاثیریں ہوتی ہیں

کہاں ہے دل میں گنجائش ترے تیغ دو ابر کی
میاں کب اک میاں میں دو بہم شمشیریں ہوتی ہیں

خدا جس کو بزرگی اے ظفر دیتا ہے عالم میں
تو ان کو خودبخود تعظیمیں اور توقیریں ہوتی ہیں

وہ نچلے بیٹھے بے چلبلے سے ہیں
کچھ چٹکیوں میں اپنی عجب چٹکلے سے ہیں

کیا گرمی نشاط ہے گلشن میں اے نسیم
بند قبا سے گل نظر آتے کھلے سے ہیں

مدت تلک کھنچے رہے ہر چند اور سے
ہم دیکھتے ہیں کچھ وہ ادھر کو ڈھلے سے ہیں

ہے موتیوں کے ڈھیر سے کیا کم ہجوم اشک
جانچے ہوئے نظر کے یہ پتھر تلے سے ہیں

دریائے اشک میں ہے مرے چرخ اک ہنوز
جتنے کہ ہیں ستارے وہ سب بلبلے سے ہیں

زنداں میں یہ جو نالہ زنجیر کا ہے غل
برپا کیے جنوں نے مرے غلغلے سے ہیں

دل عاشقوں کے ہیں شجر عشق کے ثمر
پر ان میں ہیں مزے کے وہی جو گلے سے ہیں

شادی ہے کس کے آنے کی گلشن میں اے صبا
غنچے کے گال پھول کے جو گلگلے سے ہیں

نالے ہمارے بارش گریہ سے اے ظفر
چڑھ چڑھ کے اونچے ہو گئے باراں پلے سے ہیں

اکٹھے پارہ دل آ کے کب مژگاں پہ ہوتے ہیں
چمن میں عشق کے ہم پھول کانٹوں میں پروتے ہیں

ہمیشہ چاہتے ہیں چھیڑ اسکافر کی مژگاں سے
یہ کانٹے حضرت دل اپنے حق میں آپ بوتے ہیں

جدائی میں تری ہررات میری آہ و زاری سے
زمانہ جاگتا ہے اور میرے بخت سوتے ہیں

اگر دیتا ہے اپنی تیغ کو واں آب وہ قاتل
تو جانباز محبت جان سے یاں ہاتھ دھوتے ہیں

جو تجھ سے اشنا ہیں وہ ترے چاہ زنخداں میں
نہیں دل کو ڈبوتے پر نصیب ان کو ڈبوتے ہیں

تمہارے محو صورت صورت تصویر حیراں میں
نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ ہنستے ہیں نہ روتے ہیں

وہ اپنی جنبش مژگاں دکھا کراے ظفر ہم کو
جگر میں اور دل میں سیکڑوں نشتر چبھوتے ہیں

رہیں گے سب ترے عاشق غم و حسرت میں جتنے ہیں
پھریں گے دن مصیبت کے یونہی قسمت میں جتنے ہیں

ہوئے گلہائے نرگس تجھ سے کیوں ہم چشم گلشن میں
کہ ہیں آنکھیں جھکائے سب وہ اس خجلت میں جتنے ہیں

پری رو دیکھنے والے ترے اس روئے زیبا کے
مثال آئینہ ہیں عالم حیرت میں جتنے ہیں

بتاؤں کون ہے ہشیار میخانہ میں دنیا کے
پڑے بے ہوش ہیں سب نشہ غفلت میں جتنے ہیں

جتائے کون میری دوستی اے بے وفا تجھ کو
مرے سب دشمن جاں ہیں تری صحبت میں جتنے ہیں

دکھاتے ہیں مجھے اے ماہ بے مہری سے سب آنکھیں
ستارے آسماں پر یہ شب فرقت میں جتنے ہیں

ہزاروں ہیں ترے عاشق نہ ہو گا پر کوئی اتنا
ہوئے رسوائے عالم ہم تری الفت میں جتنے ہیں

ظفر ہیں ایک مدت سے بھرے شکوے مرے دل میں
کروں گا میں کبھی ان سے بیاں خلوت میں جتنے ہیں

جگر پر زخم یوں پہلو میں زخم نو کے لگتے ہیں
کہ اک کی جائے نو اور نو برابر سو کے لگتے ہیں

لگی ہے جن کو لو بزم جہاں میں شمع رویوں کی
تو جلتے مثل پروانہ وہ ساتھ اس لو کے لگتے ہیں

لئے دو چار بوسے اس کے جب ہم نے کہا اس نے
دیے جائے کہاں تک کوئی تم کو ہو کے لگتے ہیں

دکھائیں روشنی لاکھ اپنی مہر و ماہ عالم میں
مگر بے نور وہ آگے ترے پر تو کے لگتے ہیں

ترے کوچے میں جو آتا ہے وہ سر کے بل آتا
زمیں کو پاؤں اس رستہ میں کب رہرو کے لگتے ہیں

خیال آ جائے ہے اس مہ جبیں کے جبکہ ابرو کا
تو دل پر گھاؤ کیا خنجر سے ماہ نو کے لگتے ہیں

ظفر جو لوگ قانع ہیں شکم ان کا ہے بھر جاتا
اگر ہاتھ ان کے دانے ایک مٹھی جو کے لگتے ہیں

مجھے خط لال کاغذ پر وہ کیا تحریر کرتے ہیں
ارادہ خون کا ہے میرے کیوں تاخیر کرتے ہیں

تصور سے جو ان کا کھینچ کر نقشہ دکھاتا ہوں
مصور کھینچتی موقوف ابھی تصویر کرتے ہیں

خفا تھے اس خطا پر کل کہ چھیڑی زلف مشکیں کیوں
وہ دیکھیں آج ثابت ہم پہ کیا تقصیر کرتے ہیں

اجل کھیلے ہے شاید عاشق سر باز کے سر پر
علم جو دم بدم آج اپنی وہ شمشیر کرتے ہیں

بچائے تیرے غمزوں سے خدا صید محبت کو
کہ یہ کافر ہمیشہ ذبح بے تکبیر کرتے ہیں

نہیں آئے گی ہرگز بات بھی اس شوخ کے آگے
یہ بیٹھے حضرت ناصح نہیں تقریر کرتے ہیں

خدا جانے اثر ہوتا نہیں کیوں دل میں اس بت کے
ظفر نالے مرے پتھر میں بھی تاثیر کرتے ہیں

کام جو کرتے ہیں بے ہودہ ظفر کرتے ہیں
ہرزہ گردی میں ہم اوقات بسر کرتے ہیں

شب غم ہوا شب عیش برابر ہے کہ ہم
شمع کی طرح سے رو رو کے سحر کرتے ہیں

بے خبر دل پہ جو گزرے ہے محبت میں تری
قاصد اشک مرے مجھ کو خبر کرتے ہیں

جب کہ وہ جنبش مژگاں ہیں دکھاتے اپنی
ایک پل میں دو جہاں زیر و زبر کرتے ہیں

کیا ہنسیں کھول کے دل غنچہ صفت وہ دلگیر
باغ ہستی سے جو چٹتے ہی سفر کرتے ہیں

ٹکڑے کرتے ہیں جگر اپنے وہ غمخواروں کے
آہ جس وقت تیرے حسد جگر کرتے ہیں

تیر مژگاں ترے سیکھے ہیں کچھ ایسی گھس پیٹھ
چھوٹتے ہی دل عشاق میں گھر کرتے ہیں

خاک اڑاتے ہوئے پھرتے ہیں بگولے کی طرح
عمر کیا خاک بسر خاک بسر کرتے ہیں

اے ظفر یہ ترے اشعار ہیں یا نالہ زار
کیا بلا ہیں جو کہ یوں دل میں اثر کرتے ہیں

مسی مالیدہ جو دنداں پہ نظر کرتے ہیں
ہم آئینہ میں وہ شام و سحر کرتے ہیں

رو دے کیوں تیغ پہ قاتل کے سرشک خون سے
موت پہ خندہ مرے زخم جگر کرتے ہیں

دل مضطر نہیں اکسیر کروں سیمرا
کیا ہوا پارہ کو کشتہ وہ اگر کرتے ہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم خلد بریں سے گزرے
حور وش جو ترے کوچے سے گزر کرتے ہیں

جوش گریہ سے نہیں اشک اچھل کر گرتے
یہ گرہ باز کبوتر ہیں ہنر کرتے ہیں

روز و شب روئے مصفائے ترا پیش نظر
شغل آئینہ یہ ہم آٹھ پہر کرتے ہیں

سوزش دل کو ہیں کیا خاک بجھاتے میری
مجھ کو رسوائے جہاں دیدہ تر کرتے ہیں

آتش عشق سے اڑ جائیں سمندر کے حواس
یہ ہمیں ہیں جو اس آگ میں گھر کرتے ہیں

اس قدر ہم سے خفا ہیں کہ بجز خط غبار
وہ رقم خط بھی نہیں ہم کو ظفر کرتے

تیرے کوچے میں نہیں بے لاگ آئے تو ہم ہیں
لاگ پر دشمن کے بھاگا بھاگ آئے ہم تو ہیں

اس کے گیسو کہتے ہیں دل سے کہ تو اب بچ چکا
تیرے حق میں بن کے کالے ناگ آئے ہم تو ہیں

وادیِ مجنوں کی دیتے خاک اڑا پر اب تلک
تو سن وحشت کی کھینچے باگ آئے ہم تو ہیں

کاٹ کر ہجراں کی راتیں سوئے ہیں اے صورِ حشر
کیوں جگاتا ہے کہ برسوں جاگ آئے ہم تو ہیں

مطرب ایسا کچھ سنا جس سے کہ ہو دل کو کشود
ایک سن کر ہی ترا کھڑاگ آئے ہم تو ہیں

سوزشِ دل کو بجھائے گا تری کون آن کر
کہتے ہیں آنسو نکالے آگ آئے ہم تو ہیں

اے ظفر دیوانگی سے آئے ہیں جب ہوش میں
مثلِ دریا منہ میں بھر کر جھاگ آئے ہم تو ہیں

قابو میں اپنے تھوڑے سے وہ آ گئے تو ہیں
ان کا مزاج ہم بھی کچھ اب پا گئے تو ہیں

چتون کو خوب چاہ کی پہچانتے نہیں
پر دیکھنے سے مرے وہ شرما گئے تو ہیں

کوٹھے سے جو اتارتے ہیں اپنے ونجھے
کچھ اونچ نیچ غیر انہیں سمجھا گئے تو ہیں

گو مل گئے ہیں خاک میں اہلِ صفا مگر
جوہر مثالِ آئینہ دکھلا گئے تو ہیں

کھائیں گے اور کیا وہ میرے گھر میں آن کر
آنے کی میرے پاس قسم کھا گئے تو ہیں

میں نے کہا ہے جب خفقاں کا کچھ اپنے حال
ایک بار اس کو سن کے وہ گھبرا گئے تو ہیں

آتے ہیں کیونکہ حضرتِ دل پھر کے دیکھئے
کوچے میں زلفِ یار کے تنہا گئے تو ہیں

آئیں گے یا نہ آئیں گے یہ کس کو ہے خبر
لیکن یہاں وہ آنے کو فرما گئے تو ہیں

دنیا کا ہے مزا ظفر انجامِ کار زہر
میٹھا سمجھ کے لوگ اسے للچا گئے تو ہیں

مری آنکھوں سے مثلِ ابر جب آنسو ٹپکتے ہیں
تو ہنس کر برق آسا مجھ پہ وہ کیا کیا چمکتے ہیں

مطلعِ ثانی

چمن میں جب بہار آتی ہے اور غنچے چٹکتے ہیں
تو حسرت سے اسیرانِ قفس کیا کیا پھڑکتے ہیں

مجھے سمجھاتے ہیں کیا ناصحوں کو کوئی سمجھائے
نہیں آتا سمجھ میں میری اتنا کیا وہ بکتے ہیں

مجالِ گفتگو ہم کو کہاں ہے اس پری رو سے
مگر آئینہ ساں حیران سے صورت کو تکتے ہیں

گیا منزل پہ سارا قافلہ اور راہِ غربت میں
ہم آوازِ جرس کی طرح سے تنہا بھٹکتے ہیں

کرے ہے گرم جوشی غیر سے جس دم وہ آتش خو
تو میرے دل میں کیا کیا شعلۂ حسرت بھڑکتے ہیں

ہمارے دوستوں کو دشمن اس در پہ میں دھکاتے
ابھی معلوم ہوتی ہے اگر ہم جا دھمکتے ہیں

اگرچہ عشق میں تیرے ہوئے ہم سوکھ کر کانٹا
نظر میں ناتواں مجنوں کے پر ہائے گل کھٹکتے ہیں

سبب کچھ اس خموشی میں ہے اپنے اے ظفر ورنہ
زباں منہ میں ہماری بھی ہے ہم بھی بول سکتے ہیں

شب کو ہم پاس ان کے سرکٹ کے چلے جاتے تو ہیں
ان کے گھر والوں کو کچھ کھٹکے چلے جاتے تو ہیں

کوئی انکا یاد کیونکر زلف کی لٹ کو نہیں
خودبخود دل سینکڑوں لٹکے چلے جاتے تو ہیں

جائے گو سرپٹ سمند ناز تیرا شہسوار
ساتھ اس کے ہم بھی سر پٹکے چلے جاتے تو ہیں

کوچہ ہے قاتل کا وہ ایسا نہ ہو کو چین کہیں
متصل ہم اس کی چوکھٹ کے چلے جاتے تو ہیں

کون کہتا ہے کہ میخواروں نے توبہ مے سے کی
اور گھر ان کے بھرے مٹکے چلے جاتے تو ہیں

حضرت دل زلف کے کوچے میں دست شانہ سے
کیا ہوا کھاتے ہیں گھر جھٹکے چلے جاتے تو ہیں

لگ رہے گا کچھ نہ کچھ لگا کسی دن اے ظفر
طور کچھ ان سے لگاوٹ کے چلے جاتے تو ہیں

یار کے سب قریب رہتے ہیں
دور ہم بے نصیب رہتے ہیں

نہیں ہوتا کسی سے میرا علاج
یہاں اتنے طبیب رہتے ہیں

فوج حسرت میں میرے نالہ و آہ
بس یہی وہ نقیب رہتے ہیں

دشت غربت میں رہتے ہیں جو لوگ
وہ ہمیں سے غریب رہتے ہیں

ہم کسی گل کے عشق میں نالاں
روش عندلیب رہتے ہیں

میرے ان کے معاملے باہم
کیا کہوں کچھ عجیب رہتے ہیں

ہوں وہ تنہا تو کچھ کہوں میں ظفر
ساتھ ان کے رقیب رہتے ہیں

نہ ہم کچھ ہنس کے سیکھے ہیں نہ ہم کچھ رو کے سیکھے ہیں
جو کچھ تھوڑا سا سیکھے ہیں کسی کے ہو کے سیکھے ہیں

کسی کو کیا اگر جی کھو کے سیکھے ہم فن الفت
نہیں سیکھے کسی کا کھو کے اپنا کھو کے سیکھے ہیں

نہ تھے آگاہ ہم اس کشت کاری سے محبت کی
زمین دل میں اپنے تخم الفت بو کے سیکھے ہیں

لیا ہے دیکھے دھوکے دل انہوں نے ایک عالم کا
خدا جانے کہ دھوکے کس سے وہ یہ سیکھے ہیں

کسی کو کاہے کو آتی ہے راہ و رسم جاں بازی
مگر ہم زندگی سے ہاتھ دھو کے سیکھے ہیں

سکھائی زلف نے ہیں ان کو طرزیں کج ادائی کی
وہ یہ انداز سب اس کافر خم رو کے سیکھے ہیں

ہمیں عشق و محبت نے سکھائی نالہ و زاری
ظفر دو کام یہ ہم فیض سے ان دو کے سیکھے ہیں

جب سے صحبت میں تمہاری یار بے ڈھنگے سے ہیں
ہو گئے سب آپ کے اطوار بے ڈھنگے سے ہیں

ہوتے ہیں معلوم ان باتوں سے ہم کو ڈھنگ اور
بولتے وہ جو دم گفتار بے ڈھنگے سے ہیں

اے مسیحا دم نہیں جیسے کا ان کے کوئی ڈھنگ
ہو گئے ایسے ترے بیمار بے ڈھنگے سے ہیں

روبرو ہونٹوں کے تیرے لعل ہیں بیرنگ سے
آگے ہونٹوں کے در شہوار بے ڈھنگے سے ہیں

زاہد مکار سے بہتر ہیں ان کے رنگ ڈھنگ
کیا ہوا ظاہر میں گر میخوار بے ڈھنگے سے ہیں

غمگساری کے مرے آتے ہیں ان کو خوب ڈھنگ
ورنہ جتنے ہیں مرے غمخوار بے ڈھنگے سے ہیں

سرو اور شمشاد کب ہے یہ رعنائی کا ڈھنگ
دونوں پیش قامت دلدار بے ڈھنگے سے ہیں

آشنا سب ہیں مگر سب کا نہیں ہے ایک ڈھنگ
دو اگر ہیں ڈھنگ سے تو چار بے ڈھنگے سے ہیں

اے ظفر تیرے سخن کا سا کسے آتا ہے ڈھنگ
سن چکے ہیں سب کے ہم اشعار بے ڈھنگے سے ہیں

آنکھ اس کے روزن در سے لگا بیٹھے تو ہیں
وہ نظر آوے نہ آوے جی جلا بیٹھے تو ہیں

دیکھئے اٹھتے ہیں مر مٹتے ہیں کیا کرتے ہیں ہم
جم کے اس کوچے میں مثل نقش پا بیٹھے تو ہیں

دور بھی ہم کو کھڑے ہونے نہ دیتا وہ کبھی
اے تصور تیری دولت پاس جا بیٹھے تو ہیں

دیکھئے کیونکر جمال یار کی آتی ہے تاب
ہم دوئی کا بیچ سے پردہ اٹھا بیٹھے تو ہیں

روضہ رضواں کی کیا خواہش کریں اب حور وش
ہم ترے کوچے میں اپنا گھر بنا بیٹھے تو ہیں

دیکھئے کس دن اٹھائے وہ ستم سے اپنا ہاتھ
ہم اٹھائے اس لئے دست دعا بیٹھے تو ہیں

ہو نہ ہو تسکین درد دل مگر ہم مضطرب
بارہا اٹھے تو ہیں اور بارہا بیٹھے تو ہیں

دیکھنی صورت صنم کی دیکھئے کب ہو نصیب
ہم صنم خانہ کے در پر اے خدا بیٹھے تو ہیں

پوچھتے ہو تم ظفر کو یاں وہ آئے یا نہیں
بندہ پرور آپ انہیں کہتے ہیں کیا بیٹھے تو ہیں

وہ اپنے کوٹھے پہ ہر شام و صبح گر نہ چڑھیں
مجھے یہ ڈر ہے کسی کی کہیں نگہ نہ چڑھیں

وہ میں ہوں محو خیال اس کے روئے تاباں کا
کہ جس کے دھیان پہ بھی آفتاب و مہ نہ چڑھیں

کریں گیاور سوا ظلم ناتوانوں پہ
الٰہی زور پہ خوبان کج کلہ نہ چڑھیں

شکست دل کی ہے منظور تیری آنکھوں کو
یہ کیوں لڑائی پہ مژگاں کے بے سپہ نہ چڑھیں

مزار ہوویں جہاں گل رخوں کے کشتوں کے
ہمیشہ پھول وہاں کیونکہ ہر جگہ نہ چڑھیں

ستم پسند ہے ایسا وہ خوش نہ ہو ظالم
جو روزدار پہ دو چار بے گنہ نہ چڑھیں

ظفر یہ کون کہے سوئے زلف مشکیں کو
کہ منہ پہ یار کے اتنے یہ روسیہ نہ چڑھیں

جو پہلے تھے یار اپنے اب ان کو کہاں ڈھونڈیں
باقی ہے نشاں کس کا ہم کس کا نشاں ڈھونڈیں

جب دم کے ٹھہرنے کا دم بھر نہ ٹھکانا ہو
ناداں ہیں جو رہنے کا یاں اپنے مکاں ڈھونڈیں

سمجھیں یہ اگر غافل جوئندہ یابندہ
ہاتھ آئے وہی ان کے جس شے کو یہاں ڈھونڈیں

اس ابروئے پرخم سے تیغ ایک نہ ہاتھ آئے
پھر پھر کے سپہر گر سارا صفا ہاں ڈھونڈیں

گٹھری ہی گناہوں کی کیا کم ہے گرانباری
جو اور زیادہ ہم کچھ بار گراں ڈھونڈیں

جو ابرو و مژگاں سے دل صید کریں لاکھوں
وہ صید فگن ناحق کیوں تیر و کماں ڈھونڈیں

پیری میں ظفر بہتر ہے ہمدم دیرینہ
جو نوجواں ہوں وہ دلدار جواں ڈھونڈیں

تمہارے کچھ مریض غم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں
پڑے بستر پہ ہیں بے دم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

مثال آئینہ کیا جانے کس کی دیکھ کر صورت
ہوئے یہ محو حیرت ہم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

اٹھاتے ہم پہ میں طوفان کیا کیا آشنا اور ہم
پڑے ہیں چپ چشم نم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

ہم اپنی کہہ نہیں سکتے کسی کی سن نہیں سکتے
ہے اب سکتہ کا سا عالم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

وہ جب ملتے تھے مجھ سے کچھ مقرر کہتے سنتے تھے
پر اب تو ایسے ہیں برہم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

یہاں تو کہتے ہیں لائیں گے ہم کچھ اس کو کہہ سن کر
وہاں جا کر مرے ہمدم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

ظفر آنکھوں ہی آنکھوں میں ہیں باتیں ان سے ہو جائیں
کبھی ظاہر میں کچھ باہم نہ کہتے ہیں نہ سنتے ہیں

سوز غم سے آبلے داغ جگر کے بیچ میں
چادر گل کی جائے ہے اک گل سپر کے بیچ میں

تار ہیں اشکوں کے میرے قطرہ ہائے خون دل
دانہ یاقوت ہیں سلک گہر کے بیچ میں

جب بجے تیرا خیال ناف اے دریائے حسن
ہے دل نا آشنا گویا بھنور کے بیچ میں

ہے جو اتنی روشنی کس کے رخ پرنور کا
عکس ہے آئینہ شمس و قمر کے بیچ میں

دیکھ تو گلہائے داغ عشق کی دل میں بہار
کیا چمن میں خوشنما یہ تیرے گھر کے بیچ میں

عشق ہے ان پاک بازوں کو جو اپنے یار سے
ہوتے ہم بستر ہیں شب تلوار دھر کے بیچ میں

ہو برا ان کا کہ جو ڈالیں برائی آن کر
سب سبب بے وجہ تیرا اور ظفر کے بیچ میں

کون واں جائے جہاں تفتہ جگر جلتے ہیں
اس جگہ تو ملک الموت کے پر جلتے ہیں

عین گریہ میں مرے سینہ و دل ہیں سوزاں
دیکھو اس شدت باراں میں یہ گھر جلتے ہیں

پھول لالے کے جو ہیں داغ بدل گلشن میں
دیکھ کر اس گل عارض کو مگر جلتے ہیں

خاک کر دے کہیں اے عشق جلا کر جلدی
دیر سے ہم روش ہیزم تر جلتے ہیں

گرم نظارہ ہوں اس شعلہ رخسار پہ کیا
کہ وہاں بال و پر مرغ نظر جلتے ہیں

رات بھر گرچہ جلی شمع تو کیا خاک جلی
عاشق سوختہ جاں آٹھ پہر جلتے ہیں

داغ پہ داغ جو وہ دل پہ مرے دیکھتے ہیں
گھر میں کیا گھی کے چراغ ان کے ظفر جلتے ہیں

قمار عشق میں دیکھا جو کامل ہیں تو آپ ہی ہیں
کہ جاں پہ کھیلتے آنحضرت دل ہیں تو آپ ہی ہیں

برنگ شمع تم کرتے ہو میری محفل فروزی
تمہیں سے روشنی ہے زیب محفل ہیں تو آپ ہی ہیں

کسی کی عقل پر کرتے نہیں یہ عشق بازی ہم
جو داناں ہیں تو آپ ہی ہیں جو عاقل ہیں تو آپ ہی ہیں

جہاں میں اور بھی ہیں خوبرو سفاک و عاشق کش
مگر میرے کشندہ میرے قاتل ہیں تو آپ ہی ہیں

کسی کا دل جو لیتا ہے کوئی بیدل وہی کرتا
میرا دل لے کے رکھتے مجھ کو بے دل ہیں تو آپ ہی ہیں

کریں ہیں صید افگن ذبح پورا صید کو اپنے
مگر اک چھوڑ دیتے نیم بسمل ہیں تو آپ ہی ہیں

یہ دشت عشق کا طے حضرت دل کیونکر ہو تم سے
کہ اس منزل میں اپنے میر منزل ہیں تو آپ ہی ہیں

حجاب جلوہ دیدار جاناں ہے خودی اپنی
نہیں پردہ کوئی حائل جو حائل ہیں تو آپ ہی ہیں

زمین سہل میں تو ہیں سبھی کچھ شعر کہہ لیتے
ظفر لکھتے غزل جو ایسی مشکل ہیں تو آپ ہی ہیں

ردیف الواو

بھری دماغ میں کس زلف پر شکن کی بو
کہ خوش نہ آئی ہمیں نافہ ختن کی بو

لگایا ہم نے جو اس غیرت چمن کو گلے
بدن میں بس گئی نسرین و نسترن کی بو

چمن سے دور رہا اس قدر قفس میرا
کہ پہنچی اڑ کے نہ مجھ تک گل چمن کی بو

عرق فشاں کہیں گلشن میں تو ہوا شاید
ہر ایک گل سے جو آئی ترے بدن کی بو

ہوا ہے صورت دیوانہ گل گریباں چاک
چمن میں لائی صبا کس کے پیرہن کی بو

اثر سے عشق کے دامان کوہ میں ہر گل
عجب نہیں جو رکھے خون کوہ کن کی بو

چمن میں غنچہ جو اس گل کے سامنے ہے خوش
چھپا رہا ہے ظفر اپنے وہ دہن کی بو

جو دل میں ہو سو کہو تم نہ گفتگو سے ہٹو
رہو پر آنکھوں کے آگے نہ روبرو سے ہٹو

میں آپ پھیرتا ہوں اپنے حلق پر خنجر
چھری اٹھا لو تم اپنی مرے گلے سے ہٹو

وہ شل کوہ گراںبار ہو تو تم حضرت عشق
کر نے کسی سے ٹلو اور نے کسی سے ہٹو

شہید ناز کے ہر زخم سے ہے خوں جاری
تمہارا تر نہ ہو دامن کہیں لہو سے ہٹو

مراد عشق میں عاشق کی نامرادی ہے
اٹھاؤ حضرت دل ہاتھ آرزو سے ہٹو

جو پیش آئے وہ مستو کرم ہے ساقی کا
نہ پھیرو جام سے منہ اور نہ تم سبو سے ہٹو

ظفر یقیں ہے اگرچہ زمیں بھی ٹل جاوے
کبھی نہ عشق کے میداں میں تم عدو سے ہٹو

چشم میں اس کا تصور اے ظفر آنے تو دو
وہی نظروں میں رہے گا دھیان جم جانے تو دو

مطلع ثانی

پنجہ مژگاں سے میرے پاس ہیں شانے تو دو
پر مجھے تم دونوں زلفیں اپنی سلجھانے تو دو

قاصدان اشک کو روکو نہ اے آنکھوں ابھی
دیکھیں لاتے ہیں خبر کیا دل کی یہ لانے تو دو

دیکھ لینا ہو گیو برپا قیامت سرد پر
جلوہ قامت چمن میں اسکو دکھلانے تو دو

میرے سمجھانے کو آئے حضرت ناصح ہیں آج
دیکھئے کیا مجھ کو سمجھاتے ہیں سمجھانے تو دو

ہیں بہت وحشت زدے پر ایک میں اور ایک قیس
ہو گئے ہیں شہرہ آفاق دیوانے تو دو

ہم دموں پھر شعلہ بازی دیکھنا اس آہ کی
عشق کو دل میں ہمارے آگ بھڑکانے تو دو

پوچھتے کیا ہو ابھی دل سے محبت کا مزا
زخم شمشیر ستم اس کو ابھی کھانے تو دو

دیکھو اس ناقدر داں کو دو نہ دل اپنا ظفر
قدر وہ دل کی تمہاری کچھ اگر جانے تو دو

لاشے کو مرے رکھ کے نہ دیوار میں چن دو
ہوں کشتہ قامت مجھے مینار میں چن دو

درکار ہوں یارو جو کسی کو گہر اشک
بکھرے ہیں پڑے کوچہ دلدار میں چن دو

دو تم دل عشاق کو جا چشم میں اپنی
ان شیشوں کو اس خانہ خمار میں چن دو

گل کھاؤں نہ کیوں رشک سے میں غیر کو
تم ہاتھ سے گل اپنے جو گلزار میں چن دو

ہیں چند حروف پارہ جو میخانہ میں مستور
زاہد تمہیں گر باندھ لے دستار میں چن دو

عاشق ہیں بہت آپ کے لیکن کوئی مجھ سا
جب جانوں کہ تم ایک بھی دو چار میں چن دو

کرتا ہے ستاروں کو جو شرمندہ تو افشاں
ماتھے پہ ظفر اس کے شب تار میں چن دو

یارو سفر کا کچھ سرو سامان تو کرو
جانا کہاں ہے تم کو ذرا دھیان تو کرو

پھر دیکھنا کہ کتنے پریشاں ہوئے ہیں دل
تم اپنے رخ پہ زلف پریشاں تو کرو

تم تو پری ہو حور ہو یہ تم نے کیا کہا
پیدا جہاں میں مجھ سا تم انسان تو کرو

توڑو نہ آئینہ کو جو جھے گر تمہارے منہ
لیکن تم اس کو خوب سا حیران تو کرو

ارمان کیا ہیں حضرت دل جی میں آپ کے
ہم سے بیاں تم اپنے وہ ارمان تو کرو

زنداں میں کیا پڑے ہو کہے ہے مجھے جنوں
تم چند روز سیر بیابان تو کرو

پہچان لو گے یوں ہی اسے کیونکر غافلو
پیدا کچھ اس کی تم ابھی پہچان تو کرو

احساں کرو گے قتل کرو گے اگر مجھے
کہنا ہے آپ کو اگر احسان تو کرو

ایمان و دیں کو ہیچ سمجھ لینا اے ظفر
پہلے تم اس کے نذر دل و جان تو کرو

لائی ہے میرا کیا تقدیر میرے روبرو
ہے خجل کیا کیا مری تدبیر میرے روبرو

اور سودا ہو گا افزوں یاد آئے گی وہ زلف
لاؤ مت آہن گرو زنجیر میرے روبرو

میری آنکھوں سے تصور تیرا جاتا ہی نہیں
رہتی ہے ہر دم تری تصویر میرے روبرو

اے کمان ابرو کھنچا کیوں ہے تو نے تو ابھی
دل پہ مارا ہے نگہ کا تیر میرے روبرو

کاٹ کر رکھ دوں سر اپنا آپ مرضی ہے تری
تو نے رکھ دی لا کے جو شمشیر میرے روبرو

خاکساری کی بدولت خاک کی چٹکی سے کم
ہے مہوس تودہ اکسیر میرے روبرو

گر اثر دل میں نہ ہو اس کے تو پھر یہ چاہیے
دم نہ مارے آہ بے تاثیر میرے روبرو

بات بھی تم کو نہیں آنے کی اس کے سامنے
ناصحا کرتا ہے تو تقریر میرے روبرو

ہے ظفر جب سے مجھے اس روئے نو خط کا خیال
ایک قرآں ہے مع تفسیر میرے روبرو

کس کی ہے تصویر زلف اے وائے شامت روبرو
روز ہے روز سیاہ و شام غربت روبرو

ٹھوکروں ہی میں ادائے وہ خرام ناز سے
اس کے قامت کے جو آ جائے قیامت روبرو

جو ہوا احوال ہے اپنی زباں سے میں کہوں
گر بلا بھیجیں مجھے وہ وقت فرصت روبرو

اپنی آنکھوں میں جگہ کیونکر تصور کو نہ دوں
رہتی ہے کس کی بدولت اس کی صورت روبرو

کس لب شیریں کا ہوں یارب شہید تشنہ کام
جو لئے حوریں کھڑی ہیں جام شربت روبرو

کرتے ہو غائب میں کیوں میرا گلہ تم غیر سے
جو تمہیں کرنی ہو کر لیجے شکایت روبرو

تاب نظارہ کہاں ہے دیدہ پر آب کو
آ بھی جائے گرچہ وہ خورشید طلعت روبرو

جب سے دلاس آفت جاں کو دیا اے ناصحا
موت ہے سر پر کھڑی روز اور آفت روبرو

ہیچ سنتے ان سے کیا کیا اے ظفر کہتے ہیں وہ
کرتے ہیں جو آ کے اظہار محبت روبرو

ہو گئی تیرے ہجر میں ایسی رونے کی عادت آنکھوں کو
ایک گھڑی نہیں آٹھ پہر میں گریہ سے فرصت آنکھوں کو

روئے عرق افشاں پہ ترے سیراب ہوا ایسا سبزہ خط
دیکھ کے جس کو دل کو ہو ٹھنڈک اور طراوت آنکھوں کو

کیوں وہ ناحق مجھ سے ہو برہم کیوں یہ بے جا مجھ سے لڑیں
گر نہ ہو سودا زلفوں کو تیری گر نہ ہو وحشت آنکھوں سے

دیکھا تو کیا دیکھا اس کو جب کہ صورت دیکھتے ہی
ہو گئی صورت آئینہ ایک ہی اپنی حیرت آنکھوں کو

کیا کیا جنبش مژگاں سے ہاتھ اپنے ہمیشہ ملتے ہیں
مدت سے دیدار کی تیرے ہے جو حسرت آنکھوں کو

گر یہی رونا روز کا ہے تو روتے روتے عاشق زار
رو بیٹھے گا ایک دن اپنی اے غم الفت آنکھوں کو

محو نظارہ ہو نہ ظفر تو اس کے روئے روشن کا
کرتی ہے خورشید پرستی دیکھ مضرت آنکھوں کو

جلایا آپ ہم نے ضبط کر کر آہ سوزاں کو
جگر کو سینہ کو پہلو کو دل کو جسم کو جاں کو

ہمیشہ کنج تنہائی میں مونس ہم سمجھتے ہیں
الم کو یاس کو حسرت کو بیتابی کو حرماں کو

جگر کس کس دوں دل میں ترے ہاتھوں سے اے قاتل
کٹاری کو چھری کو بانک کو خنجر کو پیکاں کو

نہ ہو جب تو ہی اے ساقی بھلا پھر کیا کرے کوئی
ہوا کو ابر کو گل کو چمن کو بستاں کو

نہیں قلقل دعا دیتا ہے شیشہ دم بدم ساقی
سبو کو خم کو مے کو میکدہ کو مے پرستاں کو

تجھے دل دے کے میں اے کافر بے مہر کھو بیٹھا
خرد کو ہوش کو طاقت کو جی کو دین و ایماں کو

بنایا اے ظفر خالق نے کب انسان سے بہتر
ملک کو دیو کو جن کو پری کو حور و غلماں کو

بن پڑھے خط نہ مرا تیوری پہ تم بل ڈالو
پہلے پڑھ لو اسے پھر پھاڑ کے مل مل ڈالو

جی دھڑکتا ہے نزاکت سے تمہاری دیکھو
اپنی تم گردن نازک میں نہ ہیکل ڈالو

صندلی اس کا عرق چیں ہی سونگھا دو مجھ کو
نہ دواؤں میں طبیبو مری صندل ڈالو

اپنی تم جنبش ابرو نہ دکھاؤ مجھ کو
کشور دل میں مرے دیکھو نہ ہل چل ڈالو

جس طرح غنچے کو مل ڈالتے ہو چٹکی میں
مجھ کو ڈر ہے کہ یونہی دل نہ کہیں مل ڈالو

کشتہ ناز کریں شور قیامت برپا
سایہ قامت اگر تم سر مقتل ڈالو

عشق کہتا ہے ہمیں کر لو فقیرانہ لباس
تم گلے میں کفنی دوش پہ کمل ڈالو

گردن دلیں مرے طوق گرفتاری تم
نہ بجز حلقہ گیسوئے مسلسل ڈالو

کچھ ہی ہو جائے قدم پھر نہ ہٹے واں سے ظفر
پاؤں ہر کام میں تم سوچ کے اول ڈالو

سرمہ کی اپنی چشم میں تحریر کھینچ لو
میرے تو قتل کی بھی شمشیر کھینچ لو

گر مرغ دل کو دام میں ہو کھینچنا تمھیں
دکھلا کے اپنی زلف گرہ گیر کھینچلو

تم وہ نہیں کہ کھینچ لو ظلم و ستم سے ہات
جب تک نہ روح عاشق دلگیر کھینچ لو

تم اے مصور و مری صورت کو دیکھ لو
مجنوں کی کھینچتے ہو جو تصویر کھینچ لو

کھینچتے ہی تیر سینہ سے جائے گا دم نکل
ایسا نہ ہو کہ تم کہیں یہ تیر کھینچ لو

ہے صبح کوچ حضرت دل جب تلک ہے رات
دو چار اور نالہ شب گیر کھینچ لو

منظور کھینچنا ہے گر اپنی طرف مجھے
کیوں کھینچنے میں کرتے ہو تاخیر کھینچ لو

سب کھینچتے ہیں تمہاری طرف جسکو چاہو تم
گردن میں اس کی ڈال کے زنجیر کھینچ لو

مشتاق قصر خلد کے دکھلانے کو ظفر
تم اس کے گھر کا نقشہ تعمیر کھینچ لو

مرا وہ خوں نہیں جو خنجر قاتل سے دھو ڈالو
بس اب اے ہمدموں یہ بات اپنے دل سے دھو ڈالو

خطر ہے راز دل میرا کھلے یارو نہ محفل میں
مرا نکلے کے تم اس رونق محفل سے دھوڈالو

جو ہووے غافلو منظور دھونا داغ عصیاں کا
تو مل کر پاکبازوں میں کسی کامل سے دھوڈالو

لگا کر کیوں حنا کرتے ہو رنگیں اپنے پنجوں کو
نگارا ہاتھ تم خون دل بسمل سے دھو ڈالو

غبار دامن دل دوستو دھویا نہیں جاتا
اگر ظاہر میں ہو آلودہ دامن گل سے دھو ڈالو

نہ کم ہو تو بھی یک ذرہ کبھی میری سیاہ بختی
سیاہی تم اگر بالفرض اپنے حل سے دھو ڈالو

نجات سے ظفر دنیا کی رہنا پاک بہتر ہے
بلا سے گرچہ دھوئی جائے یہ مشکل سے دھو ڈالو

دل و جاں دین وایماں ہے جو ہو لینا اے صنم لے لو
کروں گا عذر دینے میں نہ میں مجھ سے قسم لے لو

ہمارا منہ کہاں لیں بوسہ اس کا بے رضا منہ کی
کہیں جب تک نہ وہ منہ سے کہ ہاں راضی ہیں ہم لے لوں

تم آئے عین گرمی میں نکل کر دل سے اے اشکو
کوئی دم نخل مژگاں کے ذرا سایہ میں دم لیلو

بکی ہے حضرت دل عشق کے بازار میں سودا
اگر لیتے ہو اپنے واسطے تم مول غم لے لو

بھرے ہے کون کون الفت کا دم معلوم ہو جائے
میاں سے تم میاں جس وقت شمشیر ستم لے لو

روا نہ عشق نے کی ساتھ میرے نوجانکوں کی
اگر چلتے ہو تم بھی نالہائے دل علم لے لو

اٹھائے جوش وحشت سے قدم مجنوں نے صحرا میں
کہو کانٹوں سے گر منظور لینے ہیں قدم لے لو

تمہیں ہے عاشق بے دل سے لینا دل کا کیا مشکل
کہ تم دل باز ہو جس وقت چاہو دے کے دم لے لو

نہیں ہے اعتبار ان کا وہ کہہ کر ہیں مکر جاتے
نوشتے ان کے ہاتھوں کے ظفر تم یک قلم لے لو

جاؤ اس بن اگر آرام نہیں تم جانو — حضرت دل ہمیں کچھ کام نہیں تم جانو
چڑھتے نظروں میں ہو لگ جائے کسی کی نہ نظر — بیٹھنا خوب لب بام نہیں تم جانو
طلب بوسہ پہ کہتے ہو دیں گے گالی — بات تو قابل دشنام نہیں تم جانو
دل تو موجود ہے کیا ہو جو سودا منظور — گرہ زلف میں گر دام نہیں تم جانو
قلقلہ کرتا ہے ترا ناز سے کہتا ساقی — کوئی پیتے ہو پیو جام نہیں تم جانو
ابتدا ہی میں ترے ڈھنگ جتاتے ہیں ہمیں — عشق کا جانتے انجام نہیں تم جانو
مے کشو جان جلا دے گی کہ ساقی کے بغیر — ہے یہ آتش مے گلفام نہیں تم جانو
قاصدوں کو نہ کرو منع نہ ہم کو بھیجو — مجھ سے ان سے خط و پیغام نہیں تم جانو
تم مسلماں ہو ظفر خوب نہیں عشق بتاں
اور اگر یہ ہے تو اسلام نہیں تم جانو

کہتا ہے کون مول مکاں مہ جبیں نہ لو — پر جب تلک نہ لو مرے گھر کے قریں نہ لو
سودا گلے پڑے کا نہیں دل ہیں بیچتے — خواہشگر ہے تو تمہیں خواہش نہیں نہ لو
ڈر ہے یہی کہ حضرت دل تم ہو مضطرب — کروٹ پرے پڑے کوئی زیر زمیں نہ لو
قابل تمہارے نام کے ہے یہ نگین دل — افسوس ہے مجھے کہ تم ایسا نگیں نہ لو
ممکن نہیں کہ لو دل و جاں مول اے بتو — روکن میں جب تلک کہ تم ایمان و دیں نہ لو
اے قاصدو جو پوچھے وہ لائے ہو کس کا خط — مجھ کو خطر ہے نام مرا کہیں نہ لو
اس کے شمیم کاکل مشکیں کے سامنے
دے مفت بھی جو کوئی ظفر مشک چیں نہ لو

کس طرح جا کے پڑوں اس بت دلجو کے پانو — بخدا ضعف سے میرے نہیں قابو کے پانو
آنکھ سے ہو کے رواں پہنچے ہیں کیوں دامن تک — گر نکالے نہیں اس طفل نے آنسو کے پانو
رکھا زانو پہ جو زانو تو اٹھایا اس نے — لات کے واسطے بس تکتے ہی زانو کے پانو
چوکڑی بھول گیا سامنے آنکھوں کے تری — اس قدر بھول گئے دیکھ کے آہو کے پانو
کیا پامال دل خوں شدہ کس کا تو نے — کہ حنائی ہیں ترے رنگ سے لاہو کے پانو
جانب مصحف رخ زلف کرے پاؤں دراز — کاٹئے چاہئیں ہندوئے سیہ رو کے پانو
مثل ہے کیا چاند کا ہووے کف پا سے ہمسر — گورے گورے ہیں وہ اس شوخ پری رو کے پانو
چشم بچھوے تری سرمہ کا دنبالہ نیش — اور مژگان دراز اس کے ہیں بچھو کے پانو
سنگلاخ ایسی ظفر کی ہے زمیں یہ تم نے
جو قدم اس میں رکھے گا وہ ترے چھو کے پانوں

برسوں جو عدوے دل و جان تو ہو
پر دوست بھی کبھی مرے اک آن تو ہو

بن جانا پیچھے حافظ قرآن حافظو
تم پہلے اپنے حافظ ایمان تو ہو

اس مہروش پہ دیتے ہیں جو دم انھیں کہو
تم مثل صبح چاک گریبان تو ہو

الجھے ہو تم جو حضرت دل زلف یار سے
ہو کر شکستہ خوب پریشان تو ہو

صورت جو اس کی دیکھنی منظور ہے تمہیں
اے آنکھو مثل آئینہ حیران وہو

تم زعم میں گر اپنے فرشتہ ہے تو کیا
اے زاہدو ذرا ابھی انسان تو ہو

ایسا نہ ہو چرا کے وہ لے جائے اے ظفر
بیٹھے ہو اپنے دل کے نگہبان تو ہو

ہو رہائی یا نہ ہو زلف دوتا سے کچھ ہی ہو
جا پھنسا دل تو بلا میں اب بلا سے کچھ ہی ہو

ہو گئے جس وقت اے سفاک ہم سینہ سپر
منہ نہ موڑیں گے تری تیغ جفا سے کچھ ہی ہو

وہ ترش ابرو ہو یا ہو تلخ گو پر ہم کو آج
بوسہ اک لینا لب شیریں ادا سے کچھ ہی ہو

ظلم ہو یا ہو جفا اس بے وفا کے ہاتھ سے
ہاتھ اٹھانے کے نہیں ہم تو وفا سے کچھ ہی ہو

ناصحا بک بک کے تو کیوں سر پھراتا ہے عبث
دل نہیں پھرنے کا یہ اس دلربا سے کچھ ہی ہو

گرچہ دنیا کی ہوا میں سو طرح کا ہو ضرر
لیکن بچ سکتے نہیں ہم اس ہوا سے کچھ ہی ہو

کوچہ دلبر میں ہم تو آج جاتے ہیں ظفر
دل کو لے آتے ہیں دے کر دم دلاسے کچھ ہی ہو

وہاں کی مخلصی اے وائے قسمت ہو تو کیوں کر ہو
کہ میں آلودہ عصیاں ہوں رحمت ہو تو کیونکر ہو

مطلع ثانی

بجز شرمندگی چشم عنایت ہو تو کیونکر ہو
کہ بے اشک ندامت جوش رحمت ہو تو کیونکر ہو

جہاں ہو نفس سا رہزن جہاں شیطان ہو دشمن
وہاں طاعت ہو کیونکر عبادت ہو تو کیونکر ہو

غرور جاہ نے پھونکی وہ مغز جاں میں بیہوشی
کہ زائل نشہ پندار و نخوت ہو تو کیونکر ہو

گراں باری گناہوں کی اٹھانے سر نہیں دیتی
الہی کیا کروں یہ رفع خجلت ہو تو کیونکر ہو

ہوس کہتی ہے چل یاں سے ہے کہتی حرص لاواں سے
توکل ہو تو کیونکر ہو قناعت ہو تو کیونکر ہو

برنگ طائر تصویر ہوں میں دام حیرت میں
رہائی کی مرے کوئی جو صورت ہو تو کیونکر ہو

وہ ہمت ہی سے ہو سکتا ہے جو ہے کام ہمت کا
ظفر بے ہمتوں سے صرف ہمت ہو تو کیونکر ہو

واں تو کینہ ہو جفا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو
یاں محبت ہو وفا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

ہو بھلی قسمت تو، نے کچھ فکر نے تدبیر ہو چاہیے سو ہو
اور نصیبہ گر برا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

جو تمہاری نرگس بیمار کا بیمار ہو اس کے لئے
اور دوا دارو و دعا ہو یہ بھی اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

یہ ستم کیا ہے کہ اے قاتل ہمارے قتل کو خنجر بکف
تیرا غمزہ ہو ادا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

ہو کے خاک اپنا مٹا دینا جسے منظور ہو وہ یہ کرے
خاک رہ ہو خاک پا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

ہو نہ دل میں درد جس کے ہو وہ صاحبدل کہاں گرچہ ہزار
پارسا ہو بے ریا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

اکسیر ہیں اکسیر و پارس ڈھونڈتا پھرتا ہے کیوں کیا فائدہ
بے عنایت اس کی کیا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

میں ہوں اور کنج الم اور اس میں بہلانے کو جی تم ہو نہیں
ہووے آفت اور بلا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

وصل میں بھی کچھ نہ کچھ دھڑکا رہے ہے اے ظفر کچھ ایسا ہو
یار ہو گوشہ جدا ہو یہ بھی ہو اور وہ بھی ہو اور کچھ نہ ہو

یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ صنم تم ہی تو ہو
لیکن جو کچھ ہو سو اللہ کی قسم تم ہی تو ہو

نہ مرا پاس کسی کو نہ کوئی میرے پاس
ہاں مگر ایک جو ہو مجھ سے بہم تم ہی تو ہو

کفر و دیں کا مجھے بتلا دیا تم نے رستہ
میرے تو رہبر دین و حرم تم ہی تو ہو

خواہ رلواؤ ہمیں خواہ ہنساؤ ہم کو
کہ ہمارے سبب شادی و غم تم ہی تو ہو

چرخ کو یاد نہ تھے پہلے یہ انداز ستم
اس ستم گر کو سکھاتے ہو ستم تم ہی تو ہو

جب تلک تم ہو تو ہستی ہے لئے تم تو عدم
میرے نزدیک تو ہستی و عدم تم ہی تو ہو

دم محبت کا تمہاری جو ظفر بھرتا ہے
اس میں کیا دم تھا مگر دے گئے دم تم ہی تو ہو

اگر عمر اپنی مجھے یاد کم ہو
تو کیا دخل کچھ اس کی معیاد کم ہو

وہی جائے خوش آ کر اس غمکدے سے
جو غمگیں زیادہ رہے شاد کم ہو

گھٹے تو مہ بارہا آسماں سے
پر اس کا نہ حسن خداداد کم ہو

نہیں پائدار اپنی تعمیر ہستی
کہ ٹھہرے وہ کیا جسکی بنیاد کم ہو

محبت میں فریاد دل ہے زیادہ
ستم ہے جو تاثیر فریاد کم ہو

نہ کم ہو کبھی جوش سودا کا میرے
ہزار اب لہو میرا فصاد کم ہو

زمانے میں اس شوخ بیداد گر نے
ظفر کس طرح داد بے داد کم ہو

دوستی مجھ سیار تجھ کو صنم دل سے ہو
جو ہو قول و قسم اللہ کی قسم دل سے ہو

کم ہو ظاہر کی ملاقات بلا سے لیکن
جو محبت کہ ہے دل میں وہ نہ کم دل سے ہو

پاس گر نہ ہو وہ آرام دل و جاں میرے
دور کس طرح مرے رنج و الم دل سے ہو

نہیں اک طرز پہ ظلم آپ کے تم تو ہر روز
کرتے پیدا نئے انداز ستم دل سے ہو

قاصد اشک ادھر ہو نہ روانہ تو نہ ہو
راہ دل کو نگر اے دیدہ نم دل سے ہو

بندہ الطاف زبانی کا نہیں ہے قائل
بندہ پرور اگر لطف و کرم دل سے ہو

دیکھو اس جام جہاں میں ہیں تماشائے جہاں
پاس تم رکھتے ظفر ساغر جم دل سے ہو

یہ قصہ وہ نہیں تم جس کو قصہ خواں سے سنو
مرے فسانہ غم کو مری زباں سے سنو

سناؤ درد دل اپنا تو دمبدم فریاد
مثال نے مری ہر ایک استخواں سے سنو

کرو ہزار ستم لے کے ذکر کیا یک یار
شکایت اپنی تم اس اپنے نیم جاں سے سنو

خدا کے واسطے اے ہمدمو نہ بولو تم
پیام لایا ہے کیا نامہ بر وہاں سے سنو

تمہارے عشق نے رسوا کیا جہاں میں ہمیں
ہمارا ذکر نہ تم کیونکہ اک جہاں سے سنو

سنو تم اپنی جو تیغ نگاہ کے اوصاف
جو تم کو سننا ہو اس شوخ دلستاں سے سنو

ظفر وہ بوسہ تو کیا دے گا پہ کوئی دشنام
جو تم کو سننا ہواس شوخ دلستاں سے سنو

نہیں شکوہ بلا سے خط کہیں سے گر کترتے ہو
غضب کرتے ہو مرغ نامہ بر کے پر کترتے ہو

زباں ہر بات پر کیا آپ کی قینچی سی چلتی ہے
دم تقریر اک تم گل نیا اکثر کترتے ہو

نہیں گر جیب کتروں میں تو کیوں تم دست مژگاں سے
مری جیب اے دل خوباں غارت گر کترتے ہو

کسی کے دل کے پرزے کر رہے ہو بیٹھے پردے میں
نہیں یہ چھپا لیا چلمن کے تم اندر کترتے ہو

نہ گل گیر اہل بزم سے یہ شمع کہتی ہے
مرا سر کاٹتے ہو تم کہ موئے سر کترتے ہو

مرا زخم جگر تو دمبدم بڑھتا ہے جرا جو
عبث پھاہے برابر اس کے رکھ رکھ کر کترتے ہو

وہ مہوش کونسا ہے جس کے زلف بندی کی خاطر
ظفر کاغذ کے گل تم چاند کے مسر کترتے ہو

ہاتھ اٹھانے کے نہیں زلف و دوتا سے کچھ ہو
ہو چکے ہم تو سیہ بخت بلا سے کچھ ہو

بے وفا تجھ سے شکایت ہے ستم کی بے جا
کیجئے اس سے کہ جو آگاہ وفا سے کچھ ہو

سر رہے یا نہ رہے جان بچے یا نہ بچے
منہ نہ موڑیں گے تری تیغ جفا سے کچھ ہو

ہو چکا بس ترے بیمار محبت کا علاج
نہ تو اب کچھ ہو دوا سے نہ دعا سے کچھ ہو

خاک پہنچے ترے کوچے میں کسی کی کیا خاک
جب تلک اس کی لگاوٹ نہ صبا سے کچھ ہو

دست گیر اس کا نہ جب تک ہو ترا دست ستم
ہاتھ کٹواؤں جو شمشیر قضا سے کچھ ہو

تیرے غمزوں سے یہ پوچھوں کہ ہوئے تم سیراب
یا ابھی اور بھی خوں کے مرے پیاسے کچھ ہو

کہے دیتی ہیں نگاہیں ہی تمہاری سب کچھ
کیا ہوا اگر نہیں تم کہتے حیا سے کچھ ہو

نہیں معلوم ظفر ان سے ہوئیں کیا باتیں
چپکے بیٹھے ہوئے تم آج خفا سے کچھ ہو

مجھے تم ذبح کرکے اپنا چاقو پونچھتے ہو کیوں
نہیں پچھنے کا ہرگز میرا لوہو پونچھتے کیوں ہو

جو ہے منظور عرق آب وخجالت سے خجل تر ہو
عرق چیں سے عرق آلودہ گیسو پونچھتے کیوں ہو

اگر اچھا نہیں ہوتا تو کہہ دو چارہ سازوں سے
کہ دھوتے کیوں ہو میرا زخم پہلو پونچھتے کیوں ہو

لگا دو منہ سے منہ میرے کہ لوں میں چوس ہونٹوں کو
لگا کر تم مسی کو اے پری رو پونچھتے کیوں ہو

نہایت چادر مہتاب کو رشک آئے ہے اس پر
کہ تم رومال سے رخسار نیکو پونچھتے کیوں ہو

امنڈ آتا ہے دل جس وقت کب روکے سے رکتا ہے
مجھے رونے دو یارو میرے آنسو پونچھتے کیوں ہو

ظفر دیوانگی میں اس کو سمجھو پیرہن اپنا
تن عریاں سے وہ خاک سر کو پونچھتے کیوں ہو

نظام خانہ فخر جہاں تمہیں تو ہو
قیام سلسلہ و خانداں تمہیں تو ہو

نہ کیوں تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین
خدا رکھے تمہیں ان کا نشاں تمہیں تو ہو

تمہارے در پہ جھکا کر سر ارادت خلق
کہے ہے کعبہ امن و اماں تمہیں تو ہو

نثار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل
کہ شمع محفل صاحب دلاں تمہیں تو ہو

تمہاری قوت باطن سے تقویت ہے مجھے
کہ میرے باعث تاب و تواں تمہیں تو ہو

مجھے ہے تم سے امید اعانت دو جہاں
معین میرے یہاں اور وہاں تمہیں تو ہو

بغیر آپ کے ہو کیوں نہ جان و دل بے چین
کہ راحت دل و آرام جاں تمہیں تو ہو

صفا ہو دل میں تو بہتر ہے وہ کدورت سے
سنا تمہیں سے ہے کرتے بیاں تمہیں تو ہو

ظفر کی چاہیے نصرت تمہیں نصیر الدین
کہ اس کے یارو مددگار ہاں تمہیں تو ہو

نالہ دل کا اثر دل کو نہ ہو کیونکر نہ ہو
بے خبر دل کی خبر دلکو نہ ہو کیونکر ن ہو

تو نہ ہو پہلو میں تو پھر درد دوری سے تری
بیقراری رات بھر دل کو نہ ہو کیوں کر نہ ہو

زخم کھانے میں محبت کے حلاوت آئے ہے
تیر تیرا نیشکر دلکو نہ ہو کیوں کر نہ ہو

دل صفائی اپنی گر دکھلائے تو پھر آئینہ
محو حیرت دیکھ کر دل کو نہ ہو کیونکر نہ ہو

ہوتی ہے تیغ محبت کی محبت سے پناہ
داغ دل مثہ پر سپر دل کو نہ ہو کیوں کر نہ ہو

سود کا خواہاں ہے دل سودائے زلف یار میں
بالعوض اس کے ضرر دل کو نہ ہو کیونکر نہ ہو

کشتی شکستہ ہے دل چین پیشانی تری
ہمسر موج خطر دل کو نہ ہو کیوں کرنہ ہو

دل جگر ہمدرد ہوں جب دونوں درد عشق میں
صدمہ درد جگر دل کو نہ ہو کیوں کر نہ ہو

دل کو دل سے راہ ہے راز دل دلدار سے
میرے آگاہی ظفر دل کو نہ ہو کیوں کرنہ ہو

غافلو دل مت ادھر آٹھوں پہر باندھے رہو
تم رہو بیٹھے کہیں پردھیان ادھر باندھے رہو

جلوہ گر ہے وہ تو بے پردہ پر آئے کیا نظر
جبکہ تم غفلت کی پٹی چشم پر باندھے رہو

حضرت دل باندھتے ہو گر وہ مضمون کمر
چلنے کو سوئے عدم اپنی کمر باندھے رہو

دشت کے کانٹوں سے کہتے ہیں مرے دامن کے تار
سر پہ تو دستاراب تم سر بسر باندھے رہو

ہو اگر منظور تم کو طائر دل اڑ نہ جائے
اپنے تم ناز نظر سے اس کے پر باندھے رہو

گلشن دنیا نہیں جائے قیام اے غافلو
غنچہ ساں تم دوش پر رخصت سفر باندھے رہو

فخر دین تو فخر دنیا ہے جو بس وہ فخر دین
تم ادب سے ہاتھ اپنے اے ظفرباندھے رہو

ہمارا کوچہ جاناں میں جانا ہو تو کیونکر ہو
اگر جانا بھی ہو تو پھر کے آنا ہو تو کیونکر ہو

نہ ہوش اپنا ٹھکانے سے نہ دل اپنا ٹھکانے سے
محبت میں کہیں اپنا ٹھکانا ہو تو کیوں کر ہو

بشر کیا واں فرشتہ کا بھی کیا مقدور پر مارے
مرا خط لے کے قاصد گر روانہ ہو تو کیونکر ہو

ہنسا دینا نہیں مشکل مرا ہی ان سے ہو سکتا
مگر منظور جب ان کو رلانا ہو تو کیوں کر ہو

اسیروں کو ترے دام محبت میں بجز آنسو
میسر اے ستم گر آب و دانہ ہو تو کیونکر ہو

وہ پہلے ہی بتاتے درد سر ہیں سامنے ان کے
بیاں درد محبت کا فسانہ ہو تو کیونکر ہو

ہجوم داغ سینہ میں نہ ہو گر عشق کی دولت
ظفر پھر پاس عاشق کے خزانہ ہو تو کیونکر ہو

تم شب وعدہ شام ہی سے مہندی کا لگانا سیکھے ہو
صدقے اس رنگینی کے کیا خوب بہانہ سیکھے ہو

لاکھوں کے دل خوں ہوتے ہیں ہر روز ہوس میں بوسے کے
پان کا لاکھا تم جو اپنے لب پہ جمانا سیکھے ہو

میرے دل کو کیجئے نشانہ اپنے ناوک مژگاں کا
میں بھی تو وہاں دیکھوں گا کیا تیر لگانا سیکھے ہو

داغ بدل رکھتے ہو ہمیشہ رشک سے ماہ تاباں کو
کاجل کا حل گورے منہ پہ جیسے بنانا سیکھے ہو

روز زیادہ بھڑکاتے ہو تم ہو آگ محبت کی
سوزش دل کو اے اشکو کیا خاک بجھانا سیکھے ہو

خاک میں مثل نقش کف پا میرے دل کو ملانے کو
طرز خرام سے اپنی تم یہ نقشہ اٹھانا سیکھے ہو

جانتے ہو ہے جان کا بچنا مشکل کوچہ جاناں میں
تم ہو ظفر جانباز بڑے جووں کا جانا سیکھے ہو

دل جو ہے میرا دشمن میرا ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو
کہتے ہیں جسکو بغل گھونسا ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

ہونا غیر از مرگ شفا بیمار غم الفت کو ترے
اس کا علاج اے رشک مسیحا ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

زیر خاک بھی دل میں میرے خار محبت کھٹکے گا
زیر پا کچھ مجھکو کھٹکا ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

لکھتے ہیں وہ خط میں کچھ ایسا دیکھ کے جس کو قاصد ہم
جانتے ہیں تقدیر کا لکھا ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

تو نے کیا خوں ناز مرا اے عربدہ گر بے جرم و خطا
ہو رہا ہے کچھ آج جو چرچا ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

کیوں نہ لگائے سینہ سے رکھیں اپنے داغ عشق کو ہم
کنج لحد میں مونس اپنا ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

رکھتا جگر فولاد کا ہے یاں کون سوائے آئینہ
جا کے حریف اس تیر نگاہ کا ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

لکھو ظفر تبدیل قوافی کر کے غزل اس بحر میں تم
ناداں دوست اور دانا دشمن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

کوئی ہے جز دل سادہ پرفن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو
نا داں دوست اور دانا دشمن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

دل کے سوا ہرگز نہ لگانا دیکھ کہیں تو تیر نگاہ
تیرا ہدف اے ناوک افگن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

دیر حرم سے پھر کے جو دیکھا دل میں جو آیا جلوہ نظر
جان لئے ہم اس کا مسکن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

دیکھ کے ماہ نو کو فلک پر کہتا ہے وہ شاہ سوار
کوئی میرا نعل تو سن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

رکھ کے سر پہ تاج زر اے شمع ہوئی یوں نازاں کو
آخر تیرا وبال گردن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

چاک جگر کو میرے سیئے گا کون سوا اس مژگاں کے
واسطے اس بخیے کے سوزن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

لوگ تو اپنے عقل کو اپنا جانتے ہیں یاں راہنما
ہم کہتے ہیں ان کا رہزن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

کیونکہ نہ داغ عشق کو سمجھوں اپنا فروغ خانہ دل
یعنی چراغ اس گھر میں روشن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

یار ہے وہ اس کے جس کو میرا ہے منظور بگاڑ
اے ظفر ان سے میرا ان بن ہوئے نہ ہوئے تو یہی ہو

بلا سے جاہ و حشم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو
نہیں ہے ہم کو بھی غم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

تمہاری کھینچیں گے تصویر ہم تصور سے
ہمارے پاس قلم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

جو تجھ کو آتا ہے آ ایک دم مسیحا دم
ترے مریض میں دم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

کیا ہے عہد جو پہلے پھریں نہ وہ اس سے
دوبارہ قول و قسم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

کمی نہ گریہ میں تو کی جو دیکھ دیدہ تر
یہ سوز دل مرا کم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

فقط ہے چشم عنایت پہ زندگی میری
تری نگاہ کرم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

تمہارے کھوج سے آگاہ ہے دل پامال
زمیں پہ نقش قدم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

تری گلی سے کہاں جائے ناتواں تیرا
روانہ سوئے عدم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

ہم اس صنم کے رہیں اے ظفر بلا گردان
نصیب طوف حرم ہو تو ہو نہ ہو تو نہ ہو

کہتا ہے کون تم سے کہ خنجر بکف نہ ہو
برحق ہیں جاں نثار محبت تلف نہ ہو

خاطر نشاں نہ دل کی ہو ناوک فگن کبھی
جب تک کہ تیرے تیر نگہ کا ہدف نہ ہو

اتی ہے سینہ سے کوئی عاشق کی تو صدا
محفل میں اس کے گر نہیں آواز دف نہ ہو

رکھتی ہے دل سے قصد صف جنگ چشم یار
مژگاں کی کیونکر فوج کھڑی صف بہ صف نہ ہو

جب تک کہ خوب عشق میں عاشق نہ ہو خراب
چاہے وہ یہ کہ ہو مجھے عزو شرف نہ ہو

بہتر ہیں دیکھا ہے سے مری چشم تر میں اشک
نازاں در خوش آب پہ تو اے صدف نہ ہو

اللہ ہے ہمارا طرف دار اے ظفر
گو وہ اگر نہیں ہے ہماری طرف نہ ہو

اگر ہو دل میں محبت کا داغ اچھا ہو
خدا کا گھر جو نہ ہو بے چراغ اچھا ہو

کبھی نہ سیر ہو جی میکشوں کا اے ساقی
کہ جب تلک نہ لبالب ایاغ اچھا ہو

ہجوم داغ سے ہے سوز دل کو یہ منظور
کہ ایک سینہ میں تیار باغ اچھا ہو

عدو کو مجھ سے ہو کس طرح نطق میں ترجیح
مگر یہ جب ہو کہ طوطی سے زاغ اچھا ہو

دل اس کے زلف کے کوچے میں گم ہوا میرا
برائے شانہ اگر کچھ سراغ اچھا ہو

اگر سنے نہ کہانی مری وہ خوب کرے
نہ ہو جو اس کا پریشاں دماغ اچھا ہو

کنارہ کش ہو جو دنیا سے اے ظفر کوئی
تو پھر نصیب اسے کنج فراغ اچھا ہو

خدا جانے نگاہوں میں جو کیا کام کرتے ہو
نظر جس وقت تم کرتے ہو قتل عام کرتے ہو

جو بھر کر آہ ان کا نام لیتا ہوں تو کہتے ہیں
جتا کر عشق اپنا کیوں مجھے بدنام کرتے ہو

جدائی میں تمہاری ہم یہاں بیتاب پھرتے ہیں
پڑے واں بستر راحت پہ تم آرام کرتے ہو

تمہیں جب دیکھتے ہیں رخ پہ تم زلفیں بناتے ہو
بناوٹ کس کی خاطر صبح سے تا شام کرتے ہو

خدا جانے کہ ہے منظور کس سے مشورہ اس میں
تامل تم جو سن کر وصل کا پیغام کرتے ہو

نصیحت کرتے ہو کیوں پختہ مغز ان جنوں کو تم
یہ کیا اے حضرت ناصح خیال خام کرتے ہو

ظفر اس تنگ خو سے بوسہ لب مانگتے ہو کیا
مگر اس پردہ میں کوئی طلب دشنام کرتے ہو

جو دل نے میرے کہا ہو نہ ہو تو یونہی ہو
یقیں مجھے بھی ہوا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

ہوا اس ابروئے پر خم سے ہم کو یہ معلوم
خمیدہ تیغ تھا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

بہاؤں کیونکر نہ آنسو کہ وہ مکدر ہے
دل اس کا مجھ سے صفا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

خیال زلف ترا جائے میرے سر کے ساتھ
یہ دفع سر سے بلا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

فنا سے چاہیے ہو جائیں ہم فنا پہلے
نصیب ہم کو بقا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

عدو جو کہدے مرے حق میں گو وہ ہو کہ نہ ہو
کہے وہ ہوش ربا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

گرہ کو دل کی ہے درکار ناخن ابرو
یہ عقدہ وہ ہے کر وا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

مریض عشق ترا کس طرح نہ مانگے موت
کر جانا ہے شفا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

ظفر لگائیے سینہ سے یار کی تصویر
قرار دل کو ذرا ہو نہ ہو تو یونہی ہو

میرا شکوہ جب انہیں پیش عدو واجب ہی ہو
چپ رہو کیونکر مجھے بھی گفتگو واجب ہی ہو

جب ہو خلوت کا مکاں اور یار بھی ہو مہرباں
پھر تو کہنی اپنے دل کی آرزو واجب ہی ہو

اے سراپا ناز خاک کشتگان ناز پر
ہوں نہ ہوں گل ایک ہوا ناز بو واجب ہی ہو

شرط یاری سے گر جس جا پسینہ یار کا
واں بہانا اپنا یاروں کو لہو واجب ہی ہو

بس ہے وہ تار نگاہ و سوزن مژگاں مجھے
چاک سینہ پر اگر میرے رفو واجب ہی ہو

جو کر دے ہرجائیوں کو دل اسے پھر ناخراب
در بدر خانہ بخانہ کوبکو واجب ہی ہو

تیری محراب خم ابرو میں جو سجدہ کرے
اپنے آب دیدہ سے اس کو وضو واجب ہی ہو

ذبح کرنا جس کا اے قاتل تجھے منظور ہو
زیر خنجر اس کو رکھ اپنا گلو واجب ہی ہو

ہاتھ سے جا کر ظفر پھر ہاتھ آئے یا نہ آئے
پر ہو دل گم جس کا اس کو جستجو واجب ہی ہو

نہ پردہ در پردہ نشیں پکڑ کر بیٹھ
جو بیٹھنا ہے تو اے دل زمیں پکڑ کر بیٹھ

نہ کوہکن نے سہی ضرب تیشہ غم عشق
گیا سر اپنا وہ اندوگیں پکڑ کر بیٹھ

مگر تو راہ رضا حق ہے جو ہے مرضی حق
نہ اتنا فکر میں ناحق جبیں پکڑ کر بیٹھ

جو نام سکہ عالم پہ چاہتا ہے تو
تو گھر میں گوشہ عزلت وہیں پکڑ کر بیٹھ

پکڑ بٹھائے تھا کتنے خوں گرفتوں کو
ذرا وہ چاہے جو شمشیر کیں پکڑ کر بیٹھ

جگر سے آہ جگر سوز بھر کے میں جو اٹھا
گئے جگر کو مرے ہم نشیں پکڑ کر بیٹھ

ہم اٹھے جھاڑ کے دامن تو اس نے مستی میں
عجب ادا سے کہا آستیں پکڑ کر بیٹھ

جگر میں بیٹھ کر دل میں خدنگ غمزہ ناز
مگر تو ایک ٹھکانا کہیں پکڑ کر بیٹھ

اگر سخن کا ہے دعوی ظفر کے سامنے تو
قلم کو ہاتھ میں اے نکتہ چیں پکڑ کر بیٹھ

ہم سے ملنا ہے گر صفائی کے ساتھ
کوئی تو بات کر صفائی کے ساتھ

صاف دیکھا تجھی کو ہم نے ادھر
دیکھا دن کی جدھر صفائی کے ساتھ

واہ قربان تیغ قاتل کے
کیا اڑا دے ہے سر صفائی کے ساتھ

وہ غنیمت سمجھو کوئی دم
گزرے مثل سحر صفائی کے ساتھ

کفن اس کا کبھی نہ ہو میلا
جان دے جو بشر صفائی کے ساتھ

دیکھ لو آبروئے اہل صفا
ہے مثال گہر صفائی کے ساتھ

ٹھہرتی اس رخ مصفا پر
نہیں ہرگز نظر صفائی کے ساتھ

اس کا تیر نگاہ سینہ سے
جائے ہے کیا گزر صفائی کے ساتھ

کیا مقابل ہو خاک آئینہ
اس کے رخ کے ظفر صفائی کے ساتھ

کیا ہی لایا قول پر اس رونق محفل سے ہاتھ
اس کے جھوٹے قول پر دھو بیٹھے آخر دل سے ہاتھ

مطلع ثانی

چڑھ بھی جاتے ہیں جو برسوں میں کبھی مشکل سے ہاتھ
بھاگ جاتے ہیں چھڑا کر اپنے وہ مائل سے ہاتھ

کون کہتا ہے نہ کر تو ذبح پر اس طرح سے
ہوں نہ آلودہ ترے خون دل بسمل سے ہاتھ

چاہتا ہے جی کر ہو جائے مسخر وہ پری
کوئی آ جاوے عمل ایسا کسی عامل سے ہاتھ

غوطہ کھائے تیغ ہی میں آشنائے بحر عشق
تا اگر پہنچے نہ اس ساحل تک اس ساحل سے ہاتھ

ہو نہیں سکنے کا بیمار محبت کا علاج
اے طبیب اپنا اٹھا تدبیر لاحاصل سے ہاتھ

ہو گا خوں مجنوں کا دل غیرت سے مانند حنا
گر نکالا تو نے لیلیٰ پردہ محمل سے ہاتھ

حسرت اس بسمل پہ دامن گیر ہو جس کی قضا
اور اس کا دور ہووے دامن قاتل سے ہاتھ

پونچھے آنسو خاکساروں کے وہ کیا جوائے ظفر
دھووے سو سو بار گر بھر جائے عطر گل سے ہاتھ

خط اے جلدی میں لکھتا ہوں قلم برداشتہ
جائیو اے نامہ بر تو بھی قدم برداشتہ

تیرے غمگیں کو نہ ہووے گی سبکباری نصیب
جائے گا دنیا سے یونہی بار غم برداشتہ

فوج فتنہ نے جہاں میں کی صف آرائی جہاں
قدر عنا تیرا واں دیکھا علم برداشتہ

جی لگے کیونکر کہیں اپنا محبت نے تیرے
اک جدائی سے کیا دل اے صنم برداشتہ

جان سے اپنی اٹھائے یہ ستم کش کیوں نہ ہاتھ
اے ستم گر تو جو ہو تیغ ستم برداشتہ

ہو گیا مضمون گریہ کی مری تاثیر لیں
ایک قلم کاغذ مرے نامہ کا غم برداشتہ

کس کو برداشت اتنی کس کا عشق میں یہ حوصلہ
ہو ظفر کی طرح جو رنج و الم برداشتہ

تونے کیا جانے نکالا ہے کدھر کا رستہ
تیرے گھر سے تو ہے سیدھا مرے گھر کا رستہ

رکھ قدم راہ محبت میں سنبھل کر اپنا
دیکھ اے دل کہ یہ ہے خوف و خطر کا رستہ

وہ نہ آیا شب وعدہ تو ہمیں صبح تلک
بیٹھے دیکھا کئے اس رشک قمر کا رستہ

نہ کرے اے پردہ نشیں روزن دیوار کو بند
دیکھ رہنے دے کھلا تو یہ نظر کا رستہ

نامہ شوق کی تاثیر سے قاصد نے مرے
طے گھڑی بھر میں کیا آٹھ پہر کا رستہ

چارہ غم کو سینہ کے لگا مت ناکے
بند ہو جائے گا فریاد جگر کا رستہ

پاسباں ہوں گے ترے کوچے میں لاکھوں لیکن
روک سکنے کا نہیں کوئی ظفر کا راستہ

ہے دل سوزاں سے آتش تا گلوئے سوختہ
بلکہ ہے ہر سانس میں بھی ایک بوئے سوختہ

ہو گیا خاموش بزم یار میں مانند شمع
اس مری آتش زبانی سے عدوئے سوختہ

جیسے جل جائے زمیں پہ ہے کہیں گرمی سے گھاس
سوختہ جانوں کے تن پہ یوں ہیں موئے سوختہ

شمع سے پروانہ مل کر دیکھ لو جل جائے ہے
سوختہ ہوا ہو جس کو جائے سوئے سوختہ

جن کا دل آتش کدہ ہو ان کو آتش کے لیے
کیوں ہو چقماق کی تلاش اور جستجوئے سوختہ

عاشق دل سوختہ چپ ہی رہے تو خوب ہے
کون سنتا ہے ظفر واں ہائے ہوئے سوختہ

خجل ہے دیکھ کے ابرو ہلال کیسا کچھ
اسی سے جانو کہ ہو گا جمال کیسا کچھ

فلک کے ہم نے ستارے تو کر لئے معلوم
کھلا نہ یہ کہ ہے اس رخ کا خال کیسا کچھ

جو دوست تھے وہ ہیں دشمن عجب تماشا ہے
ہوا ہے دیکھو زمانے کا حال کیسا کچھ

مرے زوال سے جانو کمال کو میرے
زوال یہ ہے تو ہو گا کمال کیسا کچھ

نہ ہووے کیوں کر گرفتار تار تار میں دل
بچھایا زلف نے ہے اس کے جال کیسا کچھ

نہ آئے بہر عیادت جو وہ مسیحا دم
تو ہو مریض کو اس کے ملال کیسا کچھ

ظفر نکالے فلک نے جو کج روی کے ڈھنگ
تو اک زمانہ ہوا پائمال کیسا کچھ

ہے جہاں میں خواہش نام و نشاں بے فائدہ
سینہ کاوی ہے نگیں کی طرح یاں بے فائدہ

مسکن اس بحر فنا میں کر نہ مانند حباب
ڈال پانی میں نہ بنیاد مکاں بے فائدہ

چین دیکھی کو فلک وہ آپ ہی چکر میں ہے
ہے ہوس راحت کی زیر آسماں بے فائدہ

دیکھ غنچے کو ہے آخر مثل گل پژمردگی
پیر پہ ہنستا ہے تو کیا اے جواں بے فائدہ

مثل مہر و ماہ گردش میں ہیں جن کو ہے فروغ
ہے فلک سے آرزوئے عزوشاں بے فائدہ

ہو نشاط زندگی تو زندگی کا لطف ہے
ورنہ ہے چوں خضر عمر جاوداں بے فائدہ

اے ظفر اس پردہ میں کچھ کہہ رہا ہے بے نواز
نے یونہی کرتی نہیں شور و فغاں بے فائدہ

جی کھول کے رو لیجئے تھی یہ ہوس شیشہ
پر ساتھ ہی ہچکی کے الٹا نفس شیشہ

داغوں میں محبت کے دیکھو تو مرے دل کو
رکھے ہوئے ساغر ہیں کیا پیش و پس شیشہ

منہ رکھتے ہی شیشہ کا اٹھ جائے ہے اے ساقی
بوئے مے گلگوں سے مرغ قفس شیشہ

میں دیدہ و دل حاضر گر یار کے ہاتھوں تک
ہو دسترس ساغراور دسترس شیشہ

ہر آبلہ پا ہے ہمسر مرا شیشہ سے
اور کانٹے ہیں گر اس کے مانند خس شیشہ

کیا خوب ہو زیبندہ گر بادہ پرستوں کے
ہو گنبد تربت پہ ساقی کلس شیشہ

دل میں ہے خیال آیا خال رخ جاناں کا
اب دیکھئے نکلے یہ کیوں کر مگس شیشہ

ہے جی میں ظفر کیجئے خالی دم مے نوشی
شیشہ کو پس ساغر اور خم کو پس شیشہ

اس کی عادت کا اور ہے نقشہ
اس کی قدرت کا اور ہے نقشہ

مطلع ثانی

شام غربت کا اور ہے نقشہ
اپنی طاقت کا اور ہے نقشہ

مطلع ثالث

اب نقاہت کا اور ہے نقشہ
اپنی طاقت کا اور ہے نقشہ

میری صحبت خوش آئے کیونکر انہیں
ان کی صحبت کا اور ہے نقشہ

دل تو کیا جان تک بھی دیں تجھ کو
اپنی ہمت کا اور ہے نقشہ

جائے تدبیر سے تپ غم کیا
اس حرارت کا اور ہےنقشہ

ہے قیامت سے اس کو کیا نسبت
تیری قامت کا اور ہے نقشہ

سیدھی باتوں پہ ٹیڑھے ہو جانا
اس کی خصلت کا اور ہے نقشہ

تیری اس سرد مہری پہ بھی
سوز الفت کا اور ہے نقشہ

جانے کیا بوالہوس حقیقت عشق
اس حقیقت کا اور ہے نقشہ

کیونکر جاں بر ہو درد مند ترا
درد فرقت کا اور ہے نقشہ

تھا تو مجنوں کو بھی جنوں لیکن
میری وحشت کا اور ہے نقشہ

نقش جب لکھتے ہیں عبث احباب
کہ محبت کا اور ہے نقشہ

جب سے دیکھا ہے مجھکو آئینہ رو
اپنی حیرت کا اور ہے نقشہ

کھینچ صورت نہ اس کی صورت گر
اس کی صورت کا اور ہے نقشہ

کوئے جراح چارہ کس کس کا
ہر جراحت کا اور ہے نقشہ

اے ظفر ہے جہاں میں خلق کہاں
اب تو خلقت کا اور ہے نقشہ

کھنچا عجب ترے روئے جبیں کا ہے نقش
وہ مہر کا ہے یہ ماہ مبیں کا ہے نقش

مطلع ثانی

بدلتا غم جو اس اندوہگیں کا ہے نقش
تو لحظہ لحظہ چناں اور چنیں کا ہے نقش

ہزار دور ہیں وہ ہم سے پر ہیں پیش نظر
تصور اپنے میں اک دور بیں کا ہے نقش

بنا فلک پہ شفق اڑکے کس شہید کی خاک
کہ اور رنگ پہ چرخ بریں کا ہے نقش

سنوارتا ہے جو تو زلف اپنی او کافر
بگڑتا خلق کے ایمان و دیں کا ہے نقش

کوئی طلاوت دنیا میں کھنس کے کیا نکلے
کہ یہ تو بس مگس و انگبیں کا ہے نقش

یہ جوہر آئینہ میں ہیں کہ ہے قلم کیا صاف
اتار لیتا وہ اس نازنیں کا ہے نقش

پڑے ہیں خاک پہ اتنے ہمارے گوہر اشک
کہ مثل چرخ پہ انجم زمیں کا ہے نقش

گلی کو دیکھ کے اس حوروش کے آ جاتا
مرے خیال میں خلد بریں کا ہے نقش

لبوں تک آتی ہے لے لیکے دم ہزار جگہ
یہ ضعف سے مری جان حزیں کا ہے نقش

عیاں ہے خواب میں پنہاں ہے وقت بیداری
ظفر عجب مرے پردہ نشیں کا ہے نقش

یار و اغیار میں کیا آج بہم ایک جگہ
دونوں ہیں میرے لئے شادی و غم ایک جگہ

کعبہ و دیر میں کیا مسجد و بت خانہ میں
کس جگہ ہے نہیں میرا وہ صنم ایک جگہ

نہ ہو پہنچایا تصور کے ہمارے واں تک
ورنہ تھے بیٹھ رہے ضعف سے ہم ایک جگہ

حرف شکوہ جو رکاوٹ کا تمہارے آیا
رک گیا صفحہ کاغذ پہ قلم ایک جگہ

مر گیا چھوڑ کے سر عاشق سرباز ترا
تھا ابھی ذکر ترے سر کی قسم ایک جگہ

مہرباں غیر پہ ہو ہم پہ غضب تم یہ کیا
ہو کرم ایک جگہ اور ستم ایک جگہ

پھرتا آوارہ ہوں پیچھے کسی ہرجائی کے
ٹھہرے کس طرح ظفر میرا قدم ایک جگہ

قلم سے خال نہ نوک قلم نکال کے دیکھ
جگر سے آہ دلا دمبدم نکال کے لکھ

جواب نامہ ہمارا ہمارے قاصد پہ
نہ آنکھیں غصہ سے اے پر ستم نکال کے لکھ

لگائے دل کو وہی جو اٹھائے جان سے ہاتھ
کفن پہ میرے یہ تو میرا دم نکال کے لکھ

کبھی تو رقعہ طلب میں مرے خدا کے لئے
کوئی ملاپ کا رستہ صنم نکال کے لکھ

کہے ہے کون کہ خطاس کو تو نہ لکھائے دل
پہ اپنا حد سے نہ باہر قدم نکال کے لکھ

طبیب میرے لئے بھی کتاب میں سے تو
کوئی تو نسخہ آزار غم نکال کے لکھ

پڑھے وہ دلبر نو خط ظفر خوشی کے خط
کچھ ایسی تو نئی طرز رقم نکال کے لکھ

اس کے کوچے میں کہاں ایسے ٹھکانے کی جگہ
کہ جہاں ہم کو ملے آنکھ ملانے کی جگہ

آئینہ کو تم اگر منہ نہ چڑھاؤ اپنے
تو نہ ہو اس کو کہیں منہ بھی دکھانے کی جگہ

نقش بر آب ہے ہستی کو نہیں کچھ بنیاد
اے حباب اس پہ کہاں گھر کے بنانے کی جگہ

دل پہ گر زخم نہ ہو کوئی تو کیا ہو معلوم
کہ یہ ہے ناوک جاناں کی نشانے کی جگہ

کیا کریں جائیں اگر آپ نہ ہمیار کے گھر
گھر میں جب اپنے نہ ہو اس کے بلانے کی جگہ

تجھے اے شمع ہوا سر کے کٹانے میں فروغ
جائے شادی ہے نہیں اشک بہانے کی جگہ

قطرہ خون جگر پر ہے مری آب و خورش
وہی پانی کی جگہ ہے وہی دانے کی جگہ

اے کماندار لگا تیر نگہ کو دل میں
کہ نہیں اور کوئی اس کے ٹھکانے کی جگہ

ہے یہ انبوہ غم و رنج ہجوم حسرت
نہیں سینہ میں ظفر دم کے سمانے کی جگہ

ڈالے نہ محبت کا خدا جان پہ صدمہ
اس سے نہیں افزوں کوئی انسان پہ صدمہ

کھل جائے ذرا زلف تو اللہ رے نزاکت
پہنچے ترے رخسار نمکدان پہ صدمہ

منظور نظر جب سے ہوا آئینہ ترا
کیا کیا ہے ہمارے دل حیران پہ صدمہ

وہ پوچھو لو ہر تار گریباں سے ہمارے
جو دست جنوں سے ہے گریبان پہ صدمہ

رشک لب و دنداں سے ترے ہو تو عجب کیا
در عدن و لعل بدخشان پہ صدمہ

اے شانہ تری دست درازی سے رہی ہے
اس زلف پریشاں کے پریشان پہ صدمہ

ڈرتا ہوں نزاکت سے تری کان ملاحت
بالے کی نہ ہو جھوک سے کچھ کان پہ صدمہ

ہاتھوں سے ترے اے بت بدکیش ہمیشہ
رہتا ہے دل گبر و مسلماں پہ صدمہ

گھل گھل کے جو آخر ہوئے پروانہ کے غم میں
تھا کچھ تو ظفر شمع شبستان پہ صدمہ

عالم ہستی میں ہے وہ دیکھتا کب آئینہ
جب تلک پیش نظر جام لبالب آئینہ

ہو گیا مغرور اپنے حسن پر وہ اور بھی
اس پری رو کو دکھایا سنگ نے یارب آئینہ

ہائے کیوں ملت ستم سے تم نے اے سنگیں دلو
ٹکڑے ٹکڑے کر دیا دل کا مرے سب آئینہ

دل میں جو آتا ہے وہ ہی منہ پہ کر دیتا ہے صاف
دیکھو کیا اپنا صفا رکھتا ہے مذہب آئینہ

دورے بھی جس کی صورت دیکھنے پائے نہ ہم
یہ تماشا ہے کہ ہو اس کا مقرب آئینہ

دیکھئے ہوتی ہے کیا کیا ہم کو حیرانی ظفر
منہ لگا ہے اس پری پیکر سے بے ڈھب آئینہ

کب کہا میں نے کہ تو اس کو بھی الفت سے نہ دیکھ
دیکھ پر میری طرف چشم عداوت سے نہ دیکھ

مطلع ثانی

جو کہ ہو تجھ سے سوا تو اس کو حسرت سے نہ دیکھ
اور جو تجھ سے ہو کم اس کو حقارت سے نہ دیکھ

وہ تو دکھلائے ہے ہر رنگ میں تجھے جلوہ
خواہ تو دیکھ اسے خواہ تو غفلت سے نہ دیکھ

دیکھ آئینہ صفت ساتھ صفائی کے ہمیں
روش کینہ و آئین کدورت سے نہ دیک

دیکھوں کیا گلشن ہستی کو کہ کہتی ہے خزاں
تو بہار اس کی بہت بیٹھ کے فرصت سے نہ دیکھ

دیکھ کر تو مری تصویر ستاتا کیوں ہے
تجھ کو بیزاری اگر ہے مری صورت سے نہ دیکھ

فال کیا دیکھتا ہے تو کہ تری فال نکو
نہیں دینے کی زیادہ تجھے قسمت سے نہ دیکھ

زال دنیا تجھے سو جلوے عروسانہ دکھائے
ہے جواں مرد اگر تو اسے رغبت سے نہ دیکھ

سن ظفر قافیہ مصرع طرحی میں غزل
میری جانب کو ذرا چشم حقارت سے نہ دیکھ

کون کہتا ہے کہ شوخی و شرارت سے نہ دیکھ
دل کو لیکن نظر دزدی و غارت سے نہ دیکھ

دیکھ تو ہمت عالی سے بشر کا رتبہ
مرتبہ اس کا بلندی عمارت سے نہ دیکھ

نبض کیا دیکھے ہے بیمار محبت کی طبیب
نہیں آگاہ تو اس تپ کی حرارت سے نہ دیکھ

دل کو دیکھ اپنے کو کعبہ کی زیارت ہو نصیب
بے نصیب اس کی اگر تو ہے زیارت سے نہ دیکھ

وہ مہ نو کہ نہ پھر آنکھ اٹھا کر دیکھے
ابروے یار جسے کہہ دے اشارت سے نہ دیکھ

لے کے قاصد سے مرے نامہ کو کیا دیکھتا ہے
تو ہے واقف مرے مضمون عبارت سے نہ دیکھ

قدر دانی کی نگاہوں سے جو دیکھے ہے تو دیکھ
جنس دل کو نظر نفع تجارت سے نہ دیکھ

گرچہ ہم ضعف سے ہیں مثل ہلال باریک
اب بھی ہیں سر بفلک ہم کو حقارت سے نہ دیکھ

دیکھ تو روشنی دیدہ باطن سے ظفر
چشم ظاہر کیا سے نور بصارت سے نہ دیکھ

سینہ پہ دھر کے دیکھ ذرا ایک بار ہاتھ
یہ حال ہے کہ اچھلے ہے دل چار چار ہاتھ

ہو جائے دسترس جو تری زلف تک مجھے
میں جانوں آ گیا مرے ملک تتار ہاتھ

میرا دل رمیدہ ہوا کب کسی کا صید
قسمت سے آ گیا ہے ترے یہ شکار ہاتھ

امید پروفا کی اٹھاتا ہے کیوں جفا
اس سے اٹھا تو اے دل امیدوار ہاتھ

رنگ حنا نہ سمجھو وہ ہے سرخی شفق
اس شوخ کا ہے پنجہ خورشید وار ہاتھ

دیکھو تیرے ہاتھ میں شمشیر آبدار
دھو بیٹھا زندگی سے ترا جاں نثار ہاتھ

ہاتھوں سے غم کے اب ہے یہ ہیہات میرا حال
ملتے ہیں مجھ کو دیکھ کے سب غمگسار ہاتھ

صورت گر ازل نے جو کھینچی تری شبیہ
آپ اپنے اس نے چوم لئے اے نگار ہاتھ

موقوف ایک ہاتھ پہ اس کا نہیں کرم
دینے پہ آئے وہ تو ظفر ہیں ہزار ہاتھ

آنسوؤں سے رات دن رہنے لگی نمدیدہ آنکھ
کیوں لگائی ہم نے اس سے اے دل شوریدہ آنکھ

خواب میں بھی دیکھنے پائے نہ اس مہوش کو ہم
کھل گئی یکبارگی اے طالع خوابیدہ آنکھ

لے گئے دل کو چرا کر رہ گئے سب دیکھتے
کیا بلا ہے دزدائے کافر تری دزدیدہ آنکھ

سچ ہے رنجش کے سوا ہے کیا لڑائی میں حصول
تجھ سے لڑ کر دل کو کرتی ہے مری رنجیدہ آنکھ

جلوے نا فہموں کو دنیا اپنے دکھلایا کرے
دیکھتے ہیں کب اٹھا کر مردم سنجیدہ آنکھ

چاہتا ہے شوق نظارہ مرا اے نامہ بر
خط کے سرنامے پہ جائے مہر ہو چسپیدہ آنکھ

اے دل شامت زدہ یہ حلقۂ مو مت سمجھ
تجھ کو دکھلاتا ہے اس کا طرہ پیچیدہ آنکھ

ماہ کی تجھکو نہ لگ جائے نظر ڈرتا ہے جی
ڈالتا ہے تجھ پہ مشکل مردم نادیدہ آنکھ

اللہ اللہ جلوہ حسن و جمال فخر دیں
ہے اسی پہ اے ظفر گرویدہ دل گرویدہ آنکھ

ردیف الیاء التحتانیہ

حمائے پا جو تری دیکھ اے صنم لیتے
تو پائیں باغ میں جھک جھک کے گل قدم لیتے

مطلع ثانی

اگر وہ نام ہمارا نہ دمبدم لیتے
تو ان کا کیا یونہی مطلب سمجھ نہ ہم لیتے

یہ ناتواں ہیں کہ چڑھتا ہے ان کا ضعف سے دم
جو سانس بھی ہیں تمہارے مریض غم لیتے

کہاں تھی شانہ صفت اتنی دسترس ہم کو
کہ ہم بلائیں تری زلف خم بہ خم لیتے

جو رو کا آنکھوں میں اشکوں کو ہم نے اپنے تو کیا
کہ آہ و نالہ تو دل میں نہیں ہیں دم لیتے

نہیں ہیں اپنے میں کیا جانے ان کو کیا لکھ دیں
اسی سے ڈرتے ہیں ہم ہاتھ میں قلم لیتے

وہ دیکھی ساغر دل لے کے ہم نے کیفیت
نہ دیکھتے جو عوض اس کے جام و جم لیتے

جو دل کو بیچتے ہیں اپنے جا کے ان کے ہاتھ
وہ مول اپنے لئے ہیں غم و الم لیتے

کسی نے کچھ تو لگایا مری طرف سے ظفر
جو بات بات میں ہیں مجھ سے وہ قسم لیتے

شکر لب اس تری شیریں ادائی میں گرمی
جو ہو تو کیا ہے عجب ہے مٹھائی میں گرمی

خدا ہی جانے کہ عشق بتاں ہے کیسی آگ
کہ جس کی پہنچی ہے ساری خدائی میں گرمی

بنا ہے حسن کی گرمی سے وہ سراپا گرم
سوائے شمع سے گوری کلائی میں گرمی

یہ سرد و مہر وفا میں تو ہیں نہایت سرد
الٰہی کرتے ہیں کیوں بیوفائی میں گرمی

لگی ہے پنجہ سر جاں کو اس کے رشک سے آگ
بلا ہے شوخ کے دست حنائی میں گرمی

نہیں ہے حاجت منقل ہمیں زمستاں میں
ہے اس قدر ترے داغ جدائی میں گرمی

ظفر جلاتے ہیں دل اس کا شوخ آتش خو
یہ جس سے کرتے ہیں کچھ آشنائی میں گرمی

ساتھ ہیں یوں تو ہزاروں اپنے دم کے آدمی
پر نہیں ہمدم بنانے والے غم کے آدمی

وہ خدا جانے کیا ہو گا کیسا بے رحمی شعار
ناخدا ترس اس قدر ہیں جس صنم کے آدمی

دیکھتے ہیں اپنے دل میں جو تماشائے جہاں
ہوتے ہیں محتاج کب وہ جام جم کے آدمی

کیا زمیں دلکش ہے کوچے کی ترے اٹھے نہ پھر
جو مثال نقش پا واں بیٹھے جم کے آدمی

دام ہے اس واسطے ہوں جانور اس میں اسیر
پھنستے ہیں پھندے میں زلف خم بخم کے آدمی

جو گیا پھر کر نہ آیا اور کس سے پوچھیے
رہتے ہیں کس حال میں ملک عدم کے آدمی

ہے عبث کوشش فروغ انساں کا ہے قسمت کے ہاتھ
جب تلک طالع نہ چمکائے نہ چمکے آدمی

اے پری رو ہو اگر آگاہ تو آ جائے پھر
کیوں فریبو ترے قول و قسم کے آدمی

عشق کا کب بوجھ اٹھتا ہے فرشتوں سے ظفر
ہیں اٹھانے والے اس بار الم کے آدمی

شوخ چشمی خوش نگاہی بیوفائی بدگمانے
دلفریبی دلنوازی دلربائی دلستانے

مست نازی فتنہ سازی تند خوئی جنگجوئے
ظلم کیشے ظلم کوشی ظلم خواہی ظلم رانے

کج کلاہی کج ادائی پر فریبی پر دغا بے
بد طریقے بد شعاری بدمزاجی بدزبانے

چشم میگون میفرد مہیر نگاہی بادہ نوشی
خط عارض سبز زاری روی گلگوں گلستانے

خوش نگارے خوبروئے بذلہ سنجے لغزگوئی
ہوشیاری حرف گیری نکتہ طبعی نکتہ دانے

خودپرستی خود نمائی خود پسندی خود نمائی
خود سرے نا آشنائے سرکشی نا مہربانے

ہم ظفر ہیں اس پہ مفتوں خوار و رسو زارمحزوں
وہ یہ مانے یا نمانے وہ یہ جانے یا نہ جانے

کیا کہوں گریہ سے جو کچھ چشم پر اے دل بنی
دیکھنے سے ہاتھ دھوئے یہ بڑی مشکل بنی

دل نے کیا جانے کہ طے کی کس طرح راہ وفا
کیا بنی رستہ میں اس پر کیا سر منزل بنی

کس کے نور حسن کی تابش سے یہ پایا فروغ
شمع جو محفل میں لگی رونق محفل بنی

کھینچی شمشیر اس نے جس دم سرمہ تحریر کی
میں نے جانا چشم جاناں پھر مری قاتل بنی

تھی مہوش خاکساری تیرے حق میں کیمیا
گر بنی اکسیر تو کیا خاک اے غافل بنی

تیرا کیا بگڑا دلا تیغ نگاہ یار سے
جو بنی وہ دم پہ اپنے ہی دم بسمل بنی

بات بن آئی نہ کوئی اے ظفر تدبیر سے
پر بنی وہ ہی کہ جو تقدیر کے شامل بنی

ہے جو مدت میں کبھی وصل کی صورت بنتی
تو گھڑی بھر مری ان کی نہیں صحبت بنتی

دوست اس جان جہاں کا نہ اگر میں بنتا
تو میری دشمن جاں کا ہے کو خلقت بنتی

ڈھب بنے ملنے کا اس یار کی تدبیر سے کیا
نہیں تدبیر بھی بے یاری قسمت بنتی

ہوتا گر معرکہ عشق میں سینہ کا نہ داغ
دل کی کس طرح سپر بہر حفاظت بنتی

دن قیامت کا مرے واسطے بنتا ہر روز
پر نہ اے ماہ جبیں یہ شب فرقت بنتی

عشق کی زیب ہے بے عزتی و رسوائی
اس میں عزت کے نہ کرنے سے ہے عزت بنتی

کان لگ کر مرے غیروں نے بگاڑا تجھ کو
اب کوئی بات ہے لے اسے کان ملامت بنتی

گر بنے قصر مرے واسطے جنت میں تو کیا
حوروش تیری گلی میں مری تربت بنتی

کام دنیا کے ظفر بگڑے ہی رہتے سارے
فکر دنیا کے لئے گر یہ نہ غفلت بنتی

کرے خانہ بدوشوں کی خدا خود خانہ سامانی
ملے ہر شب نئی منزل نیا دانہ نیا پانی

مطلع ثانی

پھپھولے دل کے تازہ تازہ طرز اشک افشانی
رہ الفت میں ہے روز اک نیا دانہ نیا پانی

کہا میں نے نہ کھینچ اس زلف کی تصویر کھینچے گا
نہ مانی بات مانی نے مری آخر کوچیں مانی

ترے سرباز کو وہ دن نہ ہو کم عید قرباں سے
کرے جس روز تو قرباں اسے مانند قربانی

دکھا دیتا جو حسن اپنا وہ طلعت گر زلیخا کو
تو اس کو خواب ہو جاتا جمال ماہ کنعانی

پریشاں مثل زلف یار ہو ہر سطر کاغذ پر
جو کچھ لکھوں میں اپنے دل کا احوال پریشانی

تماشا آ کے اس صورت کدہ میں اس نے کیا دیکھا
کہ اتنی صورتوں میں جس نے اک صورت نہ پہچانی

کوئی جاتی ہے اس میں پیش تدبیر اے خرد پیشہ
نوشت اپنی جو پیشانی میں ہے وہی ہے پیش آنی

ظفر اس عالم تصویر کی صورت کو جب دیکھا
ہوئی صورت گروں کو صورت تصویر حیرانی

صحبت نہ ان بتوں سے گر اتنی ذرا بنے
واللہ اعلم اپنے دل و جاں پہ کیا بنے

لے جائے اڑا کے زر گل نہ کس روش
باد چمن میں چور جو باد صبا بنے

سرمہ تو ہم نے آنکھوں میں ان کی لگا دیا
پر ڈر ہے یہ کہ اور نہ کچھ طوطیا بنے

دن رات پیٹتے ہیں سر سرکشی سے کیوں
کیا نہ فلک یہ حق میں مرے آسیا بنے

اے ظلم کیش کیا وہ بچے جس کے واسطے
تیر نگاہ ہمسر تیر قضا بنے

دود جگر سے میرے ہی اے آہ کیا عجب
زیر فلک جو اس کو فلک دوسرا بنے

خاموش جب تلک تھے کہ تھے بے نوا ظفر
للکارتے ہیں اب تو کہ ہم بانوا بنے

تیری گریہ سے چڑھا ہے جو فلک پر پانی
ہے بھنور ہالہ سے کھائے ہے چکر پانی

لعل ہے سامنے ہونٹوں کے ترے رشک سے خون
روبرو دانتوں کے ہے شرم سے گوہر پانی

تشنہ کاموں کو شہادت کے نہ سیراب کرے
اے ستم گر بجز آب دم خنجر پانی

گر ہو آتش کدہ میں اک شرر آتش دل
چھوڑ کر آگ کو پھر ڈھونڈے سمندر پانی

تیرے رخسار عرق ناک سے اے رشک چمن
پھر نہ جائے گل سیراب پہ کیوں کر پانی

سنگدل حیف پسیجا نہ کبھی دل تیرا
گرچہ نالوں سے مرے ہو گئے پتھر پانی

دیکھ تو آئینہ میں شعلہ رخسار کا عکس
کیا تماشا ہے تلے آگ ہے اوپر پانی

زلف تیری ہے وہ افعی کہ جسے اس نے ڈسا
اس نے مانگا نہ پھر اے شوخ ستم گر پانی

نہ بجھی تو بھی دل سوختہ عشق کی آگ
صرف ہوویں کئی دریا کے ظفر گر پانی

صنم میں جلوہ حق گر کوئی دیکھے تو کیا کہوے
دعا ایماں کی مانگے اپنے اور صلی علی کہوے

کہاں فرصت ترے عاشق کو اتنی اشکباری سے
کہ تیرے سامنے وہ اپنا سارا ماجرا کہوے

نگاہیں ہی وہ سب کہہ دیتی ہیں جو دل کا مطلب ہے
نہیں حاجت یہ عاشق کو کہ منہ سے مدعا کہوے

تری تیغ نگہ کے گرد کھاؤں زخم کاری میں
زباں الحفیظ اے شوخ شمشیر قضا کہوے

ترے مقتوں کو کیا مطلب بھلائی اور برائی سے
کوئی چاہے بھلا کہوے کوئی چاہے برا کہوے

صبا سے کوئی کہہ دے گر وہ دشت نجد کو جاوے
کہ اس دیوانہ کی جانب سے مجنوں کو دعا کہوے

کہوں سو بار دلکو میں اگر مانے کیا میرا
جو مانے ہی نہیں تو پر کہو کس کی بلا کہوے

جو زخمی ہووے تیغ عشق کا یہ اس کو واجب ہے
لب ہر زخم سے قاتل کو اپنے مرحبا کہوے

ستاروں کی طرح سے تو بھی کاٹے رات آنکھوں میں
ظفر اپنی کہانی تجھ سے گر اے مہ لقا کہوے

نہ تو پی جنگ کبھی ہم نے نہ مے نوش ہوے
سبزہ رنگوں کی نگاہوں ہی سے بیہوش ہوئے

اٹھ گیا کونسا اس بزم سے مے کش ساقی
جس کے ماتم میں یہ بادل ہیں سیہ پوش ہوے

عہد و پیماں تھے مرے ساتھ تمہارے کیا کیا
ہو گیا کیا کہ جو سب تم کو فراموش ہوئے

دل گرفتہ کوئی کیا مجھ سا چمن میں آیا
کہ جسے غنچہ گل دیکھ کے خاموش ہوئے

گئے آغوش لحد میں ہم اسی حسرت سے
کہ کبھی ہم سے نہ تم آ کے ہم آغوش ہوئے

گئے اس منزل ہستی سے بآرام وہی
جو کہ بار غم دنیا سے سبکدوش ہوئے

نکلے اشک آنکھ سے اور سینہ سے میرے نالے
دل میں پیدا جو محبت کے ظفر جوش ہوئے

جب سنی بات تری رشک قمر اور سنی
شام کو اور سنی وقت سحر اور سنی

نہ سنا ہم نے کسی بات پہ حرف تحسین
منہ سے گالی ترے ہاں کوئی مگر اور سنی

نہیں تحقیق کہ ہے کیا ترے بیمار کا حال
کل خبر اور سنی آج خبر اور سنی

دیکھئے حال جو ہوتا مگر اس ظالم نے
اک ذرا میری نہ فریاد جگر اور سنی

ہم یہاں سنتے تھے لوگوں سے حقیقت کچھ اور
جا کے جس وقت سنی یار کے گھر اور سنی

ہوش اڑتے تھے شب وصل میں دیکھ آخر صبح
آواز تری مرغ سحر اور سنی

قصہ غم سے مرے خوش نہ ہوا وہ بے رحم
پھر کہانی نہ کوئی اس نے ظفر اور سنی

عقدہ مقصود اپنے آج کل کھل جائیں گے
وہ جو بل کرتے ہیں ہم سے ان کے بل کھل جائیں گے

لائیے دل کے محل میں شوق سے تشریف آپ
کیا ہوا گر بند ہیں باب محل کھل جائیں گے

ان کی باتوں پر نہ جانا پیچھے پچھتائے گا دل
تجھ سے وہ باتوں میں گو پہلے پہل کھل جائیں گے

بند ہے جب تک زباں کھلتے نہیں اسرار دل
جائے گا جس دم زباں سے کچھ نکل کھل جائیں گے

چھین آبرو سے تمہارے عاشق سر بار پر
دم میں سارے جوہر تیغا جل کھل جائیں گے

تغافلو کرتے ہو جو پوشیدہ تم اعمال بد
ہو گئے رسوا سب جس دن وہ عمل کھل جائیں گے

جو کسی کا شعر نخوت سے نہیں سنتے ظفر
کان ان لوگوں کے سن کر یہ غزل کھل جائیں گے

ظفر جو اتنی پر گوئی پہ ہے تو خوب گو اتنا
یہ خوبی ذہن کی اور طبع کی جودت کی خوبی ہے

اشارہ چشم قاتل کا وہ کافر تیز چلتا ہے
نہ جدھر کوئی ایسا اور نہ خنجر تیز چلتا ہے

رواں گر ہوں ذرا اس چشم دریا بار سے آنسو
تو پھر دریا کو دیکھیں م بھی کیونکر تیز چلتا ہے

پیام وصل گر بھیج ہاتھ ان کے
مرا پیک نظر اے جان مضطر تیز چلتا ہے

ہمارے دوڑے اانکھ جس طرح اس بحر خوبی پر
جہاز ایسا کہاں پانی کے اوپر تیز چلتا ہے

چلا ہے جلد کس کے ذبح کرنے کو خدا جانے
لئے خنجر بکف جو وہ ستم گر تیز چلتا ہے

اگرچہ طائر شوق اپنا ہے بے بال وپر لیکن
پرندہ بھی نہیں اس کے برابر تیز چلتا ہے

درازی وصل کی شب کو ظفر گر ہو تو کیونکر ہو
کہ اس شب اور چرخ کینہ پرور تیز چلتا ہے

مجھ کو اپنے دلبر کا دھیان بھی جو ہے سو ہے
اور دل میں وصل کا ارمان بھی جو ہے سو ہے

زلف سرکش یہ تری کیا رہزن دیں ہے فقط
بلکہ کافر دشمن ایمان بھی جو ہے سو ہے

منزل سرکش سے ظالم ہے ترے عاشق کا کوچ
اور مہیا کوچ کا ساماں بھی جو ہے سو ہے

شاخ گل تجھ بن چمن میں ہے مجھے مثل خدنگ
اور غنچہ ہمسر پیکان بھی جو ہے سو ہے

تازہ ہے غمزہ ترا ظالم ہے کیا قہر و ستم
بلکہ آفت ہر ادا وَ آن بھی جو ہے سو ہے

کیا تماشا ہے کہ منہ چڑھتا ہے میرے آئینہ
اور صورت دیکھ کر حیران بھی جو ہے سو ہے

اے صنم قدرت خدا کی ہے ترا حسن و جمال
اور پھر اس پر شکوہ و شان بھی جو ہے سو ہے

ہائے کس کس کو سنبھالوں میں فراق یار میں
دل ہے کیا بیتاب مضطر جان بھی جو ہے سو ہے

واں تو ہیں بد عہدیاں پر اب تلک یاں اے ظفر
عہد بھی جو ہے سو ہے پیمان بھی جو ہے سو ہے

کہاں مژگان تر سے ابر دریا بار ہمسر ہے
سمندر سامنے اس چشم کے چشمہ کے کمتر ہے

رہے جب روبرو آئینہ دیکھیں کیونکر ہم صورت
ہمارے آپ کے درمیان سد سکندر ہے

میاں سرمہ کا دنبالہ ہے تیری چشم وحشی میں
کہ برگ نیلوفر آہو کے منہ میں اے سمن بر ہے

جدائی میں تیرے اے رشک گل ہو چین کیا مجھ کو
گل بستر بھی میرے حق میں مثل خار نشتر ہے

لیا اس چشم نے یوں پنجہء مژگاں میں دل میرا
کہ جیسے چنگل شاہین میں گھ جاتا کبوتر ہے

لب نازک سے تیرے کیونکر دوں میں لعل کو تشبیہ
کہ یہ برگ گل احمر ہے وہ اک لعل پتھر ہے

کیا ہے قتل اک عالم کو تیری چین ابرو نے
ستمگر اس تیری تلوار میں کیا خوب جوہر ہے

سمجھا اے دل نہ تو موباف سرخ اس حور مشکیں میں
نکالے یہ زباں مارے سیہ نے منہ سے باہر ہے

صفائی کیا ہوئی خاک اے ظفر اس آئینہ سے
کہ ظاہر صاف ہے اور باطن میں مکدر ہے

دل لگا میرا بت ہوش ربا سے ہوں ہے
یہ نہیں چھٹنے کا امید خدا سے یوں ہے

جانتا ہی نہیں آزار محبت کا علاج
تیرے بیمار کو انکار دوا سے یوں ہے

وہ ہے مایوس ترا ملتا ہوں میں ہاتھ اپنے
دل مرا خون ہے اگر رنگ حنا سے یوں ہے

جیسے ڈرتا ہوں خدنگ نگہ یار سے میں
سہتا کوئی نہیں تیر قضا سے یوں ہے

بھاگوں زنداں سے نہ کیوں مثل صدائے زنجیر
تیرا وحشت زدہ آوارہ سدا سے یوں ہے

ہاتھ کیا آئے گا تیرے کہ جو تو اے ظالم
توڑتا شیشہ دل سنگ جفا سے یوں ہے

کس سے یہ حق محبت ہو ادا میرے سوا
کون سینہ سپر اس تیغ ادا سے یوں ہے

کیسی تسکین کہ سوا ہوتی ہے بیتابئی دل
ہمنشیں میرا مجھے دیتا دلاسے یوں ہے

اس سے کہہ سکتا نہیں میں کہ ہے میرا یوں حال
اے ظفر سن کے وہ کہہ دے گا بلا سے یوں ہے

زلف کرتی نیم رخ اس طرح کا چھل بل سا ہے
اک طرف ہے چاندنی سی اک طرف بادل سا ہے

جی لگے تجھ بن میرا کیونکر کہ نظروں میں مری
گھر ہے ویرانہ سا بھی اور شہر اک جنگل سا ہے

چاہئے کیا روشنی مجھ کو شب تاریک میں
ساتھ میری شعلہ میری آہ کا مشعل سا ہے

تار اشک سرمہ چشم سرمہ سا ہے یار کا
مصحف رخسار پر گویا خط جدول سا ہے

یوں ہی بکتا ہے ہمیشہ ناصح بیہودہ گو
کون اس کے منہ لگے جانے بھی دو جھل سا ہے

کل کے آنے کا الٰہی کس نے ہے وعدہ کیا
دل جو شوق وصل میں آج اس قدر بے کل سا ہے

اخگر سوزاں ہیں وہ داغ محبت اے ظفر
دل پر آتش جس کے باعث سے مرا مقتل سا ہے

دم ہجراں سے گر صورت بدل جائے عجب کیا ہے
اور اس صورت سے دم مرا نکل جائے عجب کیا ہے

دکھاتا اپنے سر بازوں کو ہے وہ جنبش ابرو
اگر چہ ہم در تلوار چل جائے عجب کیا ہے

اگر درد محبت سے اثر ہو نالہء دل میں
تو مثل پتھر بھی پگھل جائے عجب کیا ہے

مرا غم خوار میرے پونچھتا ہے گرم گرم آنسو
پھپھولوں سے جو اس کا ہاتھ پھل جائے عجب کیا ہے

بھرے گو رستمی کا دم عدو پر سامنے میرے
جب آئے عشق کے میداں میں ٹل جائے عجب کیا ہے

تمہارے عشق جاں سوختہ کی خاک مدفن پر
اگر برسات میں یہ گھاس جل جائے عجب کیا ہے

ظفر آگاہ ہے جو کوئی آداب محبت سے
وہ پا بوسی کو اس کی سر کے بل جائے عجب کیا ہے

کیا کہوں جو کچھ اس نے کیا کہنے سے برائی ہوتی ہے
چپ ہوں میں کہ منہ سے نکلی بات پرائی ہوتی ہے
کسی سے لڑائی آنکھ انہوں نے کبھی لڑی جو پھولوں کی
آج ہماری ان کی دیکھو کیسی لڑائی ہوتی ہے
ترے دست ظلم وستم سے قاتل غیر از ناخن تیز
مجھ سے گرفتہ خاطر کی کب عقد کشائی ہتی ہے
دست و پا ہیں دونوں تمہارے آج حنائی باندھ دے
آج ہمارا قابو ہے تو ہاتھا پائی ہوتی ہے
شکل بتاں ہوش ربا پر میں ہی فقط کیا شیفتہ ہوں
دیکھ کر ان کی صورت مفتون ساری خدائی ہوتی ہے
غم نہیں درد جدائی سے گر عاشق کا ہا جائے وصول
لیکن تیرے در سے اے بو درد جدائی ہوتی ہے
بھیجے ہیں وہ غیر کے ہاتھوں ہم کو دستہ نرگس کا
دیکھو ظفر ہم چشموں میں یوں چشم نمائی ہوتی ہے

تم وہاں مشغول شب کو محفل آرائی میں تھے
ہم یہاں بیتاب کیا کیا کنج تنہائی میں تھے

فائدہ کیا گر نہ کام آئے دل بیمار کے
گو کہ تیرے دونوں لب یکتا مسیحائی میں تھے

جب تلک عاشق نہ تھے اس شوخ ہرجائی پہ ہم
شہرہ آفاق یوں کا ہے کہ رسوائی میں تھے

پی رہے تھے اشک خوں آنکھوں میں ہم بھر بھر کے یاں
واں چلیساغر پہ ساغر بادہ پیمائی میں تھے

مسجدوں میں اس طرح کا ہے ٹکراتے تھے سر
اس صنم کے در پہ جب تک ہم جبیں سائی میں تھے

دیکھ کر اس قد رعنا کو چمن میں کٹ گے
سرو جو مغرور و سرکش اپنی رعنائی میں تھے

عمر نے فرصت نہ دی ورنی تماشا دیکھتا
ڈھنگ ساری قیس کے سے تیرے سودائی میں تھے

عشق کے باعث گنے جاتے ہیں دیوانوں میں ہم
ورنہ گنتے اپنے آگے کس دانائی میں تھے

کر دیا اک اان مین اس دلربا نے نا شکیب
ہم کو دعوئی اے ظفر کیا کیا شکیبائی میں تھے

کرتے عیاری ہیں وہ واں رسم یاری یوں بھی ہے
پر کریں کیا ہم کو واجب جاں نثاری یوں بھی ہے

رکھتے ہو بے چین تم کیا کیا دل بیمار کو
واہ وا کرتا کوئی بیمار داری یوں بھی ہے

چشم سے دریا بہے لیکن بجھی دل کی نہ آ
وی جو تھی نالوں کی اپنی شعلہ باری یوں بھی ہے

ہجر میں دھن وصل میں ڈر ہجر کا
جان بے آرام دوں بھی ہے ہماری یوں بھی ہے

رات دن ہیں خون فشاں آنکھیں مری کیا دیکھ تو
کی کبھی اے ابر تو نے اشک باری یوں بھی ہے

کوچہء جاناں میں بھی جا کر نہیں آیا قرار
لکھی قسمت میں ہماری بے قراری یوں بھی ہے

ورنہ بوسہ ہمیں تم ہم تمھیں دیتے ہیں دل
ہم کو تو منظور ہاں خاطر تمہاری یوں بھی ہے

سنگ سرمہ پہ لگاتے کیوں ہو تم تیغ نگاہ
قتل کو عاشق کے اس میں آبداری یوں بھیہے

نالنے کی ان کو آتی ہیں بہت باتیں ظفر
گہ کسی میں نالتے ہیں گہ کسی میں نالتے

دل ہے کہتا اور کچھ تدبیر کہتی اور ہے
عقل کہتی اور ہے تقدیر کہتی اور ہے

مجھ سے تو کچھ اور کہتی ہے تمنائے وصال
اور اس سے کچھ دم تقریر کہتی اور ہے

ہو گیا معلوم جنبش سے لب شمشیر کے
آج قاتل کچھ تری شمشیر کہتی اور ہے

بولی وہ تصویر تصویروں میں میری دیکھ کر
صورت حال اپنی یہ تصویر کہتے اور ہے

کاٹتا ہے کیوں زبان شمع کیا جز سوز دل
یہ زباں سے اپنی اے گلگیر کہتی اور ہے

کھا چکا دل پہ جراحت پہ جراحت متصل
اور اس پہ بھی زبان تیر کہتی اور ہے

نالہء زنجیر کی غل سے یہ زنداں میں کھلا
آج دیوانوں سے کچھ زنجیر کہتی اور ہے

میں تو ہوں کچھ اور کہتا اور عداوت سے مری
خلق تجھ سے اے بت بے پیر کہتی اور ہے

اپنی اپنی سب ہیں کہتے آہ کیا کیجئے ظفر
آہ کہتی اور ہے تاثیر کہتی اور ہے

جیسے کہ باغ میں نہیں وہ رشک باغ ہے　　لالہ کی جائے باغ کے سینہ میں داغ ہے

مطلع ثانی

دنیا فروغ دل میں محبت کا داغ ہے　　رہتا بغیر داغ یہ گھر بے چراغ ہے

مطلع ثالث

تو ہے نشا شراب کا اور صحسباغ ہے　　ہم ہیں جنوں کا جوش ہے دامان زاغ ہے
تجھ بن کہاں ہے بادہ گلگوں مجھے نصیب　　خون جگر سے اپنا لبالب ایاغ ہے
جب تک نہ ہووے گم کوئی عنقا کی طرح سے　　تیری کمر کا ہاتھ کب آتا سراغ ہے
غنچہ ہے دل گرفتہ تو گل ہے جر فگار　　کس کو چمن میں دہر کے غم سے فراغ ہے
کیا قدر ہو سخن کی انہیں جن کو سامنے　　یکساں صدائے طوطی و فریاد زاغ ہے
دل کھول کر نہ کر سکے ہم نالہ و فغاں　　دھڑکا رہا یہی کہ وہ نازک دماغ ہے

تو نے لگایا سینہ سے کس رشک گل کو آج
دل تیرا اس قدر جو ظفر باغ باغ ہے

رخ سے تو نے زلف کو اے ماہ سرکایا تو ہے　　تیرہ بختوں کا ترے اقبال کچھ چمکا تو ہے

مطلع ثانی

گرچہ وہ بیداد گر بے درد بے پرواہ تو ہے　　پر جو میں کچھ درد دل کہتا ہوں سن لیتا تو ہے
دیکھئے ہے کیا نوشتہ میں مری ہونا ہے کیا　　اس بت نو خط کو قاصد میں نے لکھا تو ہے
پوچھتے ہو اور کیا رونے کا میرے ماجرا　　دیکھ لو چشموں سے ہم چشموں رواں دریا تو ہے
دیکھتے ہیں جب برا احوال میرا عشق میں　　پوچھتے ہیں ہنس کے وہ مجھ سے کہ تو اچھا تو ہے
یہ نہیں معلوم مارا کس کو اس سفاک نے　　پر گلی مین اس کے ہنگامہ سا اک برپا تو ہے
گر نہیں غم خوار وحشت میں کوئی میرا نہ ہو　　پونچھنے کو میرے آنسو دامن صحرا تو ہے
جانتا تھا میں کہ پہلو میں نہیں ہے میرے دل　　پر چھری سے آج میں نے چیر کر دیکھا تو ہے

گر بگڑ کر الجھے وہ کافر تو پھر کیسی بنے
تو نے زلف کج ادا کو اے ظفر چھیڑا تو ہے

یہ نہیں ٹھکے میان ہر دو ابرو تنگ ہے　　قبضۂ شمشیر میں اک اے جفا جو تنگ ہے
کیونکر ہوں دل کھولکر باتیں کہ قسمت سے مری　　جائے بے قابو کشادہ جائے قابو تنگ ہے
آبلہ مس پاؤں کے کیونکر سمائیں خار دشت　　اے جنوں انبوہ اتنا اور تنبو تنگ ہے
دیکھ کر تحریر سرمہ چشم وحشی میں تری　　ہاتا پٹے سے گلے کے اپنے آہو تنگ ہے
اے دل دیوانہ ہے دامان صحرا تو وسیع　　تو سن وحش کا لیتا کیوں نہیں تنگ ہے
منہ ہے کیا تیرے دہن سے ہو مقابل باغ میں　　قافیہ غنچہ کا پہلے ہی سے گلرو تنگ ہے

زشت خصلت کو ہمیشہ رنگ میں دیکھا ظفر
اپنی خوے بد سے رہتا آپ بد خو تنگ ہے

مے کے لئے خمار بھی اے بادہ خوار ہے　　پردہ شراب اور ہے جو بے خمار ہے
اے آب گریہ تیری ہو کیا خاک آبرو　　دل مین تو یار کے وہی اب تک غبار ہے
رخسار زرد پر ہیں کہاں اشک لالہ گوں　　دکھلا رہا یہ عشق خزاں میں بہار ہے
آرام زیر خاک بھی معلوم گر یہی　　پہلو میں آہ اپنی دل بے قرار ہے
تو پیاس تشنگان شہادت کی بجھا　　تا جانے وہ کہ تیغ تری آبدار ہے
اس کو شفق نہ سمجھو پڑی منہ پہ چرخ کے　　اڑا کر کسی شہید کی خاک مزار ہے

پیدا ہوئے شادی و غم باہر اے ظفر
خنداں اگر ہے برق تو ابر اشک بار ہے

کوچۂ عشق اس بت پردہ نشین کا اور ہے　　رستہ اس کے مبتلا کو کفر و دین کا اور ہے

مطلع ثانی

ماہ کا ہے اور عالم مہ جبیں کا اور ہے　　چاند ہے وہ آسما کا یہ زمین کا اور ہے
دستہ گلہائے رنگیں پر کہاں ہے یہ بہار　　اشک خوں سے رنگ میری آستیں کا اور ہے
لے خبر اے بے خبر آ کر کہیں جلدی کہ آج　　حاسل تیرے عاشق اندوہگیں کا اور ہے
ہو چکے ہیں یار دل میں سینکڑوں تیر ستم　　وار کرتا اس پہ بھی وہ تیغ کیں کا اور ہے
شمع تو اس شعلہ رو سے بزم میں ہمسر نہ ہو　　دیکھ جلوہ اس کے روے آستیں کا اور ہے
کاکل مشکیں کے پھندے سے جو دل چھوٹا کیا　　پاس اس کے دام زلف عنبریں کا اور ہے
ہمنشیں ہر بات پر اب وہ کہتے ہیں نہیں　　تو نہیں واقف کہ باعث اس نہی کا اور ہے

آہ جو کھینچتے ہوئے آتا ہے وہ شمشیر ناز
کچھ ارادہ اے ظفر اس نازنیں کا اور ہے

دیدہ تر جوش گریہ سے جو اک دریا سا ہے   رات اٹھی سیاہی دن رہا تھوڑا سا ہے

مطلع ثانی

دیدہ تر جوش گریہ سے کو اک دریا سا ہے   دامن مژگاں سراسر پاٹ دریا کا سا ہے
زلف سنبل خط ریحان چشم نرگس ہے تری   رخ برنگ گل دہن غنچہ سا قد بوٹا سا ہے
وصل کی شب ہر گھڑی گھڑیال کی سنکر صدا   پہنچتا اک دل کو صبح ہجر کا دھڑکا سا ہے
جو ہے ان آنکھوں کا مقتول اس کو اک وحشت سی ہے   جس کا ان زلفوں میں دل الجھا اسے سودا سا ہے
حال مجنوں کا نہ اپنے پوچھ اے لیلےٰ ہنس   ہو گیا دست جنوں میں سوکھ کر کانٹا سا ہے
دیکھنا اس بستہ لب سبزہ خط کی بہار   واہ کیا یا قوت احمر پر کیا مینا سا ہے
بیٹھا کیا باتیں بناتا ہے اگر دیکھے اسے   حال ہو جاتا ترا ناصح ابھی میرا سا ہے

جلوہ رہے وہ تجھی میں جن کا ہے مشتاق تو
اے ظفر تیری خودی پر درمیان پردا سا ہے

عزیز دگور میں کیا دل کا داغ جلتا ہے   اندھیرے گھر میں ہمارے چراغ جلتا ہے
کیونکر گل ہوں سبا قلر کہ دیکھ کر تجھ کو ہوائے زلف   ہمیشہ باغ میں اے رشک باغ جلتا ہے
سے بھڑکی یہ آتش سودا   کہ بوئے مشک سے میرا دماغ جلتا ہے
بجائے بادہ بھرا کیا مرا چکیدہ داغ   کہ آفتاب کا گردوں ایاغ جلتا ہے
کہاں ہے لالہ ، خورد و فغان بلبل سے   صبا تمام یہ دامان زاغ جلتا ہے
ہم اس سے جلتے ہیں اے شمع رو کہ پروانہ   شب انجمن میں ترے با فراغ جلتا ہے

سخن سے میرے جلے ہیں عدوئے بد گفتار
ظفر مقال سے طوطی کے زاغ جلتا ہے

وہ خط لکھنے پہ مجھ سے جو بر خلاف رہے   تو جوں قلم مرے دل میں نہ کیوں شگاف رہے
کوئی ہو خوب زشت چاہئے تجھ کو   مثال آئینہ تو سب سے سینہ صاف رہے
پھرا ہے جو تیرے کوچہ میں اے صنم یک بار   پھر اس کو کعبہ کی کیا خواہش طواف رہے

ہے نہ کیونکر وہ گرداب فکر میں ڈوبا
جسے ہمیشہ تمہارا خیال ناف رہے

نہیں درنگ مری قتل میں اسے منظور
کمر میں اس کے کیوں نہ تیغ خوش غلاف رہے

ہم اس پری کے ہیں دیوانے اپنے عشق کی دھوم
ہمیشہ کیونکر نہ ازقاف تا بہ قاف رہے

جو در پہ بیٹھ رہے یار کے ظفر اس کو
نہ فکر مسجد و پروائے اعتکاف ہے

کہاں ہے اپنا وہ عالم کہیں اٹھے کہیں بیٹھے
ہوئی ہے اب تو یہ حالت جہاں بیٹھے وہیں بیٹھے

مٹایا ہم نے خط کا جل کا ان کے منہ پر سے
لگے کہنے یہ تھا معلوم یاں ہیں نکتہ چیں بیٹھے

آمادہ تھا کہ ان سیا آج اپنا حال دل کہیئے
یہ دیکھو خوبیء قسمت کہ ہیں وہ خشمگیں بیٹھے

اٹھاتا کون ہے دیکھیں گلی سے یار کی ہم کو
کہ ہیں پکڑے ہوئے جوں نقش پا ہم بھی زمیں بیٹھے

اٹھا کے دو جہاں سے ہاتھ جو تیری محبت میں
ترے در پہ وہ اے غارتگرے دنیا و دیں بیٹھے

اگر وہ دور بھی ہوں گے تو پاس آ جائیں گے اپنے
صفائی دل سے ہم جس وقت لے کر دور بین بیٹھے

ہمارا نام تو ہے اے ظفر مشہور عالم میں
اگرچہ ہم میں اپنے گھر میں مانند نگیں بیٹھے

خط نو رستہ سے تیرے دل بیتاب مرتا ہے
یہی بوٹی ہےوہ جس سے سیماب مرتا ہے

خبر لے جلد اے دریائے خوبی اپنے مضطر کی
کہ تجھ بن وہ مثال ماہی بے آب مرتا ہے

اوگے ہے سنبل اس کی خاک سے ترا آشفتہ
خیال زلف میں کھا کھا کے پیچ و تاب مرتا ہے

پلا اک جام اے ساقی کہ صورف زندگی کی ہو
کوئی مے نوش پیاسا بے شراب ناب مرتا ہے

پڑے ہے حلقہ گیسو مین دل اس بحر خوبی کے
یہ نادان ڈوب کر ناحق تہ گرداب مرتا ہے

چمن میں تو جو پژمردہ ہوا ہے دیکھ کر اس کو
مگر کچھ تجھ میں پانی اے گل شاداب مرتا ہے

کہے کون اے ظفر اس سے نہ ہو مے نوش غیروں میں
وگرنہ رشک سے پی کر کوئی زہر آب مرتا ہے

مہر خط پر اور ہے قاصد نشانی اور ہے
لکھا مضمون اور ہے کتنا زبانی اور ہے

کیوں سناتا ہے مرا افسانہ غم قصہ خواں
نیند اڑ جائے گی ان کی قصہ خوانی اور ہے

اے تغافل کیش آنا ہے اگر تجھ کو تو آ
کوئی دم عاشق کی تیری زندگانی اور ہے

باندھتا ہے ابر دریا بار بھی تو یوں جھڑی　　پر مرے مژگاں ر خونفشانی اور ہے
پانوں سے تم مل چکی میرے دل خوں گشتہ کو　　یا ابھی منظور کچھ مہندی لگانی اور ہے
مہربانی ہے تو ہم پر بھی تمہاری مہربان　　پر جو ہے غیروں پہ وہ کچھ مہربانی اور ہے
ساقیا فردش میں لا ساغر کو جلدی ورنہ دیکھ　　لاتا چکر کوئی دور آسمانی اور ہے
آنسوؤں سے کم نہیں ہوتا مرا سوز جگر　　بلکہ اس آتش کو بھڑکا دیتا پانی اور ہے

کیا ستم اے ظفر کرتے ہیں جتنی وفا
اتنی ہی ہم پر وہ کرتا ظلم رانی اور ہے

ہم سے تیرا ہونا خفا بے جرم و خطا یہ کیوں کر ہے
آنکھوں سے کچھ دیکھا یا کانوں سے سنا یہ کیونکر ہے
غارت گر ہے چشم بتاں اب دیکھئے اس کے ہاتھوں سے
بچتا اپنا دین و دل اے یار خدایا کیونکر ہے
منہ پر کچھ ہے پیچھے کچھ ہے یار مثال آئینہ
باطن میں سو قدورت ہے ظاہر میں صفا کیونکر ہے
اکثر دیکھ کے مجھ کو دور ہی سے پھر جاتے تھے
گھر میں میرے آنا تمہارا آج ہوا یہ کیونکر ہے
دخت زر بے باک نہیں نورانی تیری محفل میں
منہ لگتی بد مستوں کے بو شرم و حیا یہ کیونکر ہے
ہووے جانا پیش نظر اور دیکھوں نہ اس کو آنکھ اٹھا کر
ہم چشموں انصاف کرو تم ہو سکتا یہ کیونکر ہے
خط کو میرے اس نے ظفر کھولا بھی نہیں میں حیران ہوں
مضمون میری خط کا سارا اس پہ کھلا یہ کیونکر ہے

بنائیں یار انہیں کیا بناؤ ہو تو وہی　　لگائیں کیونکر یونہی کچھ لگاؤ ہو تو سہی
جو میرے رونے پہ ہنستے ہیں یارب ان کو یہ غم　　نصیب اگر نہ ہو سب آدھ پاؤ ہو تو سہی
دکھاؤں کیونکر تجھے میں کہ ہے پردہ نشیں　　کہیں کچھ اے دل مضطر دکھاؤ تو سہی
انہیں میں دیکھو تو دریائے دل میں کیا لہریں　　تم آشنائے دل اے آشناؤ ہو تو سہی

بہ رنگ نقش قدم جم کے ہم نہ اٹھیں گے
پر اس کے جی میں کچھ اتنا جماؤ ہو تو سہی

تم اپنے بوسہ کی قیمت میں ہم سے کیا لو گے
بتاؤ پھٹمیں معلوم بھاؤ ہو تو سہی

دبا کے بیٹھے ہم اس واسطے ترا زانو
کہ کچھ عدو پہ ہمارا دباؤ ہو تو سہی

جہاں میں کون ہے ہمدرد تیرے زخمی کا
کسی کے ایسا کلیجے پہ گھاؤ ہو تو سہی

جو اپنا نقد دل و جان ظفر لگا دیں ہم
قمار عشق میں ایک آدھ داؤ ہو تو سہی

سن عداوت کیش کو مجھ سے عداوت ہے سو ہے
اس عداوت پر بھی جو مجھ کو محبت ہے سو ہو

بھولتا ہرگز نہیں میں اس کی قامت کا خیال
زور برپا میرے ہجراں کی جو حالت ہے سو ہے

کر چکے سارے اطباء بلکہ عیسیٰ بھی علاج
پر ترے بیمار ہجراں کی جو حالت ہے سو ہے

کیا بتاؤں میں کہ ہے مجھ سے وہ کیسا بے وفا
عشق میں اچھی نہیں منہ سے شکایت سو ہے

آ گیا اانکھوں میں دم ظالم ترے مشتاق کا
پر ترے دیدار کی آنکھوں کو حسرت ہے سو ہے

حب دنیا کے نشہ میں جن کو غافل کر دیا
تا بوقت مرگ ان کو وہی غفلت ہے سو ہے

میرے گریہ نے نہ دھویا بارے دل سے غبار
اس کے دل میں میری جانب سیکدورت ہے سو ہے

فصل گل بھی جا چکی لیکن ترے دیوانہ کو
وہ ہی سودا ہے سو ہے اور وہ ہی وحشت ہے سو ہے

اے ظفر مجھ سے رہا جاتا نہیں بے شغل عشق
کیا بتاؤں رنج ہے اس میں کہ راحت ہے سو ہے

کیا عجب آفت کا وردِ آسماں میں پیچ ہے
جس کے باعث سیجہاں دیکھو میں پیچ ہے

شاخ سنبل میں کہاں ہے پیچ ایسا خوش نما
جو تمہارے کا کل عنبر فشاں میں پیچ ہے

زلف پیچاں کس کی دریا میں ہوئی سایہ فگن
پڑ گیا جو موج آب رواں میں پیچ ہے

کیا کروں آہ و فغان سن سن کے یہ کہتا ہے وہ
جانتا ہوں میں کچھ اس آہ و فغاں میں پیچ ہے

دور میں جیسے پتنگوں کے پڑے پیچ اس طرح
میرے تار آہ و تار کہکشاں میں پیچ ہے

تیرے روئے آتشیں پر یہ نہیں پیچیدہ زلف
آتش رخسار کی موج دخاں میں پیچ ہے

ہوئے آتش دیدہ کے مانند سوز عشق سے
دیکھو تو کیا تار جسم ناتواں میں پیچ ہے

خاک ہو کر بھی نہیں جاتا ہے بل داروں کا بل
جل کے کب نکلے گا وہ جو ریشماں میں پیچ ہے

اے ظفر گر پوچھتا ہے وصف قد ر زلف یا ر
اس میں سیدھی بات ہے اس کے بیاں میں پیچ ہے

جب سے ترے آئینہ دل پیش نظر ہے
اس آئینہ میں جلوہ یہ آئین دگر ہے

کس رو سے مہ نو ہر ترا ہم سفر آبرو
ناخن سبترے پاؤں کے شرمندہ قمر ہے

گہ دھیان تیر زلف گہ رخ کا تصور
اپنی تو گزرتی یونہی تا شام و سحر ہے

دیتے نہیں ہم دل میں جگہ غیر کو اپنے
جس روز سے جانا یہ کہ اس یار کا گھر ہے

آگاہ ذرا آمد و شد سے ہو نفس کی
کرتی یہ تری عمر گراں مایہ سفر ہے

کہتے ہیں ملک صل علے دیکھ کے اس کو
اللہ وہ کس شکل و شمائل کا بشر ہو

دکھلا دے کبھی جلوہ دیدار تو اپنا
مشتاق تری دید کا مدت سے ظفر ہے

عشق میں ظالم تری کیا خاک ہم اچھے رہے
برسوں ایذا میں رہے ایک دام اچھے رہے

گر دل و دیں دے کے اپنا ہم تمہیں کافر ہوے
تم کو کیا نقصان ہوا تم تو صنم اچھے رہے

ہم نے اس ہستی میں رہ کر یہ قدم اٹھائے رنج وغم
جو روانہ ہو گئے ملک عدم اچھے رہے

بن گیا جو دل کو تیری زلف پیچاں کا خیال
موج دود آہ میں بھی پیچ و خم اچھے رہے

عشق کا آزار حت سے ہے بہتر اے طبیب
جو رہے اس شوخ کے بیمار غم اچھے رہے

ابخدا جانے کہ دل میں کیا برائی آ گئی
پہلے تو ہم ہر لطف و کرم اچھے رہے

وہ رہے کھل کر پریشان ان کو دلجمعی رہی
گل سے غنچہ اے نسیم صبحدم اچھے رہے

خاک اخر ہوں گیسب پر پہلے ہی جو خاکسار
ہو گئے اس یار کے خاک قدم اچھے رہے

ہر کسی سے راز دل کہہ بیٹھنا اچھا نہیں
اے ظفر دنیا میں ہیں اب لوگ کم اچھے رہے

غیر کر سکتا ہے گو مجھ سے عداوت کیا ہے
مہربان دوست ہے دشمن کی حقیقت کیا ہے

جو نہ دیکھا تھا سو وہ عشق میں تیرے دیکھا
دیکھئے اور دکھاتی ہمیں قسمت کیا ہے

زلف اکثر جو ترے کان لگی رہتی ہے
کہتی یہ کان میں اے کان ملاحت کیا ہے

سب جگہ ہے وہی اور سب کی نظر سے نہاں
پڑ گیا آنکھوں پہ پردہ غفلت کیا ہے

آبرو کھوتا ہے کوئی کہہ دے یہ صاف آئینہ سے ٭ اس سے تو ہوگا مقابل تری صورت کیا ہے
غمزہ کرتا ہے ترا ایک جہاں کو غارت ٭ یہ بلا کیا ہے خدا جانے یہ آفت کیا ہے
جلد آ جلد نہ کر دیر تو اے رشک مسیح ٭ دیکھ تو اب ترے بیمار کی صورت کیا ہے
کیا کہوں کہنے میں تو اور مصیبت سے سوا ٭ مجھ سے پوچھتے ہیں تجھ پہ مصیبت کیا ہے

میں کروں شکوہ جو کچھ ان کی محبت ہو ظفر
جب محبت ہی نہیں تو شکایت کیا ہے

اپنے دروازہ کی تم زنجیر دے کر سو رہے ٭ کیجئے تو جاں در پہ دلگیر دے کر سو رہے
قتل ہونا تھا نہ قسمت میں لاکھ بار ٭ ہاتھمیں قاتل کے ہم شمشیر دے کر سو رہے
وہ بغل میں غیر کے سوئے یہاں ہم ان کے بغیر ٭ ہاتھ یاں بغلوں میں اے تقدیر دے کر سو رہے
جب تلک بوسہ نہ دے گا سونے کب دیتا ہوں میں ٭ ہم کو بوسہ یہ بت بے پیر مہر دے کر سو رہے
روبرو میری جو منہ پہ دوپٹہ تان کر ٭ سوئے تو اپنی مجھے تصویر دے کر سو رہے
کہنے بھی پایا نہ میں اپنی کہانی اس نے رات ٭ گالیاں وہ مجھ کو بے تقصیر دے کر سو رہے

جاگنے سے خوب رہ گر چیں سی کوئی ظفر
دل کو تسکین زیر خرچ پیر دے کر سو رہے

ان سے عرض حال کی تدبیر ہو سکتی تو ہے ٭ کیجے کچھ تقریر یا تحریر ہو سکتی تو ہے
صورت تسکین نہیں شکل دل بیتاب کی ٭ کھینچ دو گر اپنی تم تصویر ہو سکتی تو ہے
دل کو پہنچے گا ترے صدمے وگرنہ عشق سے ٭ آہ بے تاثیر میں تاثیر ہو سکتی تو ہے
کشتہ ہوکر خاک ہو جائے جو دل سیماب دار ٭ خاک اس کی ہمسر اکسیر ہو سکتی تو ہے
تیر وابرو کا سا خم ہو یہ ممکن ہی نہیں ٭ گرچہ خم دار اور بھی شمشیر ہو سکتی تو ہے
وہ بشر بس میں کس کے ہو یہ ہو سکتا نہیں ٭ گر پری بھی ہے تو کیا تسخیر ہو سکتی تو ہے
ہے پسند قاتل سفاک خون بے گناہ ٭ ورنہ ثابت مجھ پہ کچھ تقصیر ہو سکتی تو ہے
اس بت عیار سے یاری نہیں امر محال ٭ کچھ اگر یاری کرے تقدیر ہو سکتی تو ہے

دل جو ہاتا ہے شکستہ پھر وہ بنتا ہی نہیں
ٹوٹ کر مسجد ظفر تعمیر ہو سکتی تو ہے

شب کو اس طرح اس کے گرد کاشانہ رہے　　جیسے سرگردان سر فانوس پروانہ رہے

مطلع ثانی

ہم رہیں ساقی رہے اور دور پیمانہ رہے　　بوئے گل سے کیوں نہ مہکا اپنا کاشانہ رہے

مطلع ثالث

ہم رہیں ساقی رہے اور دو پیمانہ رہے　　حشر تک بارے یونہی آباد میخانہ رہے

مطلع رابع

گرم آرائش جو اپنا اور جانا نہ رہے　　کیوں نہ دوست مہر میں آئینہ و شانہ رہے
تم بتاؤ اپنے گورے منہ پہ اک کاجل کا تل　　پاس تا کافور کو فلفل کا بھی دانہ رہے
ہووے محتاج نمکدان زخم دل بلبل کا کیوں　　جبکہ شبنم سے بھرا ہر گل کا پیمانہ رہے
جس طرح سے شمع پروانہ ہوتا ہے فدا　　اس طرح شمع اس کے رخ پہ پروانہ رہے
میں وہ مجنوں کہ صحرا میں زبان خار پر　　تا قیامت اس مری وحشت کا افسانہ رہے
زیر محراب خم آبروئے چشم مست یار　　دیکھنا کیا دور ہے مسجد مین بتخانہ نہ رہے
موج جوہر سے نہ کیونکر پائے در زنجیر ہے　　کیونکہ آئینہ تری صورت کا دیوانہ رہے
دیکھ کر خال اس کے رخ پر کیونکر میں حیران ہوں　　یعنی قائم شعلہ پر کس وجہ سے پرواز رہے
جو کہ وحشی تری آنکھوں کا اے آہو نگاہ　　کس کا اس سے خیر و خوش اخلاص یارانہ رہے
شمع تیرا آب گریہ پھر یہ کس کام آئے گا　　جب پڑی بے غسل لاش پروانہ رہے
جس کے سر پر ہووے زیبا یار کے کوچے کی خاک　　خاک اس کو آرزوئے تاج شاہانہ رہے
شمع راہ عشق میں کوئی پہ پروانہ سے　　راہداری کا مقرر پاس روزنی رہے
عشق ہے وہ برق خرمن سوز یہ جس دم گرے　　لاکھ خرمن ہوں پھر باقی نہ اک دانہ رہے
سیر کر دل کے ورق کی ورنہ لا حاصل ہے پھر　　گر ترے پیش نظر سارا کتب خانہ رہے
دیکھ کر دشت جنوں میں مجھ کو مجنوں نے کہا　　مہربانی مجھ پہ اے قبلہ بزرگانہ رہے
گھر میں کون اس تفتہ جگر کے آسکے اے سوز عشق　　موج آتش جس کے پر زنجیر درخانہ رہے
میں وہ مے کش اس چمن میں ہوں کہ ایسا　　مثل نرگس جس کے سر کے ساتھ پیمانہ رہے

تیغ قاتل کا ادا کب شکر ہوتا ہے ظفر
گو لب ہر زخم پر بسمل کے شکرانہ رہے

درکار اجل کی دست درازی دریلی ہے
اٹھنے میں عمر کے رہی بازی نویسی ذریلی ہے

بندہ بتوں کو کوئی نہ کرتا خدا پرست
پر اس میں رسم بندہ نوازی ذریلی ہے

آتی ہے دل میں صاف وہ صورت نظر جو عشق
دکھلاتا اپنی آئینہ سازی ذریلی ہے

دے ہے بہا شکیب کو پل نگاہ بد
اس میں جو طرز صبر گذاری ذریلی ہے

گزارا جو سر سے اور ہوا فرض بس ادا
عاشق کی تو نماز جنازہ ذریلی ہے

آسشان ہے نفس کافر سرکش کا مارنا
پر شرط ہمت اے دل غازی ذریلی ہے

لے جائے ہے ظفر یہ حقیقت کے رستہ پر
ہر چند راہ عشق مجازی ذریلی ہے

گالیوں کا ہم پہ چلتا روز چہرہ صاف ہے
کیا زبان ہے آپکی کیا روزمرہ صاف ہے

کیا غضب ہے جو محبت کا تیری بھرتا ہے دم
اس پہ ہوتا تیری محفل میں تیرا صاف ہے

دھو دیا روئے زمیں کو آب گریہ نے مری
پر نہیں ہاتا دل اس کا ایک ذرا صاف ہے

حاشیہ کیا کیا چڑھاتی ہے محبت دیکھئے
اتنلک تو یہ کتاب دل معرا صاف ہے

جا نہ تو باتوں پہ زاہد رندمے آشام کی
منہ پہ بد آتا ہے پر دل میں یہ بہت بڑا صاف ہے

آج مرغان قفس کے کیا کہیں کترے گا پر
کر رہا مقراض کا صیاد پڑا صاف ہے

حرص دنیا ہے بشر کے واسطے آلودگی
ہو گیا جس وقت یہ اس سے میرا صاف ہے

تیرے رشک قامت رعنا سے سر پر سرو کے
شہپر قمری چمن میں شکل آرا صاف ہے

اے ظفر ہمسر ہو کیا شعلہ دل بیتاب سے
دیکھ کر بجلی بھی جاوے اس کو تھرا صاف ہے

مصور نے ہمیں یا جانے دی تصویر کس کی ہے
ملے تصویر ایسی کس کو یہ تقدیر کس کی ہے

ہمیشہ آہ بھی کرتے ہیں ہم نالہ بھی کرتے ہیں
پر اس کے دل میں ہوتی دیکھئے تاثیر کس کی ہے

تری تقریر ناصح خوب ہے ہاں ہم بھی قائل ہیں
مگر سنتا دل دیوانہ یہ تقریر کس کی ہے

ترا ہے ناز بے جا پائداری پر عمارت کی
رہی قائم یہاں منعم سدا تعمیر کس کی ہے

بجز تیغ نگاہ یا رکشت و خون عاشق پر
زیادہ تیز ہوتی دمبدم شمشیر کس کی ہے

کیا جو کچھ نصیبوں نے نہ کچھ دل نے نہ آنکھوں نے
کہوں میں یہ خطا کس کی ہے اور تقصیر کس کی ہے

ظفر جو کچھ پیشانی میں وہ ہی بات پیش آتی
کہ جاتی پیش اس کے سامنے تدبیر کس کی ہے

نکالے کام جو کوشش سے تع تدبیر و یہ ہے
نہ آئے کام جو کوشش تری تقدیر وہ یہ ہے

دکھائے زخمی تیغ محت حال کیا اپنا
لگیں سو زخم اور ظاہر نہ ہو شمشیر وہ یہ ہے

وہ جتنا کھینچتے ہیں اتنا ہی ان کو کھینچ لاتی ہے
مرے دل کی کشش میں ہے جو کچھ تاثیر ہو یہ ہے

کہوں کس وجہ سی میں شمع تیرے روئے تاباں کو
جہاں روشن ہو جس سے ماہ پر تنویر وہ یہ ہے

تری صورت نظر آئی تو سب اٹھے صورت گر
جہاں حیراں ہو جس کو دیکھ کر تصویر وہ یہ ہے

ملی ہے دولت کونین ہم خاکساری میں
مہ وش جانتے ہیں ہم جسے اکسیر وہ یہ ہے

خدنگ ناز سے اس کے نہ سہمے کیونکہ جی میرا
ظفر جو بے گماں ہو پار دل کے تیر وہ یہ ہے

کبھی لب پر جو ہنسی اپنے زری آتی ہے
ساتھ ہی آنکھوں میں گریہ تری آتی ہے

آپھر فصل بہاری جو بسی پھولوں میں
آج گلشن سے نسیم سحری آتی ہے

دل کا پرچہ مرے لے جائے گا واں قاصد اشک
یہ سوا اس کے نامہ بری آتی ہے

چشم فتاں سے خدا تیری بچائے کافر
اس ستم گر کو بلا فتنہ گری آتی ہے

دیکھ کر سوئے چمن حسرت پرواز ہمیں
ہائے کیا کیا دم بے بال و پری آتی ہے

بے خبر جبکہ تو آتا ہے خبر کو میرے
پہلے آنے سے ترے بے خبری آتی ہے

روئے جاناں کا جو آتا ہے ظفر دل میں خیال
صاف شیشہ میں نظر ہم کو پری آتی ہے

نظر کس واسطے تو اپنی او قاتل چوراتا ہے
نہ خنجر ترے کب بسمل چوراتا ہے

کبھی جا بیٹھتا ہوں پاس میں اس کے جو محفل میں
تو پھر کیا کیا بدن وہ رونق محفل چوراتا ہے

متاع دل کی چوری یوں نہیں کرتا مہ غمزہ
مگر جس وقت پاتا ہے مجھے غافل چوراتا ہے

مجھے دل کھول کر رو لینے دو روکو نہ ہم چشموں
کہ پانی آنسوؤں سے میرا زخم دل چوراتا ہے

لگا تیغ ستم تو شوق سے ظالم کہ مرنے سے
بھلا کب جان اپنی ترا مائل چوراتا ہے

یہ کیا اندھیرے جو دن دیئے خاسے اجالے میں
مرے دل کو رخ روشن کا تیرے تل چوراتا ہے

ظفر سب کو برابر دیکھتے ہیں وہیں روشن دل
کسی سے آنکھ اپنی کب مہ کامل چوراتا ہے

عجب اشک آنک سے کچھ زیر مژگاں تیز بہتا ہے
کھڑا ہے کھیت خشک اور آب دہقاں تیز بہتا ہے
ترے زخمی کو یاد آتی ہے جب شمشیر کی تیزی
تو کیا کیا خون زخم تیغ براں تیز بہتا ہے
سخن میں اس لب جاں بخش کے ایسی روانی ہے
کوئی جانے کہ گویا آب حیواں تیز بہتا ہے
کبھی دل میں جو ہے دریا دلی سے جوش آجاتا
تو کیا کیا لہر میں تنکا سا انساں تیز بہتا ہے
عرق افشاں تری زلفیں جو رخساروں پہ ہوتی ہیں
چمن میں اس کے کیا کیا آب باراں تیز بہتا ہے
کوئی کم آشنا ایسا ہے جس کے پاؤں یاں بھڑیں
کہ دریائے محبت اے مری جاں تیز بہتا ہت
ظفر بہتا تو ہے ناسور دل کا روز پر اس کو
کوئی گر چھیڑتا ہے اور بھی ہاں تیز بہتا ہے

ہوشمند وقت ہے وہ پیشوائے وقت ہے
بات کرتا دیکھ کر جو مقتضائے وقت ہے
رہتا ہے ہر وقت جاری چشم سے دریائے اشک
پوچھتا اے آشنا کیا ماجرائے وقت ہے
ہوتا ہے جس کام کا موقوف اپنے وقت پر
ہوتا جلدی سے ترے وہکب سوائے وقت ہے
مستعد مرنے پہ ہے عاشق لئے تیغ و کفن
اس ستم گر سے کہو اس وقت آئے وقت ہے
وقت پر آیا نہ اپنے کام کوئی آشنا
ہم نے دیکھا جسے وہ نا آشنائے وقت ہے
ہے وقت امتحان عشق بازو بلہوس
تو اگر شمشیر اپنی آزمائے وقت ہے

اے ظفر راہ وفا میں جو رہا ثابت قدم
رفتہ رفتہ ہوگیا وہ رہنمائے وقت ہے

تو خطوں سے ہم نبیا رب آشنائیکی تو ہے
دیکھیے لکھا ہے کیا بخت آزمائی کی تو ہے

یہ خدا جانے کہ دل میں ہے کدورت یا نہیں
ظاہر اس آئینہ رونے کچھ صفائی کی تو ہے

قد رعنا سے بھی اپنے سیکھے طرز راستی
سیکھی جو زلفوں سو تو نے کج ادائی کی تو ہے

دست و پا میں ہے لگی مہندی اگر لگ جائے
آج کیفیت کچھ ان سے ہاتھا پائی کی تو ہے

تیغ قاتل ہے در زنداں ہستی کی کلید
اس سے کچھ صورت نظر آئی کی تو ہے

دل نہ دو گا کوئی تجھ کو دیکھ پچھتائے گا تو
لے کے تو نے دل کو مجھ سے بے وفائی کی تو ہے

ہو گئی برباد خاک اپنی بلا سے عشق میں
لیکن امید اس کے دامن تک رسائی کی تو ہے

تو نے تلووں سے کیا جانے کس کی چشم تر
آج کم سرخی ترے پائے حنائی کی تو ہے

ہم کہاں اور منزل جاناں کہاں لیکن ظفر
کچھ تصور نے ہماری رونمائی کی تو ہے

ہمیں خط اس نے انداز ستمرانیپہ لکھا ہے
وہ پیش آنے کو جو ہے اپنی پیشانی پہ لکھا ہے

وہ خط پشت لب لعلیں یہ کلک قدرت نے
خط ریحانی سے کچھ لعل بدخشانی پہلکھا ہے

اشارہ ہے کہ ہم افشان جبین پر اپنی جیسی ہیں
انہوں نے خط جواب قرطاس افشانی پہ لکھا ہے

دوا میری ہے وصل یار کیوں نسخہ حکیموں نے
طریق حکمت ہندی و یونانی پہ لکھا ہے

کہاں ہے خط چین اس آبروئے خمار پر دیکھو
یہ نام تیغ گر تیغ صفا ہانی پہ لکا ہے

کہو کیا ماجرائے بے ثباتی نقش ہستی کا
مٹا جاتا ہے یوں گویا کہ یہ پانی پہ لکھا ہے

متانت دیکھتا ہے کیا ظفر کی طبع عالی میں
کہ جو لکھا مضمون طرز خاقانی پہ لکھا ہے

وہ دل کیا ہے جو تیرے غم الفت سے خالی ہے
وہ دیدہ کیا جو تیری دید کی حسرت سے خالی ہے

عجب انداز سے ہم خط اس حراف نے لکھا
نہیں اک حرف جس میں ماہ بر حرفت سے خالی ہے

بھر اگر جام مے ساقی نے لیکن ہم کو کیا حاصل
کہ اپنا ساغر دل بادہ عشرت سے خالی ہے

ذرا صورت بتوں کی دیدہ تحقیق سے دیکھو
کوئی صورت نہیں اللہ کی قدرت سے خالی ہے

گیا یاں سے نکل کیا جانے دیوانہ کہاں تیرا
پڑا پھر خانہ زنجیر اک مدت سے خالی ہے

رہے گا داغ ہائے عشق سے سینہ بھرا یونہی
کوئی ہوتا خزانہ اپنا اس دولت سے خالی ہے

ظفر ہم باندھتے ہیں جب سے مضمون کمر اس کا
ہمارا شعر بھی کوئی نہیں وقت سے خالی ہے

پھرتی آنکھوں میں جو اس زلف دوتا کی شکل ہے
خواب میں آتی نظر مجھ کو بلا کی شکل ہے

شوق میں اس قد رعنا کے ہے مثل آزاد سرو
بن گیا لے کر چھری جو بینوا کی شکل ہے

ناتواں ہے تو تجھے اے دل سہارا چاہیے
آہ تیرے واسطے تیرے عصا کی شکل ہے

کرتا ہے جو تو ملامت اتنی اے ناصح مجھے
تو نے دیکھی بھی کبھی اس دلربا کی شکل ہے

جس کے تو ہو قتل کے درپے کہاں اس کو پناہ
ابروئے پرخم ترا تیغ قضا کی شکل ہے

واہ کیا تاثیر رکھتا ہے ترا مکتوب شوق
نامہ بر دیکھو اڑا جاتا ہوا کی شکل ہے

صدقہ اپنی رونی صورت کو کہ رو دیتا یار
دیکھتا جس وقت وہ اس مبتلا کی شکل ہے

تیرے مجنوں کے تصور سے ہے تیری دل لگی
وشت بھی آنکھوں باغ دلکشا کی شکل ہے

چشم ہو جائے ظفر سب سے صورت آشنا
دل فقط پہچان لیتا آشنا کی شکل ہے

وہ دیکھ لیتے ہیں جو ادھر کچھ نہ کچھ تو ہے
ہو جاتی دل کی دل کو خبر کچھ نہ کچھ تو ہے

برگشتگی نصیب کی اپنے کہوں میں کیا
پھیری ادھر سے اس نے نظر کچھ نہ کچھ تو ہے

آیا ہے پھر کسی کی محبت کا دل میں جوش
بھر آئے جو دیدہ تر کچھ نہ کچھ تو ہے

بلبل سے بعد مرگ گئی کب ہوائے گل آئے گا کیا
اڑتے پھرے ہیں باغ میں پر کچھ نہ کچھ تو ہے

چمن میں کوئی رونق چمن
گل رہے ہیں میں باد سحر کچھ نہ کچھ تو ہے

وحشت ہے یا جنوں مجھے پر تیرے عشق میں
پھرتا ہوں میں جو خاک بسر کچھ نہ کچھ تو ہے

جل جائے ہے جو گھاس سدا میری خاک پر
باقی ہنوز سوز جگر کچھ نہ کچھ تو ہے

اپنے کشیدہ مجھ سے نہ ہو تم کہ آخرش
دل کی مری کشش میں اثر کچھ نہ کچھ تو ہے

شاید کسی سے ہو کہ بغل گیر آج تم
بغلیں بخار ہے ظفر کچھ نہ کچھ تو ہے

طرز آنکھ کی نرگس میں ہے زخم زلف کا سنبل میں ہے
نقشہ ہے قد کا سرو میں رخ کی شباہت گل میں ہے

جام جہاں بیں میں نظر ایا وہ کب جمشید کو
دیکھا تماشا ساقیا جو ہم نے جام مل میں ہے
سو ٹکڑے ہو گل کا جگر اک دم باد سحر
تاثیر درد عشق کی وہ نالہ بلبل میں ہے
جائے گا جس ملت میں تو پائے گا واں جنگ ع جدل
آرام گر منظور ہو تجھ کو تو صلح کل میں ہے
ہوتے ہیں زندہ مردہ دل بزم شراب ناب میں
اعجاز اے ساقی عجب اس خندہ قلقل میں ہے
میرا دل شامت زدہ ظالم گرفتار بلا
ہے گاہ تری زلف میں گاہے تری کاکل میں ہے
خاموش رہنا چاہیے دنیا کی شورش گا میں
سنتا کسی کی اے ظفر یاں کون شور وغل میں ہے

یہ عمر ہم نے بسر سب شراب میں کی ہے
سفید ریش نہیں آفتاب میں کی ہے
گیا ہے بھول میری بے قراریاں قاصد
درنگ اس نے جو خط کی جواب میں کی ہے
بار ہے نہیں اس کے حواس جس کی طرف
نگاہ آپ نے خشم و عتاب میں کی ہے
بنا ہے چرخ پہ جو ماہ ساغر سیمیں
کسی نے بادہ کشی ماہتاب میں کی ہے
سمجھ حباب کو بحر جہاں میں اے غافل
کہ بن ایک ہوا سی حباب میں کی ہے
ملا نہ رہنے کو جب گھر کہیں تو غم نے تیرے
جگہ مرے دل خانہ خراب میں کی ہے
ہوئی جو پیری میں تابت تو کیا وہی ہے خواب
کسی نے توبہ جو عہد شباب میں کی ہے
فلک پہ برق جہاں کے اڑا دیئے میں ہوش
جو آہ ہم نے کبھی اضطراب میں کی ہے
تمام عمر گزاری ہے اپنی غفلت میں
جہاں کی سیر ظفر ہم نے خواب میں کی ہے

گر بے طاقت ہوں میں پر دل میں طاقت اور ہے
قوت ظاہر سے ہاں باطن کی طاقت اور ہے
ہوں دل بریاں سے میرے کس طرح ہمسر کباب
اس کی لذت اور ہے اس کی لذت اور ہے

ناز ہی درپے نہیں دل کے فقط غمزہ بھی ہے
بچ سکے کیوں کر کر اک آفت پہ آفت اور ہے
میری رسوائی سے تو ہوتا ہے ناخوش کس لیے
اس سے تو ہوتی زیادہ تیری شہرت اور ہے
جلد لے کر مریض عشق کی اپنے خبر
آج اے رشک مسیحا اس کی حالت اور ہے
مے کدہ میرے لیے تیرے لیے ہے خانقاہ
تیرا مذہب اور زاہد میری ملت اور ہے
کیوں انا الحق کہہ کے سر منصور نے اپنا دیا
کون جانے سر حق یہ تو حقیقت اور ہے
اے ظفر جتنی جتاتے ہیں ہم اپنی دوستی
ہوتی اتنی ہی انہیں یاں ہم سے نفرت اور ہے

بلا سے یار نے شمشیر کھینچ کر چھوڑی　　بھوؤں کی ہم نے بھی تصویر کھینچ کر چھوڑی
نکل کر خانۂ زنداں سے پہنچے دشت کو ہم　　جنوں نے ڈھیلی جو زنجیر کھینچ کر چھوڑی
نہ چھوڑی تری محبت کسی نے گر چھوڑی　　تو رنج اے بت بے پیر کھینچ کر چھوڑی
نہ دم بھی لینے کی طاقت تھی ہم میں پر ویسی　　اک آہ اہمفر صد کھینچ کر چھوڑی
ہزاروں چھوڑے گرفتار جبکہ شانہ نے　　تمہاری زلف گرہ کھینچ کر چھوڑی
وفا کے جرم پہ اس بے وفا نے میری لاش　　گلی گلی پہ تشہیر کھینچ کر چھوڑی

ہم اپنے کلک تصور کے ہیں ظفر قائل
کہ اس نے یار کی تصویر کھینچ کر چھوڑی

نہ دل ان شعلہ رخسار پہ لوٹے　　بلا سے گرچہ انگاروں پہ لوٹے
تم اینڈ و بستر گل پر تمہیں کیا　　کوئی حسرت سے گر خاروں پہ لوٹے
کہاں پایا یہ مزہ جو ہٹتے ہٹتے　　گل اس گل کے دل افگاروں پہ لوٹے
تمہیں زلفوں کے سودائی کو کچھ ڈر　　پڑا شب کو سیہ ماروں پہ لوٹے
اسے جو دیکھ کر ہو برق بیتاب　　زمیں پر لوٹے دیواروں پہ لوٹے
گیا دل لوٹ میرا ان بھوؤں پر　　وگر نہ کون تلواروں پہ لوٹے

ہمیشہ لوٹے بسمل کی طرح وہ
ظفر جوان طرح داروں پہ لاٹے

ہے جبکہ خلق سوچ کے تدبیر بولتی
کچھ اور ہے جواب میں تقدیر بولتی

ہنستا وہ گل چمن میں اگر کھلکھلا کے صبح
حسرت تھی کیا جو بلبل تصویر بولتی

برپا رہے ہے خانہ زنداں میں ایک غل
مجنوں کے ہے جو پاؤں میں زنجیر بولتی

بلبل ہمنوائے شوق کر آمدگی کے شور میں
کیا کیا ہے خاک عاشق دلگیر بولتی

گرچہ نہیں ہے میرے نے استخواں میں دم
پہ عشق کے باعث تاثیر بولتی

افسوں عشق سے دل عاشق کے سر پہ زور
ہے وہ بلائے زلف گرہ گیر بولتی

تیرے کلام میں ہے وہ انداز اے ظفر
محفل میں آفریں دم تقدیر بولتی

دیا چکر ہو چشم شوق مہ طلعت کی گردش نے
کر اک گردش پہ گردش دی مجھے قسمت کی گردش نے

تہ افلاک فانوس خیالی کی طرح مکھ کو
نئی صورت دکھائی اک نئی صورت کی گردش نے

کیا زاہد کو مستوں سے زیادہ تر سر محفل
خراب انجم میں جام مے نخوت کی گردش نے

مجھی کو کیا فقط ایسا کہ پھیرا اک زمانہ ہو
مثال آسیاں گردوں رواں ہمت کی گردش نے

ستم گر دیکھ تو کیا کیا ڈبوئے آشنا تیرے
تیرے گرداب دریائے غم الفت کی گردش نے

رکھا چکر میں میری خاک کو بھی بعد مرنے کے
ہمیشہ گردباد وادی وحشت کی گردش نے

نوشتہ میں ظفر گردش زدوں کی کوئی کیا جانے
کیا ہے کام کیا کیا خامہ قدرت کی گردش نے

تیرے کوچہ میں جانا کون گر جاتے تو ہم جاتے
نہ جاتے ہم بھی پر جس سے گزر جاتے تو ہم جاتے

نہ تھا ہم سے سوا آئینہ مشتاق اکی صورت کا
گیا کیوں بھکے ہو پیش نظر جاتے تو ہم جاتے

نہ لایا کچھ جواب ان سے گیا تو کیا کیا قاصد
دل مضطر کے بن کر نامہ بر جاتے تو ہم جاتے

نکالا تو نے ہمکو تو گئے ہم تیرے کوچہ میں
وگر نہ جیتے جی کب جاتے مر جاتے تو ہم جاتے

رفیق اپنی گئی جلدی ہم اکے ساتھ کیا جاتے
اگر اک دو نفس بھی ہو ٹھہر جاتے تو ہم جاتے

گیا رونا ہوا کیا ابر تر گور غریباں کو
کبھی گر اس طرف با چشم تر جاتے تو ہم جاتے

بناتا گر خدا سایہ ہمیں اکا تو ساتھ اکے
نہ جاتا کوئی لیکن اے ظفر جاتے تو ہم جاتے

سانس بھی عدو جو خستہ جگر لے نہ سکے   حیف تو آ کے ذرا اس کی خبر لے نہ سکے
ہم نے سو بار یہ سوچا کہ کسی صورت سے   بوسہ لے لیں ترے رخسار کا پر لے نہ سکے
پونچھ آنسو نہ میرے اپنے غم خواری میں   اپنے دامن میں کبھی تم یہ گوہر لے نہ سکے
اے پری وش ترے عاشق کا جو دیکھے احوال   نام بھی عشق کا پھر کوئی بشر لے نہ سکے
فصد مجنوں کی ترے لے کوئی کیوں کر فصاد   کام نشتر کا وہ ہر خار سے گر لے نہ سکے
ناتواں اٹھے تیرا بستر غم سے کیا خاک   جبکہ کروٹ بھی ادھر سے وہ ادھر لے نہ سکے

تا نہ صد چاک ہو شانہ کی طرح دل اپنا
اس کی زلفوں کی بلائے یہ ظفر لے نہ سکے

غرور حسن سے گروہ جلال میں آوے   تو اس کی مہر نہ ذرا خیال میں آوے
اس پہ زلف ہوا اس خال رخ کو دیکھ کر دل   بغیر دانا کے طائر نا جال میں آوے
کرے اس ابروئے پر خم سے ہمسری کیوں کر   کہاں سے خم یہ کمان ہلال میں آوے
وہ خال رخ جو بکھرے ہیں زلف کے بال   ستارہ دیکھئے کس کا وبال میں آوے
حنا جو اس کی قدم بوس ہو تو پھر کیوں کر   نہ حسرت اپنے دل پائمال میں آوے
بلا سے وصل کا دن ہو وہی ہے عید کا دن   کہ اک بار تو وہ ایک سال میں آوے

ظفر وہ خواب میں کس طرح اے میرے پاس
کہ جب نا خواب ہی رنج و ملال میں آوے

نا مال سے نا زر سے نا تدبیر سے چپکے   چپکے اگر اقبال تو تقدیر سے چپکے
یہ انجم تاباں نہیں شعلے ہیں فلک پہ   آہ جگر عاشق دلگیر سے چپکے
ہم ایسے نہیں ہیں کہ جو آنکھ اپنی جھپک جائے   وہ برق کی ہر ور تیری شمشیر سے چپکے
خورشید کا کیا منہ ہے کہ ہم تاب ہو اس سے   وہ نور ترے چہرہ تصویر سے چپکے
یہ آگ نہیں وہ کہ بجھاوے جیسے پانی   عشق اور میرے گریا کی تاثیر سے چپکے
جس تک کہ نا ہو رات نا ہو روشنی شمع   حسن اس کا نا کیوں زلف گرہ گیر سے چپکے

غصے میں بھرے بیٹھے تھے میں نے جو کہا کچھ
تو اور ظفر وہ میری تقدیر سے سے چپکے

متفرقات قطعہ

کتنے ہی بن کے شہر کے اور گاؤں کے نشان   یوں مٹ گئے ڈھیں پہ جو پاؤں کے نشان
گر نخل خشک کوئی کہیں رہ گیا ظفر   پائے نا اس کے پاؤں تلے چھاؤں کے نشان

سلام

سلام امام کا کہہ پڑھ کے صبح و شام نماز
تو اسے ملائی ادا کر نہ بے سلام نماز

نہ ہووے دل میں دو حب نبی و ال نبی
تو کام آئے نہ روزو نہ آئے کام نماز

دو اس امام کا ہے دوست ہے خدا کا دوست
قبول ہوتی ہے اس کی علی الدوام نماز

جو ہو حسین کا دشمن اسے کہاں ایمان
اگرچہ پڑھتا بھی ہو وہ برائے نام نماز

عبادت ایسی ہو کس سے کہ تھا ادا کرتا
ہوتے قتل بھی وہ قبلہ امام نماز

کرے اس پہ ستم ہائے کیا مسلمان ہیں
پڑھیں طریق پہ سب دیں کے خاص و عام نماز

حسین کا ہے وہ رتبہ کہ جائیں فخر اپنا
اگر پڑھائے فرشتو کو وہ امام نماز

یہ کیا ستم ہے کے نہ خود پڑھیں نہ پڑھنے دیں
کسی کو اس کے جنازے کی اہل شام نماز

قطعہ

کہا یہ شاہ نے اپنے اعداء سے چاہیے تم کو
توقف اتنا کہ ہو میری اختتام نماز

یہی ہے دل میں میرے آرزو کہ تہ تیغ
ادھر تمام حیات اور ادھر تمام نماز

سر شک دیدۂ پر آب سے وضو کر
ہمیشہ پڑھتے ہیں شبیر کے غلام نماز

نا ہوئے کوئی مجھے غم بجز غم شبیر
ظفر یہ مانگ دعا پڑھ کے تو مدام نماز

مسدس بطور مرثیہ

نماز پڑھ کے سدا سجدہ و قیام کت ساتھ
وظیفہ چاہیے ذکر غم امام کے ساتھ
اگر ہے ذوق تو سرور انام کے ساتھ
تو ورد صبح کے ساتھ اور ورد شام کے ساتھ

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

ہزار کوئی عبادات میں رہے مشغول
جو دل میں رکھتا نہ ہو حب اہل بیت رسول
نماز اس کی نہ مقبول نہ دعا قبول
جو ہو تو دولت ہر دو جہاں ہو اس سے حصول

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

بجز حسین ہو کوئی شفیع امت کیا
کرے جو وہ نہ شفاعت تو ہو شفاعت کیا
بغیر اس کے اطاعت ادا ہو اطاعت کیا
نہ ہو جو اس کی محبت تو ہے عبادت کیا

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

وہ شاہ ہر دوسرا نور چشم شاہ نجف
جھکا جو اس کی طرف وہ جھکا خدا کے طرف
بپے نماز ملک باندھیں جب فلک پہ صف
کہیں حسین کو اللہ نے ادا یہ شرف

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

جہاں میں ہے جو کوئی خاص بندہ معبود
نہ ہو نماز قضا اس سے اور ترک درود
اسے حسین کے غم میں دل اس کا درد آلود
کہ اس کے واسطے ہے دو جہاں کی بہبود

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

حسینؑ ابن علیؑ ہے وہ شاہ ہر دو جہاں
کہ جس کے جن و بشر سب ہیں تابع فرمان
سلام بھیجئے اس پہ ہمیشہ بادل و جان
یہی ہے دین یہی اسلام اور یہی ایمان

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

غم حسین سے ہے جو تیری چشم ہے پر نم
سیاہی اس میں نہیں روشنائی سے کچھ کم
ہر اک شاخ مژہ سے ظفر بنا کے قلم
یہ دل کہ پرچہ پہ آنکھوں سے کر ہمیشہ رقم

سلام شہ ہو صلوٰۃ علی الدوام کے ساتھ
کہ ہر نماز ادا ہوتی ہے سلام کت ساتھ

مخمسات

گل رخو عالم آشنا ہیں ہم
ہم سے کیا پوچھتے ہو کیا ہیں ہم
کر چکے غم سے بارہا ہیں ہم
گرچہ آوارہ جوں صبا ہیں ہم
لیک لگ چلنے کو بلا ہیں ہم

جرم عاشق ہوا ہے کیا ہم پر
نہیں کھلتا یہ ماجرا ہم پر
اور اک ظلم ہے نیا ہم پر
اے بتو اس قدر جفا ہم پر
عاقبت بندہ خدا ہیں ہم

تو نے دیکھا جسے اٹھا کر چشم
کیا مفتوں اسے دکھا کر چشم
سن کے یہ چشم سے ملا کر چشم
سرمہ آلود مت دکھا کر چشم
دیکھ اس وضع سے خفا ہیں ہم

گرچہ ہوتی رہی جفا پہ جفا
پہ نہ سرکے وہاں اک زرا
ہم پہ احسان یہ وفا نے کیا
ترے کوچہ میں تا بہ مرگ رکھا
کشتۂ منت وفا ہیں ہم

نہیں مرہم طلب تن مجروح
ہے یہ اپنا عجب تن مجروح
دیکھو تو آ کے اب تن مجروح
ہے نمک سود سب تن مجروح
تیرے کشتوں میں میرزا ہیں ہم

ہوئی ہم کو نصیب جتنی عمر — تھی ہو تھوڑی سی یا بہت سی عمر
ہم نے اس طرح سے بسر کی عمر — آستاں ہی پہ تیرے گزری عمر

اس دروازے کے گدا ہیں ہم

جیسا تھا شاعری میں اچھا میر — پاتا گر قدردان بھی ایسا میر
اس طرح اے ظفر نہ کہتا میر — کوئی خواہاں نہیں ہمارا میر

گویا جنس نا روا ہیں ہم

ایضاً

کب میں آوارہ کو بہ کو نہ گیا — مضطرب کب ہر ایک سو نہ گیا
عشق خوباں ملہر و نہ گیا — دل سے شوق رخ نکو نہ گیا

جھانکنا تاکنا کبھو نہ گیا

O

تمام شد

جلد دوم — دیوان ظفر

محمد عثمان کاتب ایمن آباد موڑ
ضلع گوجرانوالہ

ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ اکبر ثانی کے بیٹے اور شاہ عالم کے پوتے تھے۔ ۲۸ شعبان ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ء) بروز شنبہ قلعہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی تربیت شاہ عالم بادشاہ کی نگرانی میں ہوئی۔ مغل بادشاہ اگرچہ برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے مگر اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں جیسے علم دوست اجداد کی روایات اس خاندان میں جوں کی توں برقرار تھیں۔ بادشاہ اہل علم کے مربی تھے اور کسب

نہ رہا وقت دور سے جاناں   کوئی بھی پاس اپنے مونس جاں
تجھ سا پاؤں گا میں رفیق کہاں   سب گئے ہوش و صبر و تاب و تواں

لیکن اے داغ دل دل سے تو نہ گیا

اس کے ملنے کے سب تھے رستے ٹھیک   اور نزدیک تر دو ایک سے ایک
دیا غفلت سے مجھ کو دور دو پھنک دیا   ہر قدم پر تھی اس کی منزل ایک

سر سے سودائے جستجو نہ گیا

جس جگہ آدمی کا بس نہ چلے   دست افسوس وہاں نہ کیونکر ملے
تھے مطالب مرے برے کر بھلے   دل میں کتنے سودے تھے ولے

ایک پیش اس کے روبرو نہ گیا

زاہدوں سے ظفر بھم تو رہے   اوروں پہ بھی رجوع تو رہے
لیک کہتے یہ دمبدم تو رہے   سبحہ گرداں ہی میں ہم تو رہے

دست کوتاہ تا سبو نہ گیا

ایضاً

آشنائی کر جو قائل اس تو الفت والے   نہ یہ بے مہرو وفا دولت و حشمت والے
یار وہ ہیں جو ہیں یاروں کے رفاقت والے   کیا غرض لاکھ خدائی میں ہوں دولت والے

ان کا بندہ ہوں جو بندہ ہیں محبت والے

اس قدر خواہش نظارہ مجھے ہے تیرے   چاہوں میں اس کو چھپاؤں تو نہیں چھپ سکتی
جب کر لکھواتا ہوں یاروں سے حقیقت اپنی   ہائے رہی حسرت دیدار مری ہائے کو بھی

لکھتے ہیں ہائے وہ چٹھی سے کتابت والے

پس مرداں مرے مرقد پہ کوئی بھی غم خوار   فاتحہ پڑھنے تو صد حیف نہ آیا یک بار
سوختہ جاں کا بجز سوختہ جان ہو یار   نہیں جز شمع مجاور مری بالیں مزار

نہیں جز کشتہ پروانہ نیابت والے

دمبدم کلبہ اخوں میں ہے دم گھبراتا   دم کے جانے میں مرے لب پہ کوئی دم جاتا
اور غم خوار تو صورت بھی نہیں دکھلاتا   کبھی افسوس ہے آتا کبھی رونا آتا

دل بیمار کے ہیں وہی عیادت والے

بھیجوں کیا نامہ میں لکھوا کے تمھیں دل کا راز   ہوتی تحریر ہے بیتابی دل کی غماز
بیقراری کے اثر سے مرے اے بندہ نواز   چھوڑ دیتے ہیں قلم جوں قلم آتشباز

میری شرح تپش دل کے کنایات والے

تجھ سے رکھتا ہے کوئی چارۂ غم کی خواہش   تجھ سے کرتا ہے کوئی قول و قسم کی خواہش
مٹ گئی عشق میں سب اپنی تو دل کی خواہش   نہ ستم کا کبھی شکوہ نہ کرم کی خواہش

دیکھ تو ہم بھی ہیں کیا صبر قناعت والے

پھولے جس وقت کہ گل اپنی چمن میں اے ذوق   ہے جو آگاہ ظفر شعر کے فن میں اے ذوق
کہیے انصاف سے اس تیرے سخن میں اے ذوق   ناز ہے گل کو نزاکت پہ چمن میں اے ذوق

اس نے دیکھے ہی نہیں ناز و نزاکت والے

ایضاً

چشم دل میں جو خرد کحل بصر دیتی ہے   یہ سجھا کر ہمیں آگاہ وہ کر دیتی ہے
یاں فنا کس کے سدا اپنے کو کر دیتی ہے   یہ اقامت ہمیں پیغام سفر دیتی ہے

زندگی موت کے آنے کی خبر دیتی ہے

باندھنا آتا کسی پہ نہیں مجھ کو   خوب معلوم ہے اے گبر و مسلماں مجھ کو
کرنا سودائی نہیں طرۂ پیچاں مجھ کو   تیرہ بختی کرتی ہے پریشاں مجھ کو

تہمت اس زلف سیہ فام پہ دھر دیتی ہے

اس پہ حاجت نہیں کچھ مجھ سے قسم لینے کی   آرزو ہے مجھے بس تیرے قدم لینے کی
ہو چکیں تیاریاں اب راہ عدم لینے کی   دمبدم غم پاک سے دم لینے کے

مجھ کو فرصت تری کب تیغ نظر دیتی ہے

مفتی شہر کوئی ہووے کہ ہو قاضی شہر   ہو گا اس فاحشہ سے دل کا لگانا لے زہر
مگر اس کے غضب اور قرب اس کے ہیں قہر   زلل دیتا ہے عجب طرح کی علامہ دہر

مرد دیندار کو بھی دہریہ کر دیتی ہے

بھیجتا تھا بت تو خط ہمیں خط پہلے بھی   لیک وہ حرف عتاب ایسے نہ لکھتا تھا کبھی
ہو گئی اور بھی کچھ طرز کتابت اس کی   بڑھتی جاتی ہے وہ مشق ستم اس ظالم کی

کچھ محبت مری اصلاح مگر دیتی ہے

گت ئی عشق جوانی کا ہے چارہ دشوار   داروئی مرد ہو پیری سے نہ کیونکر بیکار
جس کو نہ ہو وہ دیکھ لے اس کو سو بار   تپ دل شمع کی جب کم نہیں ہوتی ناچار

لیس کو کافور سفیدی سحر دیتی ہے

رکھتا ہیز ہ بنگو جیسے ظفر عشق کا شوق   کہتا ہے آہ و فغاں سے ہے مجھے عشق میں ذوق
حال رسوائی میرا سننے سے ہے یارکو شوق   کوئی غماز نہیں میری طرف سے لے ذوق

کان اس کے مری فریاد ہی بھر دیتی ہے

ایضاً

سردار تو وہ نبیؐ جس کے نہیں بعد نبیؐ   دیکھ شان تری عرش کی بھی شان دبی
ابیاؐ تجھ سے کہیں وقت شفاعت طلبی   مرحبا سید مکی مدنی العربی

دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

ہے ترے جلوہ سے مسجود ملائک آدم   ہے ترے نور سے پر نور حدوثاور قدم
دیکھ کر حسن کے شیدا ترے دونوں عالم   من بے دل بہ جمال تو عجب حیرانم

اللہ اللہ چہ جمال است عالی نسبی

تجھ کو گر خالق کونین نہ پیدا کرتا   پھر تو یہ ارض وسما ہوئے نہ پیدا اصلا
گرچہ اولاد میں آدم کے ہوا تو پیدا   نسبتے نیست بذات تو بنی آدم

بر تر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

ابر وہ احسان و کرم سے تیرے سیراب انام   زمزم خلق سے ہے تیرے جہاں شیریں کلام
اے ترو تازگی افزائی ریاض اسلام   نخل بستان مدینہ تو سرسبز مدام

زاں شدا شہرۂ آفاق بشیریں رطبی

موسیٰ و عیسیٰ و داؤد جہاں تھے ہود   وہیں نازل ہوئی توریت اور انجیل و زبور
ان کی ہر خاص زباں میں کرنا ہو فہم سے دور   ذات پاک تو دریں ملک عرب کرد ظہور

زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

جب گیا سوئے فلک کرکے زمیں کے طے دشت   دیکھے سب باغ بہشت ایک سے لے کر تا ہشت
کر چکا گلشن نہ چرخ کا جب تو گلگشت   سب معراج عروج تو ز افلاک گزشت

بہ مقامی کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبیؐ

وہ فرشتہ کہ جو ہو حامل عرش اعظم　　آئے در پر ترے آنکھوں کو کر کے قدم
تو ادب سے یہ کہے کھا کے ترے در کی قسم　　نسبت خور بسگ کر دم و بس منفعلم

زاں کہ نسبت بسگ کوئے تو شد بے ادبی

سوز عصیاں سے جگر سوختہ جب مخلوقات　　آئیں صحرائے قیامت میں طلب گار نجات
کہیں سر چشمہ احسان ہے شہ تیری ذات　　ماہمہ تشنہ لبانیم توئی آب حیات

لطف فرما کہ زحد مے گزرد تشنہ لبے

ہے ظفر کے دل بیمار کا بھی حال وہی　　اور اسی طرح سے اب چارہ طلب وہ ہے بھی
کر گیا آگے زمانہ میں تری جیسے قدسی　　سید سوئے تو قدسی پے درمان طلبی

آمدہ سوئے تو قدسی پے درمان طلبی

ایضاً

جو عشق باز ہیں وہ راہ دین پہ آ چکے　　سربازی وفا میں دیا گھر لٹا چکے
واعظ بہ رب کعبہ تجھے ہم جتا چکے　　دو دل قمار خانہ میں بت سے لگا چکے

وہ کعبتین چھوڑ کے کعبہ کو جا چکے

ساری حقیقت اب تو مری ان پہ کھل گئی　　ہے بات اور قابل تحریر کون سی
لے کر قلم کو ہاتھ میں ہوں سوچتا ابھی　　کیا خط میں مدعا لکھوں اپنا کہ مدعی

پہلے ہی انکو میری طرف سے پڑھا چکے

ہر چند اس کا لطف عداوت سے کم نہیں　　آنا ملا سے اسکا قیامت سے کم نہیں
پر اپنے حق میں وہ بھی عنایت سے کم نہیں　　اور آمد آمد اس کی کچھ آفت سے کم نہیں

مرتے ہیں انتظار میں اک روز آ چکے

دل کے پھپھولے پہنچے جگر کے تھے متصل　　اور سوزش ان میں وہ کہ ہوں آتشکدے خجل
تھی گرمئی نظارہ سے گو آگ مشتعل　　باز آیا دیکھنے سے نہ آتش رخوں کے دل

سو بار گرچہ اسے آنکھیں دکھا چکے

اپنی جنہوں نے جان تہہ شمشیر عشق دی　　آلودگی نہ ان کو کسی طرح کی رہی
ہے تیغ آبدار تری پاک کر چکی　　حاجت نہیں ہے تیرے شہیدوں کو غسل کی

قاتل وہ تیرے ہاتھ سے خوں میں نہا چکے

بازار دوستی میں بہت پھرا ہے تو   سودا ہر اک سے کرتا بھی رہا ہے تو
ٹھہرا ہوا جو نرخ ہے وہ سن چکا ہے تو   کیا مجھ سے قیمت دل و جاں پوچھتا ہے تو

دونوں ہیں اک نگاہ پہ اے دل ربا چکے

مدت کے بعد مے سے کیے تر لب و وہاں   لیکن ابھی ہے پیاس ہماری بجھی کہاں
اس وقت سوچتا ہے کسے سود و زیاں   زہر اب بھی ہے جو بادہ تو کر لیں گے نوش جاں

ساقی پیالہ مے سے ہم اب تو لگا چکے

اے بے وفا نہ کرنی تھی تجھ سے ہمیں وفا   قائل ہیں آپ ہم کہ ہوئی ہم سے یہ خطا
جو اس خطا پہ ہم کو سزا دے وہ تھی بجا   اچھا کیا وفا کے عوض تو نے کی جفا

بس اب ستم نہ کر کہ کیا اپنا پا چکے

دن کو سنا گئے تھے وہ یہ مژدہ طرب   آ کر رہیں گے آج یہیں ہم تمام شب
پر کیا کہیں برائی نصیبوں کی ہے غضب   یاد آیا یاں کے آنے کا وعدہ انہیں تو کب

جب رات کو وہ مہندی لگا چکے

تم دیکھ کر ہماری نحیفی و ضعف کو   یہ چاہتے ہو سر سے ٹلے بوجھ دوستو
اور ہم یہ کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ نہ تم کہو   جب تک کہ سر ہے ساتھ ہے سر کے ہوش ہو

ہم اب تو سر پہ بار محبت اٹھا چکے

بسم اللہ ہے ارادہ اگر میرے قتل کا   چھوٹے کہیں اذاب سے تا جان مبتلا
بسمل کی طرح آہ تڑپتا ہوں میں سدا   کیا دیکھتا ہے تیغ نگہ ایسی اک لگا

قصہ تمام عمر کا اے پر جفا چکے

ٹھہریں ہیں بعد مرگ ذرا اس خرابہ میں   ورنہ پھر سے خراب سدا اس خرابہ میں
کیا کیا نہ ہم نے آکے کیا اس خرابہ میں   اب خاک کے ہیں ڈھیر تو کیا اس خرابہ میں

پہلے تو ہم بھی خاک بہت سی اڑا چکے

کہہ دو ظفر برا ہے کہو میکدہ کو ذوق   ہے کچھ تو واں بھی دیکھ تو لو میکدہ کو ذوق
تم دیکھ کر نہ دل میں رکو میکدہ کو ذوق   ہنکارو آج خوب چلو میکدہ کو ذوق

چھوڑ کہیں وظیفہ بہت بڑھ بڑھا چکے

ایضاً

یہ جانتے سب غنچے بھی ہیں اور گل تر بھی   اور دیتے گواہی ہیں برو برگ شجر بھی

ہے میری صدا شام بھی یہ اور سحر بھی   گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر

اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی

مدت میں مرے گھر کی طرف سے جو گزرنا   دوچار گھڑی غیر کے تو پاس ٹھہرنا
اور مجھ سے دوچار آنکھیں بھی اک بار نہ کرنا   کیا ضد ہے مرے ساتھ خدا جانے وگرنہ

کافی ہے تسلی کو مری ایک نظر بھی

مانا ترے آنسو در خوش آب ہیں سارے   اور ایسے ہیں تابندہ کہ پانی ہوں ستارے
پر یہ تو بتا دے ہمیں انصاف کے بارے   اے ابر قسم ہے تجھے رونے کی ہمارے

ٹپکا تری آنکھوں سے کوئی لخت جگر بھی

بیٹھے ہوئے ہمدم تو بہت ہیں مجھے گھیرے ہوئے   پر ایسا نہیں کوئی جو تقدیر کو پھیرے
جانے کا نہیں غم دل نالاں سے یہ میرے   اے نالہ صد افسوس جواں مرنے پہ تیرے

دیکھا نہ کبھی تو نے ذرا روئے اثر بھی

اللہ رے بیہوش تری غفلت سرشار   نے دیں سے ہے ہشیار نہ دنیا سے خبردار
دن رات جو یوں رہتا ہے مست پندار   کس ہستیء موہوم پہ نازاں ہے تو اے یار

کچھ اپنے شب و روز کی ہے تجھ کو خبر بھی

جب سے کی ہوئی باد فنا دست در آغوش   اور شمع صفت میں ہوا اس بزم میں خاموش
دن رات جہاں میں غم و حسرت کا ہے اک جوش   تنہا مرے ماتم میں نہیں شام سیہ پوش

رہتا ہے سدا چاک گریباں سحر بھی

ہم کہتے ظفر ہوتی جو سودا سے ملاقات   کیوں کرتا بسر آہ و فغاں میں ہے تو اوقات
تنگ آکے جو ہمسایہ ترے کہتے ہیں یہ بات   سودا تری فریاد سے آنکھوں میں کٹی رات

آئی ہے سحر ہونے کو ظالم مر بھی

تمام شد

جلد دوم   دیوان ظفر

محمد عثمان کاتب ایمن آباد موڑ

ضلع گوجرانوالہ

ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ اکبر ثانی کے بیٹے اور شاہ عالم کے پوتے تھے۔ ۲۸ شعبان ۱۱۸۹ھ (۱۷۷۵ء) بروز شنبہ قلعہ دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کی تربیت شاہ عالم بادشاہ کی نگرانی میں ہوئی۔ مغل بادشاہ اگرچہ برائے نام بادشاہ رہ گئے تھے مگر اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں جیسے علم دوست اجداد کی روایات اس خاندان میں جوں کی توں برقرار تھیں۔ بادشاہ اہل علم کے مربی تھے اور کسب کمال کو اپنے لیے باعث فخر اور ضروری سمجھتے تھے۔ شاہ عالم کے زمانے میں پہلے کمال کی جو پرسش ہوئی اس کی نظیر مشکل سے نظر آئے گی۔ سودا، میر، انشا اور بیسیوں شاعران کے خوان کرم کے زیر چین تھے۔ اکبر شاہ کا دربار شعراء اور اہل کمال کا مرجع تھا۔ بہادر شاہ نے اسی ماحول میں پرورش پائی۔ انکے دادا کی طرف سے انکی تربیت کا ایسا اہتمام کیا گیا جو مغلوں کے دور عروج میں بھی ولی عہد سلطنت کے لیے باعث فخر ہوتا۔ بہادر شاہ نے تمام متداولہ علوم وفنون میں دستگاہ بہم پہنچائی چنانچہ صاحب گلشن بےخار لکھتے ہیں:

''با اکثر صفات موصوف و بمحامد و مکارم معروف۔ در اکثر خطوط دستگاہ بہ شائستہ دارد و باین فن (شاعری) بسیار مالوف است.....''

بہادر شاہ کو اپنے زمانے کے مشہور اہل کمال کی صحبت میسر رہی اور اس سے ان کے ذاتی کمالات اور فطری ذہانت کو مزید جلا ملی چنانچہ وہ زمانہ ولی عہدی میں بھی اپنے علمی ذوق کے لیے نام پیدا کر چکے تھے اور اکثر شعراء ان کے دامن کرم سے وابستہ تھے۔

یہ تو تھا ان کے علمی و ادبی ماحول کا اجمالی تذکرہ۔ جہاں تک ان کے سیاسی ماحول کا تعلق ہے اس کی داستان بڑی طویل اور دردناک ہے۔ بہادر شاہ جس دور میں پیدا ہوئے وہ سلطنت مغلیہ کے انتہائی زوال کا دور تھا۔ دہلی کی مرکزی حیثیت عملی طور پر ختم ہو چکی تھی ملک میں بدامنی کا دور دورہ تھا، بادشاہ مفسدوں اور فتنہ پردازوں کے ہاتھ کا کھلونا تھا اور دلی آئے دن کے حملوں اور انقلابات کی آماجگاہ بنی ہوئی تھی۔ بہادر شاہ نے اپنے شفیق دادا کے نابینا ہونے کا حادثہ دیکھا، مرہٹوں، سکھوں، جاٹوں اور روہیلوں کی چیرہ دستیاں اور بادشاہ کی بے بسی دیکھی۔ انہیں کے سامنے شاہ عالم بادشاہ نے انگریزوں کی سرپرستی قبول کی اور بادشاہ حاکم ہونے کی بجائے ایک معمولی وظیفہ خوار رہ گیا۔ آخر بہادر شاہ کے والد اکبر ثانی تخت نشین ہوا اور ساری زندگی انگریزوں سے رحم کی توقع میں گزار کر راہی ملک عدم ہوئے اور ۱۸۳۷ء میں بہادر شاہ کے سر پر تاج رکھا گیا۔

انگریزوں کی سرپرستی شاہ عالم کے وقت سے چلی آرہی تھی بادشاہ اب نام کے بادشاہ تھے۔ انکے پاس کسی طرح کا اختیار نہ تھا۔ بلکہ ان پر بھی حکم کمپنی بہادر کا ہی چلتا تھا۔ بہادر شاہ کے زمانے میں حالات اور بھی بگڑ گئے تھے انگریز ریزیڈنٹ نے بادشاہ کی تذلیل کی نئی نئی صورتیں نکال لیں۔ بادشاہ کے ذاتی معاملات تک میں دخل دیا جانے لگا۔ ۱۸۳۵ء سے سکہ پر بادشاہ کا نام درج ہونا بند ہو گیا تھا۔ پھر گورنر جنرل کی مہر سے ''فدوی خاص بادشاہ'' کے الفاظ خارج کر دیے گئے بادشاہ کو مختلف مواقع پر جو نذر گزاری جاتی تھی وہ بھی ۱۸۴۳ء میں موقوف کر دی گئی اور اب انگریزوں کی نظر قلعہ پر تھی۔ اس سلسلے میں بادشاہ پر مختلف طریقوں سے دباؤ ڈالنے کی تجویزیں سوچی گئی۔ الغرض بالآخر قلعہ سے بے دخل کر کے قطب میں آباد کرنا چاہتے تھے۔ دراصل اب انگریز بادشاہ کو ایک بےمعنی چیز سمجھتے تھے چنانچہ رفتہ رفتہ وہ تمام تکلفات ترک کر دیے گئے جو شاہ عالم کے وقت میں اختیار کیے گئے تھے۔ بادشاہ سو فیصدی انگریزوں کے رحم وکرم پر تھا اسے جو وظیفہ ملتا تھا وہ کسی بھی وقت بند کیا جا سکتا تھا۔ بہادر شاہ جن کی رگوں میں اکبر اور شاہ جہاں جیسے جلیل القدر بادشاہوں کا خون تھا قیاس کیا جا سکتا ہے ان تمام حالات کو دیکھ کر ان کے دل پر کیا کچھ نا گزرتی ہوگی۔

۱۸۵۷ء کا سال برصغیر ہندو پاک کی تاریخ کا بہت اہم سال ہے اس سال برصغیر کے لوگوں نے انگریزوں کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے کی آخری کوشش کی مگر۔

''اے بسا آرزو کہ خاک شدہ''

ہندوستانی حریت پسندوں کو شکست ہوئی اور ظفر ان کی قیادت کرنے کے جرم میں گرفتار کر کے رنگون بھیج دیے گئے وہاں ۱۸۶۲ء میں ان کی پر الم زندگی کا خاتمہ ہوا مغل سلطنت شاہ عالم کے وقت میں ختم ہو چکی تھی بہادر شاہ کے ساتھ خاندان مغلیہ کا خاتمہ ہوا۔

یہ ہے اس بدنصیب شاعر کا ماحول جس کے کلیات کی پہلی جلد آپ کے ہاتھ میں ہے اس کے حالات زندگی بڑے عبرتناک ہیں ان حالات میں اس کے دل و دماغ پر بڑے گہرے نقوش ثبت کیے ہیں۔ اس نے شاعری سے اپنا غم غلط کرنے کی کوشش کی مگر یہ غم اس کے شعروں میں جابجا جھلکتا ہے۔ انکی طبیعت کی افسردگی اور غم کی کسک میں اس کے اشعار میں ایک ایسی کیفیت پیدا کر دی ہے جسے پڑھنے والے آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے۔

بہادر شاہ ظفر نے شعر گوئی سے فطری مناسبت تھی انھوں نے جب شعر کہنے شروع کیا تو دلی پر شاہ نصیر کا سکہ چلتا تھا ظفر نے بھی انہیں کی شاگردگی اختیار کی (مومن اور ذوق بھی نصیر ہی کے شاگرد ہیں) شاہ نصیر شاعر جیسے بھی ہوں البتہ فن پر کامل عبور رکھتے تھے۔ انکے کلام میں شکوہ الفاظ کے ساتھ نئی تشبیہیں و استعارے ملتے ہیں زمین مشکل سے مشکل نکالتے ہیں لمبی لمبی ردیفیں اور مشکل قوافی انہیں خاص طور پر مرغوب ہیں تمام تر استادی کے باوجود ان کا کلام ہر طرح کے جذبات کا عاری ہے مگر ظفر کو ادنی شاگردی سے یہ فائدہ ضرور ہوا کہ وہ ایک پختہ گو شاعر ہو گئے انھوں نے شاہ نصیر کی پوری طرح پیروی کرنے کی کوشش کی ہے مگر شاہ نصیر کے اصل میدان میں بھی وہ ان سے آگے ہیں انھوں نے نصیر کی طرح سنگلاخ زمینوں میں غزلیں بکثرت کہیں ہیں لمبی ردیفوں اور عجیب وغریب قوافی کی ان کے یہاں بھی بہتات ہے مگر نئی زمینیں نکالنے کے معاملے میں وہ شاہ نصیر سے کہیں آگے ہیں۔ شاہ نصیر کی تقلید کے باوجود ان کا اپنا رنگ برقرار رہتا ہے اور کسی جگہ بھی ان کا کلام جذبات سے عاری نہیں ہونے پاتا۔ ان کے کلام کی تاثیر مشکل سے مشکل ذہن میں باقی رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مسلمہ طور پر شاہ نصیر سے بہتر شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ شاہ نصیر کی تقلید سے ظفر کو جہاں یہ فائدہ ہوا کہ وہ ایک مشاق شاعر ہو گئے اور فن پر انہیں پورا عبور حاصل ہو گیا۔ وہاں یہ نقصان بھی ہوا کہ وہ شاعری کا کمال شاہ نصیر کی طرح ذہنی ورزش کو سمجھنے لگے یہ بات ان کے کلیات کے سرسری مطالعہ سے پوری طرح واضح ہو جاتی ہے ظفر کے یہاں جذبات کی کمی نہیں مگر نصیر کی تقلید نے ان کے کلام کی تاثیر کو بہت گھٹا دیا ہے۔ اور اسی اعتبار سے ان کے شاعرانہ مرتبہ میں کمی واقع ہوئی ہے۔ شاہ نصیر کے بعد چند روز کاظم حسین بےقرار کو انھوں نے اپنا کلام دکھایا۔ پھر ذوق استاد مقرر ہوئے اور اس کے بعد مرزا غالب کو

یہ اعزاز ملا۔ بحموعی طور پر ذوق کا دور استادی سب سے طویل ہے۔ ذوق خود شاہ نصیر کے شاگرد تھے اور بہت حد تک اس کی طرز مقلد بھی چنانچہ ذوق کے اثر سے ظفر کا رنگ سخن تبدیل ہونے کی بجائے اور پختہ ہوگیا۔

ظفر نے ایک ضخیم کلیات یادگار چھوڑا جو چار جلدوں میں متعدد بار شائع ہوا مگر اب کامیاب ہے ان چار جلدوں ہیں اشعار کی تعداد کو دیکھا جائے تو مصحفی کے عوا کوئی دوسرا اردو شاعر اب سے بازی نہ لے جاسکے ضخامت کے اعتبار سے شاید ہی کوئی دیوان ان کے کلیات پر بھاری ہو مگر ظفر کے کلیات کا بھی وہی حشر ہوا جو مصحفی کا ہوا۔ اتنے بڑے کلیات کو پڑھ کر اچھے اشعار کا پتا لگانا خاصا دقت طلب کام ہے اب کی شاعرانہ عظمت کے پوری طرح سے نا پہچانے جانے کی وجوہات میں ایک یہ بھی ہے۔ پھر اکثر تذکرہ نگاروں نے ظفر کے سلسلے میں ایک عجیب طرح کی بے اعتنائی برتی ہے۔ اسکی وجہ غالبًا یہ ہے ۱۸۵۷ء کے حادثہ کے بعد لوگ بادشاہ سے کسی بھی طرح کا اظہار کرتے ڈرتے تھے۔ بہر حال اس کا نتیجہ یہ ہوا کے بعد کے لکھنے والے بھی نظر انداز ہی کرتے رہے۔ حد ہے ہے کہ رام بابو سکسینہ کی ''تاریخ ادب اردو'' بھی جس کو اردو شعر و ادب کی دمع تاریخ سمجھا جاتا ہے ظفر کے ذکر سے خالی ہے۔ مثل مشہور ہے ''مرے کو مارے شاہ مدار'' مولانا محمد حسین ظفر کے لیے شاہ مدار ثابت ہوا انھوں نے ظفر کو نظر انداز کرنے پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ اس غریب کا کلیات ہی ذوق کے جاگیر کرار دے دیا چنانچہ فرماتے ہیں:۔

''بادشاہ کے چار دیوان میں پہلے میں کچھ غزلیں شاہ نصیر کی اصلاحی ہیں، کچھ میر کاظم حسین بیقرار کی ہیں۔ غرض پہلا دیوان نصف سے زیادہ اور باقی تین دیوان سراپا حضرت مرحوم (ذوق) کے ہیں۔ مسودہ کچھ خاص میں کوئی شعر پورا، کئی ڈنڈ مصرع، کوئی ایک، کوئی آدھا مصرع فقط بحر اور ردیف قافیہ معلوم ہو جاتا تھا، باقی بخیر۔ یہ ان ہڈیوں پر گوشت پوست چڑھا کر حسن و عشق کی پتلیاں بنا دیتے تھے۔''

مولانا آزاد کا فارملا سر آنکھوں پر مگر استاد ذوق کے اپنے کلام میں بھی تو حسن و عشق کی پتلیاں نظر آئیں۔ مولانا حالی جیسے محتاط بزرگ بھی یادگار غالب میں فرما گئے ہیں:

''ناصر حسین مرزا کہتے تھے کہ ایک دن میں اور مرزا صاحب دیوان عام میں بیٹھے تھے کہ چوبدار آیا اور کہا کہ حضور نے غزلیں مانگی ہیں، مرزا نے کہا کہ ''ذرا ٹھہر جاؤ اور اپنے آدمی سے کہا کہ پالکی میں کچھ کاغذ رومال میں بندھے ہوئے رکھے ہیں لے آو۔ وہ فورا لے آیا۔ مرزا نے اس کو کھولا تو اس میں سے آٹھ نو پرچے جن پر ایک ایک دو دو مصرع لکھا ہوا نکالے اور اسی وقت قلم دوات منگا کر ان مصرعوں پر غزلیں لکھنی شروع کیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے آٹھ نو غزلیں تمام و کمال چوبدار کے حوالے کیں۔''

حالی مرحوم کے اس بیان کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کیونکہ مرزا غالب اور ظفر کے رنگ سخن میں بعد المشرقین ہے اور ظفر کے کلیات میں دو چار شعر بھی ایسے نہیں ملتے دن میں غالب کے رنگ کی ہلکی سی جھلک بھی نظر آتی ہو۔ پھر غالب کے حالات اور ان کے خطوط ہمارے ہیں۔ وہ یقینا بہت بڑے شاعر تھے، مگر ان کی ذود گوئی محل نظر ہے۔

حالی کے بیان کی اتنی اہمیت ضرور ہے کہ مولانا آزاد کے اس دعوے کی تائید ہو جاتی ہے کہ ظفر خود شاعر نہ تھے چنانچہ اکثر لوگوں نے ظفر کے کلام کو ذوق ہی کا کارنامہ سمجھ لیا اور یہ غور کرنے کی بھی زحمت نہ کی کہ ذوق و ظفر میں کیا فرق ہے؟ اور کیا یہ ممکن بھی ہے کہ ایک شخص مختلف انداز کی شاعری اتنی کامیابی سے کرے کہ دو الگ ذہنوں میں تفریق نظر آئے۔ اس غلط فہمی نے جو مولانا آزاد کی پیدا کردہ ہے ظفر کی شہرت کو بہت نقصان پہنچایا ہے جب ان کا کلام ہی ذوق کی تخلیق تھا تو وہ شاعر کیوں سمجھے جاتے۔ پھر اگر دوسرے تذکرہ نگار انھیں نظر انداز نہ کرتے تو کیا کرتے؟۔

ذوق اور ظفر کے کلام کا مقابلہ کیا جائے تو ان میں کئی باتیں مشترک نظر آتی ہیں دونوں کے یہاں ذور استادی اور پختگی کلام کی شان نظر آتی ہو دونوں زبان اور محاورے کے استعمال میں امتیازی حیثیت کے مالک ہیں۔ دونوں کے کلام میں صنائع بدائع اور رعایات لفظی و معنوی کی بہتات ہے مگر یہ باتیں دونوں میں شاہ نصیر کے اثر سے ہیں۔ کچھ باتیں ایسی بھی ہیں جو ظفر میں ذوق سے زیادہ ہیں۔ مثلاً یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ زبان اور محاورے کے معاملے میں ظفر کو ذوق پر فوقیت حاصل ہے۔ دونوں کے یہاں شاہ نصیر کی طرح سنگلاخ زمینیں ملتی ہیں مگر ظفر کو قافیہ اور ردیف کو نبھانے پر جو قدرت حاصل ہے وہ ذوق کو میسر نہیں۔ مضمون آفرینی کے معاملہ میں ذوق کا کلام اکثر کوہ کندن و کاہ برآوردن کے مصداق ہو جاتا ہے مگر ظفر کا حال نہیں وہ سنگلاخ سے سنگلاخ زمین میں اچھا شعر نکال لیتے ہیں اور ذوق کا دیوان پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں وہ ظفر کے ہم سر نہیں ہیں۔ دونوں کے چند اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ کیجیے:

ذوق

کیا غمزہ ترا بر سر بیداد غضب ہے — جلاد فلک سے بھی یہ جلاد غضب ہے
نکلے ہے سدا کوہ سے ہم آتش و ہم آب — کیا سوز و گداز دل فرہاد غضب ہے

زخم دل پر میرے کیوں مرہم کا استعمال ہے — مشک اگر مہنگا ہے تو کیا لون کا بھی کال ہے
وادیٔ وحشت میں بھی جا کر نہ دل اپنا کھلا — پنجۂ مژگان آہو شیر کا چنگال ہے

کس کے موشانے میں اے دست ہوس ٹوٹ گئے — تیرہ بختوں کے وہاں تار نفس ٹوٹ گئے
رونگٹے یار کے پشت لب شیریں پہ نہیں — شہد پر بیٹھ کے ہیں پائے مگس ٹوٹ گئے

ہم اول ہی سے خود کو نابود سمجھے — کر بانگ ولادت کو مولود سمجھے
ہو نالہ جب دود آلود سمجھے — کر تھے عشق علوائے بے دود سمجھے
تری بانگ کی تیغ کا ہو جو زخمی — ہر اک زخم دل کو نمک سود سمجھے

ہنگام بوسہ گرم جو وہ اک ذری ہوئے شکر تو تھے سے پسینہ تری ہوئے
جل جائے خاک وحشی چشم تباں پہ گھاس لیکن ہرن کھری نہ رہے بن ہری ہوئے

نہ کھینچو عاشق تشنہ جگر کے تیر پہلو سے نکالے پر ہے مثل ماہی تصویر پہلو سے
دل سیپارہ کو لے ناوک تحریروں میں ابکل کے نہ سرکار یہ حائل اے بت بے پیر پہلو سے

دکھلا نہ کمال ناف تو اے گلبدن مجھے ہر لالہ ہے نافہ مشک ختن مجھے
ہے تسی میں ریشہ ہائے نئے مخشک استخواں کیوں کھینچتا ہے کانٹوں میں اے ضعف تن مجھے

خسرو سے تیشہ بولا جو چاؤں نہ تیرا خوں
شیریں نہ ہو وے خون سر کوہ کن مجھے

ذوق کے یہ اشعار دیکھ کر ان کی نفاست طبع پر بھی شک ہونے لگتا ہے بہر حال اب ظفر ایسی ہی زمینوں میں ظفر کے اشعار دیکھئے:

میری نگاہ جو بت بے پیر پھر گئی قسمت مری الٹ گئی تقدیر پھر گئی
ہم مر گئے تو مل گئے صبا و نسیم سے خاک اس گلی میں اپنی بتدبیر پھر گئی
دیکھا جو کل اک عاشق و معشوق کو بہم اپنی نظر میں بس تیری تصویر پھر گئی
قاتل ترا جو ہاتھ رکا میرے قتل سے ہو کر قضا بھی میرے گلو گیر پھر گئی
خط کا مرے خواب نہ اس نے لکھا ظفر کیا سرنوشت کی مرے تحریر پھر گئی

کہیں گلے کو مرے خنجر ستم سے گلہ اٹک رہا ہے یہ دم کیوں مجھے ہر دم سے گلہ

ہزار رنج والے ہوں تری محبت میں نہ مجھ کو رنج سے شکوہ نہ ہے الم سے گلہ
کیا ہے میں نے یہ وحشت میں دشت کو پامال کہ خار خار ہے اب مرے قدم سے گلہ
برنگ شمع دلے سر سے پاؤں تک لیکن زبان پہ لائے نہ ہم اپنے سوز غم کا گلہ

دل پر بناکے زلف گرہ گیر ڈال دی تو نے مصیبت اے مری تقدیر ڈال دی
جب روبرو وہ آکے تو پاکے نگہ میں موج سر شک چشم نے زنجیر ڈال دی
لکھا جو ہم نے ہوش پراگندگی کا حال گردن قلم نے بھی دم تحریر ڈال دی
کیونکر اثر نہ ہو دل عالم میں اے ظفر تیرے سخن میں عشق نے تاثیر ڈال دی

عیش سے گوری کہ ہم کے ساتھ اچھی بن گئے جنگی دو اس صنم کے ساتھ اچھی بن گئے
ہم کو تھا منظور اپنی خاکساری کا نباہ بارے اس نقش قدم کے ساتھ اچھی بن گئے
برے گل کیا رو کے کرتی گل نے رہ کر کیا کیا وہ نسیم صبحدم کے ساتھ اچھی بن گئے

گئے دیوانے نکل مثل صدائے زنجیر قید خانوں کے یونہی رہ گئے در بند کے بند

مفلس کے ہوش لیا ریس اس کے عقل کو اے چرخ تو نے باعث افلاس کھو دیا

ایسے دیوانے ٹھہرتے ہیں کہیں زنداں میں پاؤں پڑتی ہے مرے آن کے زنجیر عبث

اس دماغی ورزش یا استادانہ قسم کی شاعری میں بھی ظفر روح شاعری کو برقرار رکھنے پر قادر ہیں۔ ان کی کوئی غزل ایسی نہیں جس میں دو شعر دل کش اور پر تاثیر نہ ہوں برخلاف اس کے ذوق کی غزلیں عموماً سپاٹ ہیں اور ان میں سوائے استادی کے کوئے اور خوبی نظر نہیں آتی ظفر اور ذوق میں ایک اور فرق یہ ہے کہ ذوق کے یہاں شکوہ الفاظ ہے اور ظفر کے ہاں دھیما پن اور لہجے کی گھلاوٹ ہے۔

اب تک ہم ظفر اور ذوق کی شاعری کے ان عناصر سے بحث کر رہے تھے جن کا شعر کی روح کے ساتھ کوئے خاص تعلق نہیں ہے غزل کی شاعری مخصوصاً واردات قلب کی شاعری ہے حسن وعشق کے معاملات اور ہجر و وصال کی واردات تک ہے یہ محدود نہ صحیح مگر یہ آپ بیتی ضرور ہے اس لیے اگر اس جگہ جگ بیتی بھی بیان کی جاتی ہے تو آپ بیتی کا گمان ہوتا ہے یہاں ذاتی غزل سے بحث مقصود نہیں صرف یہ کہ غزل کے موضوعات اگرچہ محدود نہیں مگر اس میں مضامین ایک خاص انداز سے نظم کیے جاتے ہیں اور اچھی غزل کے اشعار میں سوز و گداز، تاثیر اور غزل کے دوسرے اوصاف کا ہونا ضروری ہے اس نظر سے ہم ذوق اور ظفر کے کلام کو دیکھیں تو ظفر ذوق سے بہت بڑے غزل گو نظر آتے ہیں ذوق کا دیوان مولانا آزاد کا مرتب کیا ہوا ہر جگہ ملتا ہے اس کے مطالعے سے پہلی ہے نظر میں جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ کہ بقول علامہ جوش ذریجیب آبادی کے ان کا کلام ہر طرح کے جذبات سے یکسر عاری ہے صد وق کا بیشتر کلام بقول مولانا آزاد ہنگامہ غدر میں ضائع ہو گیا مگر ان کا موجودہ دیوان بھی یہ بات واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ اگر ان کا پورا دیوان موجود بھی ہوتا تب بھی ان کے شاعرانہ مرتبے میں اضافہ نہ ہو سکتا ان کا کلام سوز و گداز اور اثر سے اس طرح خالی ہے کہ بعض اوقات یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ شاید ان کے پہلو میں دل تھا ہی نہیں۔ بہر حال تمام تر استادی کے باوجود ہم انہیں اچھا غزل گو قرار نہیں دے سکتے ایک عرصے تک غالب اور مومن کے زمانے کا تیسرا بڑا شاعر ذوق سمجھا جاتا رہا ہے اگر لوگ ظفر کے کلام کا پوری طرح مطالعہ کرتے تو شاید وہ اس نتیجہ پر پہنچتے کہ اس دور کے تیسرے بڑے شاعر ذوق نہیں ظفر ہیں شاید مولانا آزاد کو اس بات کا احساس تھا اسی لیے انھوں نے اپنے استاد کی استادی برقرار رکھنے کے لیے ظفر کا کلام ان کے نام لکھ دیا تھا۔

ظفر کی قادر الکلامی مسلم ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ان کی غزلوں میں اچھی غزل کے تمام لوازم موجود ہیں ان کی شاعری سوز و گداز اور تاثیر سے پر ہے شاہ نصیر کی تقلید کے باوجود ان کی رنگ طبیعت نہیں چھپتا۔ ان کی زندگی رنج و الم، یاس و بے بسی کا مجموعہ تھی ان کی شاعری اسی کا آئنہ ہے۔ ان کے کلیات میں اگر تلاش کیا جائے تو میر کے تیر و نشتر قسم کے اشعار بھی ملتے ہیں ان کی وہ غزلیں جو آسان زمینوں میں ہیں، انداز بیاں کی سادگی لہجے کی گھلاوٹ اور جذبات کے لحاظ سے اردو کی بہترین غزلوں میں شمار ہونے کے لائق ہیں اور یہاں ذوق ان کی گرد کو بھی نہیں پہنچتے۔

ظفر کا کلیات اپ کے ہاتھ میں ہے اس لیے مثالیں پیش کرنے کی ضرورت نہیں اس کا سرسری مطالعہ بھی یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ غالب اور مومن کے دور میں تیسرا غزل گو صرف ظفر ہی ہے ذوق کا شاعرانہ مرتبہ اس سے بہت کم ہے۔

تیرے تیر نگاہ سے ظالم دل بچے کیا بچا نہیں جاتا
آگیا جب زبان پہ نام ترا پھر زبان سے مزا نہیں جاتا
سوے آب بقا نہیں جاتا سوے آب □تا نہیں جاتا
تیرے بیمار غم کے پاس آکر کون سنبھالا ذرا نہیں جاتا
جب کہ ہوتا ہے دل مرا بے تاب کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا
محو حیرت صورت تصویر ان کا ہرز نشا نہیں جاتا
بادہ عشق سے جو ہیں مخمور

مطلع ثانی

سرے نالوں سے پتھر موم ہے سا زیں ہوتا ‫ — ‬ مگر دل میں اثر نہیں ہوتا نہیں ہوتا
کہاں جاسکتا چھپ کر مجھ سے ظالم تو جہاں جاتا ‫ — ‬ برنگ سایا پیچھے پیچھے تیرے میں نہیں ہو
تری دوری میں کیا کیا سوجھتی ہے دوری مجھکو ‫ — ‬ عیاں ہے حال مجھ پہ دور کا بے دور میں ہو تا
ترے مضمون خال لب کے آگے ماننا چین وہ ‫ — ‬ تیری محفل میں گر کیسا ہی کوئی نکتہ چیں ہوتا
دکھاتا کان کا بالا جو تو رخسار پر اپنے ‫ — ‬ ترے حلقہ بگوشی میں مہ ہالہ نشین ہوتا
ہمارے پیچ وتاب دل کی بیتا ثیر تو دیکھو ‫ — ‬ کہ مجھ کو دیکھ کر ہے اور وہ چیں بر جبیں ہوتا
لپٹتا اے ظفر اس کو نہ دود آہ گر میرا ‫ — ‬ تو کا ہے کو کھڑا یہ خیمہ چرخ بریں ہوتا

دیگر

بلا سے گر نہوا دل کا داغ گل نہوا ‫ — ‬ پہ اپنے گھر کا یہ روشن چراغ گل نہوا
چمن میں قصد کیا مے کشی کا کب تو نے ‫ — ‬ کہ لے کے سامنے حاضر ایاغ گل نہوا
کیا ہزار شگفتہ بہار نے لیکن ‫ — ‬ خزاں کے ڈر سے کبھی بافراغ گل نہوا
نہ ٹپکے خار پا مجنوں کے پانو نے نا خون ‫ — ‬ نموداک سرد امان راغ گل د ماغ گل نہوا
گیا جو تو تو مقابل تری نزاکت کے ‫ — ‬ چمن میں اسے بت نازک د ماغ گل نہوا
بہار آئی مگر جب تلک نہ تو آیا ‫ — ‬ چمن میں رشک چمن میں باغ باغ گل نہ ہوا
غش اسپہ میں ہوں نہ غیر اسے ظفر کہ جو بلبل ‫ — ‬ بہار میں کبھی مرغوب زاغ گل نہوا

دیگر

کوئی صنم اسے سمجھا کوئی خدا سمجھا ۔۔۔ نہ سمجھے ہم کو کہ وہ کیا سمجھا اور یہ کیا سمجھا
نہ آیا دل کی سمجھ میں کہ بار غم ہے گراں ۔۔۔ جا گرچہ میں نے دیا اس کو بار ہا سمجھا
چڑھا جو اشک کا دریا مرے تو ایک جہاں ۔۔۔ فلک کے نیچے کو پانی کا بلبلا سمجھا
بنایا رپہ ہے کیوں تو نے ال کا جل کا ۔۔۔ یہ نکتہ میں نہیں اے شوق مہ لقا سمجھا
نہ سمجھے سینہ کو کیوں عرصہ گاہ محشر وہ ۔۔۔ جو دل کے داغ کو خورشید حشر کا سمجھا
غم جدائی میں موت اس کو عین صحت ہے ۔۔۔ مریض ہجر ترا زہر کش دوا سمجھا
ہمیشہ کیوں تری آنکھوں سے اشک جاری ہیں ۔۔۔ ظفر ہمیں بھی ذرا یہ تو ماجرا سمجھا
اے ستمگر کس نے ایسا تجھکو نٹ کھٹ کردیا ۔۔۔ ان فریبوں نے ترے عالم کو قتل کردیا
صبح گل اس کا کھلا تو نے جو ہمکو دیکھ کر ۔۔۔ رات کو اپنے چراغ خانہ گل جھٹ کردیا
کرتے ہیں پانی کی آمیزش شراب تند میں ۔۔۔ خون دل سے آنسوؤں کو ہم نے غٹ پٹ کردیا
کھل گئیں یکبارگی آنکھیں سی مہر وماہ کے ۔۔۔ جبکہ اپنے منہ سے تو نے دور گھونگھٹ کردیا
جو ترے کوچہ میں سویا خاک پر آرام سے ۔۔۔ ترک اس نے جھپنے سونے کا چھپر کھت کردیا
یہ تو لٹکا خوب سیکھے ہو جسے چاہا اسے ۔۔۔ تم نے سودائی رکھا کر زلف کی کردیا
اشک کے قطرے لئے جاتی ہیں بھر بھر کر سبو ۔۔۔ جوش گریا نے میری آنکھوں کو پنگھٹ کردیا
فقیری سے صفا کر اس سے کیا حاصل اگر ۔۔۔ تو نے داڑھی کو بڑھلایا صفا چٹ کردیا
ہوتا چرچا محبت کا لگاوٹ سے ظفر ۔۔۔ ہم نے رسوا آپ کو وہاں بےلگاوٹ کردیا

تیری گلی سے عاشق زار اٹھ کر رہ گیا ۔۔۔ اٹھا تھا نہ تو اں وسا غبار اٹھ کے رہ گیا
دیتا میں اک جہاں کو بہا سیل اشک ۔۔۔ پر دل میں میرے جوش سا یار اٹھ کے رہ گیا
گنبد بنا نہ گور پہ مجنوں کے دشت میں ۔۔۔ آکثر پر بگولہ اٹھ کے دہ کے رہ
رخ سے اٹھا کے زلف جو پھر سے چھوڑ دی ۔۔۔ دل پر سے وہ شب تار اٹھ کے رہ گیا
گر کر سنبھل سکا نہ ترا زخمی نگاہ ۔۔۔ دیکھا یہ تیر خوردہ شکار اٹھ کے رہ گیا
رکھ ہاتھ سے جام وصراحی اٹھا کے تو ۔۔۔ ساقی بلا سے ابر بہار اٹھ کے رہ گیا
بھڑکی ہے بےطرح یہ ظفر آج دل کی آگ ۔۔۔ آگے تو شعلہ سا کئی بار اٹھ کے رہ گیا

دیگر

شعلہ خو راک بات تو میری نہ آ کر گیا ۔۔۔ تیری باتوں سے کلیجا جل گیا دل بھن گیا

مطلع ثانی

آ کے پروانہ ہی کیا اس بزم میں چل بھن گیا
شمع بھی یہاں دو گئی شعلہ بھی یہاں سرد ھن گیا

گر حیا بھی کوئی دن مفتوں تمہاری چشم کا
بن کے آہو کی طرح وحشی وہ شہ تنکے چن گیا

چاہا اس در پہ او ردھونی لگا کر بیٹھے
جو گیا دل سوختہ وہاں باندھ کد یہ دھن گیا

نام جس کا رہ گیا کچھ اس کا گن باقی رہا
ورنہ جو یاں سے گیا ساتھ اس کے اس کا گیا

میں صبا وہ طائر طاقت اس گلشن میں ہوں
ایک پر جس کا نہ ازگرتا سر گلبن گیا

ہاتھ اٹھایا سینا سے نہ میں نے عشق میں
اے جنوں جب تک نہ میرا ٹوٹ ہر ناخن گیا

واسطے بے غیر کے کیا خاک ہو نشو ونما
سبز ہو سکتا نہیں وہ جو کہ دانہ گھن گیا

جاگ خواب عدم سے ایک بیک سارا جہاں
کان میں جس دم ظفر خالق کا امر کن ہو گیا

دیگر

گر فلک تک یہ ہمارا نالہ دل جائے گا
کنگرہ عرش معلیٰ کا بھی ہل جائے گا

غم نہیں جائے گا تیرا جب تلک ہے دم میں دم
دم کے ساتھ آیا ہے یا ور دم کے شامل جائے گا

رشک گلزار ارم ہو جائے گا کوچہ ترا
چشم پر خوں لے کر جب یہ تیرا مائل جائے گا

ہو گئے ہیں ساتھ جو تیرے یہیں تک میں وہ ساتھ
آیا یاں تنہا ہے تو تنہا ہی غافل جاوے گا

گوہر دندان پہ تیرے ہو نگے جب انجم نثار
عارض روشن کے صدقے ماہ کامل جائے گا

اٹھ کے جائے گا تری محفل سے جو اے شعلہ جو
چشم تر ہی وہ مثال شمع محفل جائے گا

جائے گا دم میں دلربا تک پیک خیالیٔ
ورنہ جو جائے گا وہ منزل بمنزل جائے گا

میں چمن میں بھی رہونگا دل گرفتہ اے صبا
دل نہیں ہے میرا وہ غنچہ کہ جو کھل جائے گا

جان شیریں جائے گی اپنی مثال کوہکن
پر نہ تیرا شوق اے شیریں شمائل جائے گا

تیرے کوچہ سے کہاں جائے گا تیرا خاکسار
مثل نقش پا وہیں یہ خاک میں مل جائے گا

ہو ویگی اس روز برپا کیا قیامت اے ظفر
خاک پر جس دن شہیدوں کے وہ قاتل جائے گا

غلط ہے جو کہے یہ چپکے رہنا کچھ نہیں اچھا
نہ کہنے میں مزا ہے منہ سے کہنا کچھ نہیں اچھا

جنہوں سے دوستی کی وہ ہماری ہو گئے دشمن
قصورا نکا نہیں ہے اپنا لہنا کچھ نہیں اچھا

ستم اس یار کا سہنے پہ سہنا اے دل اچھا ہے
ولیکن بات کا غیروں کے سہنا کچھ نہیں اچھا

محبت کی پڑیں گر بیڑیاں پاؤں میں زیبا ہے
نہ کہنا چاہے ہرگز یہ کہنا کچھ نہیں اچھا

جہاں تک رک سکے اس گریہ کا ہے روکنا اچھا
ہمیشہ اشک کا آنکھوں سے بہنا کچھ نہیں اچھا

خط شبرنگ تیرا خوشنما ہے تیرے عارض پر
وگرنہ چاند کا عالم میں گہنا کچھ نہیں اچھا

مثل بیا ے ظفر ہے نکلی ہونٹوں اور چڑھی کوٹھوں
نہیں کہنے کی جو بات اس کا کہنا کچھ نہیں اچھا

دیگر

جال س زلف نے ایسا کسی ڈھب کا مارا
ہو گیا دل یہ گرفتار غضب کا مارا

پھر گیا منہ عقبےٰ سے کہ جب دنیا نے
اک طپانچہ ہوس عیش و طرب کا مارا

دل پہ مارا تھا کبھی جوڑے نے تیرے مکا
یاد اب تک ہے وہ مکا مجھے جو مارا

وہ مئے عیش سے سرخوش ہیں بلا سے ان کے
کوئی مرتا ہے اگر رنج و تعصب کا مارا

توڑ کر آئینہ دل کو مرے وہ شہ حسن
یوں جو خوشنود ہے کیا شہر حلب کا مارا

دل مرا لے کے مکرنے لگے معلوم ہوا
مال اسی طرح سے ہے آپ نے سب کا مارا

دل نے کی مصحف رخ سے ترے کے بے ادبی
کہ تری زلف نے کوڑا نہ ادب کا مارا

لب عیسیٰ سے نہ ہرگز ہو طلب کار دعا
اے ستمگار ترے جنبش لب کا مارا

بیٹھے آرام سے کیا کنج قناعت میں حریص
اے ظفر ا پھرتا ہے دنیا کی طلب کا مارا

کیونکہ دل ماہ جبیں مجھ سے تمہارا ملتا
کہ نہیں آپ کا اور میرا ستارا ملتا

تیری صورت سے ملا کر مہ کنعاں کی شبیہ
دیکھا کچھ فرق نہیں نقشہ ہے سارا ملتا

لے کے دل پھیر دیا تم نے نہ مانگو اب دل
لے کے یکبار نہیں پھر یہ دوبارہ ملتا

یوں ہوئی عید تو کیا عید تو وہاں جب ہوتی
کہ گلے میرے وہ آ کر مرا پیارا ملتا

مجھ کو وہ زلف معنبری سنگھا دے اپنی
نہ ملے گر وہ نہیں عنبر سارا ملتا

ڈھونڈ ھ کر تیری کمر کو ہوئے ہم ایسے گم
مثل عنقا نہیں اب کھوج ہمارا ملتا

دست و پا میں جو لگاتے ہو تم اپنے مہندی
کیا نہیں خون کسی راشق کا نگارا ملتا

ہوتے ہیں پیدا وہاں مار بجائے سنبل
ہے جہاں خاک میں اس نام کلمارا ملتا

دوت و پا مارتے ہیں گرچہ ظفر ہم لیکن
نہیں دریائے محبت کا کنارا ملتا

ہوگا کیا دشمن اگر سارا جہاں ہو جائے گا
جبکہ وہ ہمبہر ہم پر مہربان ہو جائے گا

گر ہوا اس آہ سوزاں کا کوئی شعلہ بلند
دیکھ لینا خاک جلع کر آسمان ہو جاوے گا

اے پری رواپنی صورت تو دکھائے گا جسے
صاف وے حیرت زرہ آئینہ ساں ہو جائے گا

وہ جو دل میں لگ رہی ہے آگ بجھنے کی نہیں
چشم تر سے گر چہ اک دریا رواں ہو جائے گا

دیکھتا اس چاند کے ٹکڑے کو کیونکر جانتا
ٹکڑے ٹکڑے دل مرا مثل کتاں ہو جاوے گا

اے جنوں تیری بدولت نام میرا آخرش
دشت میں ہر خار کے درد زبان ہو جائے گا

باز آ اس خونفشانی سے کہیں اے چشم تر
دیکھ میرا راز دل سب پر عیاں ہو جائے گا

اے تغافل کیش کی تو نے اگر آنے میں دیر
کام آخر تیرے عشق کا یہاں ہو جائے گا

کرتے ہیں دعوی محبت کا جو اس سفاک کے
اے ظفر اک روز ان کا امتحان ہو جائے گا

دیگر

ہمارا انکا جو دم مقالا پڑتا
نہیں کلام کا غیروں کو حوصلا پڑتا

فراق یار میں ہووےگی زندگی کیونکر
کہ پیچھے جان کے یہ غم تو ہے بلا پڑتا

یہ سوز دل سے میرا اشک گرم ہے کہ جہاں
بدن پہ گرتا ہے واں ایک ابلا پڑتا

سناتے نالہ پر درد ہم اگر اپنا
تو بلبلو ابھی صیاد بلبلا پڑتا

نصیب ہوتے بھلے اپنے گر محبت میں
تو ہر معاملہ سے کیوں معاملہ پڑتا

اسیر زلف ترا ہے یہ قید سے مانوس
کہ چین ہے نہیں بے طوق وسلسلہ پڑتا

بلا سے تیری جو الجھے وہ زلف شانہ سے
تو اس کے پیچ میں ہے کس لئے دلا پڑتا

رفیق راہ محبت کدھر گئے یا رب
کہیں نظر ہی نہیں اب وہ قافلہ پڑتا

سنا ہے جیسے کہ آتا ہے کوئی رشک بہار
ہر تنگ غنچہ ہے دل اے ظفر کھلا پڑتا

دیگر

ہم نے حال اس سے دل زار کا کہ کیوں نہ دیا
ماجرا دیدہ خونبار کا کہ کیوں نہ دیا

یہاں کے آنے سے جو انکار کیا آپ نے رات
تھا جو پیار سے سبب انکار کا کہ کیوں نہ دیا

جو کہ پیغام زبانی تھا وہ تو نے قاصد
دیکھے خط ان کو خطا وار کا کہ کیوں نہ دیا

کہا یاروں نے مجھے تیغ اہل کا کشتہ
مارا اس ابرو خمدار کا کہ کیوں نہ دیا

گئے تھے حضرت دل حال تم اپنا کہنے
ڈر نہ تھا تم کو اگر یار کا کہ کیوں نہ دیا

پوچھا اس نے مرے غموار سے میرا احوال
ہو برا اس مرے غمخوار کا کہ کیوں نہ دیا

سو جھتے تم کو ظفر لاکھوں مضامین رنگین
وصف اس کے گل رخسار کا کیوں نہ دیا

کنارہ کش جو تو اے پرغرور ہم سے ہوا
جتائی ہم نے محبت قصور ہم سے بڑا

ہزاروں دل میں تھے مطلب ہمارے پر منہ سے
یہاں نہ ایک بھی ان کے حضور ہم سے ہوا

کیا نشہ نے محبت کی اس قدر مسرور
تمام عمر نہ زائل سرور ہم سے ہوا

کرے ہے منع جو تو ہم کو عشق سے ناصح
یہ کام ترک کب اے بے شعور ہم سے ہوا

بہشت بھی ہمیں ہو گی جہنم اے سائل
بجز پیالہ نہ وہ رشک حور ہم سے ہوا

ہم اس سے آپ رہے دور اپنی غفلت میں
جدا ہمارا دل نا صبور ہم سے ہوا

وہ اے ظفر نہ کسی وقت دور ہم سے ہوا

دیگر

ساقی ہے نشہ آنکھوں معمولی سے ہلکا
نظروں میں ہے اب رطل گران پھول سے ہلکا

ہر بات میں تو ایک بھی ہے لاکھ سے بھاری
گر بات کو اپنے نکرے طول سے ہلکا

ہے جامہ تکلف کا پسندیدہ احمق
ہو گا نہ گدھا یہ کبھی اس جھول سے ہلکا

اچھا کیا سر تو نے مرے تن سے اتارا
اب کوئی نہیں اس ترے مقتول سے ہلکا

جز تارک دنیا ہو ہوس سے نے سبکدوش
یہ بوجھ نہ دنیا کے ہو مشغول سے ہلکا

صرفہ نہیں کاغذ کا مگر بھیجتے ہیں وہ
خط ڈاک میں اندیشہ محصول سے ہلکا

دنیا میں ظفر جو ہے گرانبار جہالت
کب ہوتا ہے وہ مردم معقول سے ہلکا

دیگر

وہ تنہا آئے تھے گر کچھ قابو رات پڑ جاتا
بلا سے کچھ ہی ہوتا لیکن ان پر ہاتھ پڑ جاتا

اگر ہم روکتے یارو نہ اپنی اشکباری کو
جہاں میں تہلکہ یہ دیکھ کر برسات پڑ جاتا

عدو کرتا بھلا اوستادگی کیا سامنے میرے
اگر پڑ جاتی اسپر ایک میری لات پڑ جاتا

بچانا جان کا ہوتا ہے مشکل غم کے ہاتھوں نے
جب اے دل جان کے پیچھے ہے یہ بدذات پڑ جاتا

عدو سے کچھ کہا اور مجھ سے آکر کچھ کہا تو نے
جو اس مردار کے پالے یہ جوش اوقات پڑ جاتا

مزے کیا کیا چکھاتی دیکھتے زر
یہ لپکا تجکو کیسا ہے ظفر ہیہات پڑ جاتا

وہ ہم ہو بلا سے تو چھیڑے زلف کیا ممکن

جز بادہ ہمیں بادہ پرستی میں نہ سوجھا
کچھ سود و ضرر عالم ہستی میں نہ سوجھا

جا بیٹھا ہے صحرا میں عبث شہر سے زاہد
کیا سوجھے گا جنگل میں جو بستی میں نہ سوجھا

پستی میں جو دیکھا وہ بلندی میں نے دیکھا
سوجھا جو بلندی میں وہ پستی میں نہ سوجھا

اللہ رے ستمگر وترے چین دوا رو
جو ہر یہ کسی تیغ دودستی مین نہ سوجھا

نرگس کی روشن آنکھ ظفر ہم نے جو کھولی
اس گل کے سوا گلشن ہستی میں نہ سوجھا

جہان پہلے تھے ہم اب وہ مکاں پایا نہیں جاتا
اگر ڈھونڈھیں نشاں اس کا پایا نہیں جاتا

خیال اپنا فلک پر جا چڑھا کیونکر خدا جانے
یہ ہے وہ بام جس کا زرباں پایا نہیں جاتا

جہاں سے خوب وہی ہے جہاں ہمکو سدا رہنا
مگر یاں وہ جہاں جاوداں پایا نہیں جاتا

پھرے بھٹکا نہ کیونکر طائر دل بہر آسائش
کہ اس باغ جہان میں آشیان پایا نہیں جاتا

شرارہ نالہ دل سے ستاروں کی ہے یہ کثرت
کہ تل دھرنے کو خالی آسماں پایا نہیں جاتا

پھر سر مارتا رل کیوں نہ کوئی زلف میں تیرے
کہ ہے ظلمات میں رہتا نہاں پایا نہیں جاتا

کہو گے حال دل اپنا ظفر کیا مہ جبینوں سے
کہ ان کا تو دماغ اے مہربان پایا نہیں جاتا

کھا کھا کے تیر غم یہ میرا حال ہو گیا
سینہ تمام سینہ غربال ہو گیا

زلفوں کو اس نے ہاتھ لگانے دیا ہمیں
کچھ دستگیر اپنا جو اقبال ہو گیا

کوئی درخت زلف کی کشتہ کے خاک سے
پیدا ہوا نہ ایک مگر بال ہو گیا

جانے کا دل کے غم ہے نہیں اور غم مجھے
غارت بلا سے گر چہ زر و سامان ہو گیا

رنگ شفق نہیں ہے کسی پر مگر فلک
گرم غضب ہوا ہے جو منہ گال ہو گیا

عاشق نہیں ہے کسی پر فلک
آخر کو رفتہ رفتہ وہ پامال ہو گیا

عاشق ہوا جو یار کے طرز خرام پر

وقت نظارہ روئے مصفا پہ یار کے
عکس اپنی مردمک کا ظفر خال ہو گیا

کدورت دل میں ہے ظاہر صفائی گر ہوئی تو کیا
ملاپ ان سے ہو تو کیا جدائی گر ہوئی تو کیا

ارے نا آشنا وہ پھر وہی نا آشنا ہو تم
کسی کی تم سے دو دن آشنائی گر ہوئی تو کیا

بنایا ہے صنم جسے نہیں سجدہ اسی کو ہے
بتوں کے سنگ در پہ جبہہ سائی گر ہوئی تو کیا

جوانی کیسی طاقت کوئی ہو سکتی ہے پیری میں
کسی تدبیر سے حاجت روائی گر ہوئی تو کیا

لڑائی جاتی ہے وہ آنکھ دیکھو اب بھی غیروں نے
مری اس بات پر ان سے لڑائی گر ہوتی تو کیا

نہیں پرواز کی صیاد بال و پر میں جب طاقت
قفس سے ہم اسیروں کو رہائی گر ہوئی تو کیا

رہی پروا ہی جب ہرگز نہ کچھ شکر و شکایت کی
بھلائی گر ہووی تو کیا برائی گر ہووی تو کیا

پہنچ سکتی نہیں فریاد اس مہوش کی کانوں تک
فلک تک آہ کو میرے رسائی گر ہوئی تو کیا

نہ چھوڑی اس بت کافر کی ہرگز دوستی میں نے

ظفر دشمن مری ساری خدائی گر ہوئی تو کیا

دیگر

حرف اس پہ نہ آئے جو ہو تحریر کا سانچا
ڈھلتا ہے سدا اس سے جو یہ آہ کا مصرع
دیتا ہے لب زخم جگر میرا گواہی
ڈھالا تجھے سانچے میں ہے اسے عالم تصویر
کی آہ و فغاں دل نے بہت عشق میں لیکن
یہ شمع اسی سانچے میں ڈھلتی ہے ہمیشہ
سانچہ ہے ظفر پیر مرا جسکو یہیں ہے

چھوٹا ہو نہ ہرگز کبھی تقریر کا سانچا
کیا دل ہے ترے عاشق دلگیر کا سانچا
ہے ہاتھ پر ایا دکے شمشیر کا سانچا
ہے قدرت صانع تری تصویر کا سانچا
دعوی نہوا ایک کی تاثیر کا سانچا
ہے سینہ مرا نالہ شبگیر کا سانچا
ہر قول ہے واللہ مرے پیر کا سانچا

دیگر

جو دل کو کل و زلف دوتا نے بھنایا
بہا دیکھ کے اپنی ذرا ہنسا تھا گل
کیا تھا بلبلو نے بھی عشق کا دعوی
لگایا دختر رز کو اگر کسی منہ
اٹھایا گرتی ہیں شربت پہ مکھیاں بھن بھن
شب فراق میں آئیں جو یاد وہ زلفیں
مجھے یہ کہتا تھا ناسخ کہ دل نہ دیجو کہیں
نہ تھا کسو کے بھی قابو کا یہ بشر لیکن
ستم سے ہم نہیں اس بیوفا کے گھرانے

تو جاں کو غمزہ وش ناز و ادا نے بھنایا
لگایا ایسا طمانچہ صبا نے بھنایا
مگر انہیں ترے ظلم و جفا نے بھنایا
تو اس کو خوب ہی اس حیا نے بھنایا
مریض غم کو طبیبو دوا نے بھنایا
تو اس کو جسکو ہجوم بلا نے بھنایا
دکھایا غمزہ جو اس دلربا نے بھنایا
ظفر ہمیں تو ہماری وفا نے بھنا

دیگر

دیکھ کر حمل الف وہ قد رعنا سیدھا
نہوا گر دن دلدار میں خم یو ہیں رہا
کج ادا ایسا کیا حسن کی دولت نے اسے
باتیں کرتا ہے عدو مجھ سے جو ٹیڑھی سیدھی
خانہ اس زلف کے کوچے میں کہ ہے خم در خم
طرز ٹیڑھی ہے سخن کی ترے کس سے ہو ادا
اے کماندار ترے کے قربان ہوں جسکیوں

دل سے نکلا مرے جو نالہ سو نکلا سیدھا
مدتوں بہر دعا دست تمنا سیدھا
بولتا بھی نہیں وہ شوخ خود آرا و سیدھا
ایک دن خوب یہ کج بحث بنے گا سیدھا
دل شامت زدا لے مانگ کا رستا سیدھا
چھوٹتے ہی مرے دل کی طرف آیا سیدھا
ظفر انداز ہے یاروں کا تو سیدھا سیدھا

بنا جو رخ مہوش پہ تل پری ہے بنا
کوئی ہے زہرہ بنا کوئی مشتری ہے بنا

جو در ہیں اشک تو یاقوت و لعل لخت جگر
ہمارا دیدہ یہ دوکان جوہری ہے بنا

کوئی بنا کوئی بگڑا یہی رہا ہر روز
جہاں میں جیسے کہ یہ چرخ چنبری ہے بنا

تمہارے روئے منور پہ مطلع ابرو
عجیب مطلع دیوان انوری ہے بنا

ہٹا و آئینہ کو روبرو سے جلد کہیں
کہ ہم میں تم میں یہ سد سکندری ہے بنا

رکھیں امید وفا کیا ہم اس ستمگر سے
کہ وہ زمانہ میں بہر ستمگری ہے بنا

ظفر کسی سے بگڑ کر نہیں وہ کرتے بات
کہ جن کے واسطے خلق پیمبری ہے بنا

وہ اشکوں کا ہے یہاں تلاطم میں دریا
کہ چڑھتا نہیں چشم مردم میں دریا

یہ سوجھا شے میں دم جوش باراں
بھرا تھا فلک کے کہیں خم میں دریا

کہوں کیا طبیعت کی اس کی روانی
بہاوے بھی گویا تکلم میں دریا

بجھی آگ اے آنکھوں دل کی نہ میری
بھرے ہوں ہزاروں اگر تم میں دریا

مگر دیکھا دریا یہ مستوں کو ہنستے
کہ ہر موج سے ہے تبسم میں دریا

مرے پانوں کے آبلوں سے رواں ہے
کہ اس دشت وحشت رہ گم میں دریا

ظفر دھوئیں گنہ کیوں نہ اپنے
کہ ذات باری ترحم میں دریا

دیگر

اسے یاروں نے میرا رقعہ جا کر دیدیا ہوتا
کھلا گر دے نہ سکتے تھے چھپا کر دیدیا ہوتا

بگڑ جاتا ترا کیا سرخ رو میں سب میں ہو جاتا
مجھے ایک پان تو تو نے بنا کر دیدیا ہوتا

نہ ہوتے مجھ سے تم سینہ بسینہ ہو کے ہم بستر
پر اک بوسہ تو منہ سے منہ بھڑا کر دیدیا ہوتا

گوارا شربت دیدار دینا گر نہ تھا تجکو
بلا سے زہر ہی مجکو بلا کر دیدیا ہوتا

بھروسے میں جواب خط کے مرا ہائے کیوں مجکو
جواب صاف ہی قاصد نے آ کر دیدیا ہوتا

لگا تا خضر کیوں آب کو منہ پر اسے ساقی
جو تو نے جام مے منہ سے لگا کر دیدیا ہوتا

ظفر لے کر تمہارا دل وہ کافر کیوں مکر جاتا
اگر تم نے اسے سبکو جتا کر دیدیا ہوتا

نہ ہرگز واسطے فریاد کے بسمل کا ہاتھ اٹھا

علم کر تیغ کو سو بار اس قاتل کا ہاتھ اٹھا
کہ دل پر سے دم بھر عاشق بیدل کا ہاتھ اٹھا

رہا تجمیں یہ عالم رات دل کی بیقراری کا
ادھر منعم کا ہاتھ اٹھا ادھر سائل کا ہاتھ اٹھا

عطا منظور ہے اس کو دعا دستور ہے اس کا
جو تجھ پر ساربان ناقہ محمل کا ہاتھ اٹھا

اٹھایا دو جہاں سے ہاتھ پر تیری محبت سے
نہ محفل میں کبھی اوس رونق محفل کا ہاتھ اٹھا

نہیں اٹھنے کا ہو کر خشک اس کا ہاتھ اے مجنوں ظفر سر سے نے اپنے مرشد کامل کا ہاتھ اٹھا
گئے ہم سامنے سو بار پر صاحب سلامت کو
رہا سر پر ہمارے دو جہاں میں افسر شاہی

دیگر

بن تیرے عجب حال مری جان ہے میرا بیٹھا ہون کہیں اور کہیں دھیان ہے میرا
کچھ پوچھو نہ جو حسن بتاں کی ہے تجلی دل دیکھتا کچھ اس میں عجب شان ہے میرا
حال دل غمگین نہ کہا میئے کسی سے اے حضرت غم تم پہ یہ احسان ہے میرا
نے مجکو غرض دین سے نہ کفر سے مطلب عشق اس بت پر کیش کا ایمان ہے میرا
مانع جور نیک سے ہووے تجھے غافل تو جان لے یہ دل میں کہ شیطان ہے میرا
صحرا سے بھی میں جاؤں نکل تنگ ہوں اتنا پر خار نہیں چھوڑتا دامان ہے میرا
فرمائیں جو ناسح وہ سر و چشم پہ میری پر دل تو نہیں تابع فرمان ہے میرا
آرام کہاں مجکو نہ جب تک ہو بغل میں وہ شوخ کہ آرام دل و جان ہے میرا
جب سیتا ہوں میں نام ظفر فخر جہاں کا ہو جاتا دل اوس نام پہ قربان ہے میرا
ابتو ہے جوس جان جہاں کو خوب طرح سے جان لیا بھیس میں ہے آرام کے وہ آیا ہم نے بھی پہچان لیا

مطلع ثانی

بلکہ دل کے ساتھ اے کافر دین لیا ایمان لیا
دل ہی فقط کیا تو نے دیکھا کر اپنی ادا و آن لیا جس نے کہا یہ اس نے ہم پر تہمت لی بہتان لیا
کون تھا ایسا تیرے سوا ہم نے دیتے جس کو دل اپنا ہائے مسافر ساتھ سفر کا تو نے نہ کچھ سامان لیا
سوئے عدم ہستی سے چلا ہے بے سر سامان خالی ہاتھ دیکر جان اے نازک افگن میں نے تیرا پیکان لیا
سینہ میں اپنے لیجاؤنگا اس کو زیر خاک بھی میں تو نے تو جو کچھ مجھ سے کہا سب سچ ہے وہ میئے مان لیا
دل نہیں مانتا میرا ناسح یہ مانے تو کام چلے تیغ اجل کا اپنے سر پر اس نے کب احسان لیا
جو کہ ہوا شمشیر نگہ کا تیرے قاتل منت کش گھر تو نہ خط قاصد سے تیرے اسنے کسی عنوان لیا
دیکھ جو پایا اس نو خط نے نام مرا سر نامہ پر سارا پرستاں ڈھونڈھا ہمنے سارے جہانکو چھان لیا
کوئی نپایا ایسا بشر ہے جیسا ظفر رشک پری

دیگر

پھاڑ ڈالے گا گریبان کو جنون آجائے گا
تنگ مجنون سے طبیب ذو فنون آجائے گا کام ہی میرے کبھی سوز درون آجائے گا
دیکھنا کدن جلا کر خاک کر دے گا مجھے لے کے مینائے شراب لالہ گوں ہو جائے گا
ہو گی سیر سبزہ و گل جبکہ ساقی باغ مین اور دیکھیں کون تیرے بس میں یوں آجائے گا

آگئے قابو میں تیرے جیسے ہم اے پرفریب
روتے روتے گر مرے اشکوں میں خوں آجائے گا

اے حنائی پنجہ تو آنسو نہ پوچھے گا کبھی
اے دل بیتاب میں کیونکر کہوں آج آجائے گا

آج کیا کل بھی نہیں آئے گا وہ وعدہ خلاف
ہاتھ جس کے اے ظفر کوئی فسوں آجائے گا

لف کے کافی کو ہاتھوں میں کھلائے گا وہی

دیگر

سنا ہے مشورِ شب اس کے گھر میں اور کچھ ٹھہرا
ارادہ کیا دل رشک قمر میں اور کچھ ٹھہرا

یہ پ ٹھہرا جاتے جاتے کیوں مرا خط لے کے کیا باعث
مگر قصدا اب خیال نامہ بر میں اور کچھ ٹھہرا

نگین دل کا تھا مول ورکچھ ٹھہرا ہوا پہلے ط
گیا جس دن سے دست ممیر میں اور کچھ ٹھہرا

کبھی اخگر کبھی گل ہے کبھی لالہ
نہ ٹھہرا داغ یہ میرے جگر میں اور کچھ ٹھہرا

کوئی زیبا جبیں ٹھہرا ہے کوئی مہ لقا اس کو
مگر وہ مہر روشن میری نظر میں اور کچھ ٹھہرا

نہیں نازاں ہم اسیر اوس نے ہمکو دوست ٹھہرایا
ابھی دے گا وہ ظالم لحظہ بھر میں اور کچھ ٹھہرا

ہر اک کے ذہن میں کچھ طور ٹھہرا اس کے ملنے کا
طریقہ اس کا پر فہم ظفر میں اور کچھ ٹھہرا

اس بتکدہ میں جس نے کہا اے بت تجھے تا کا
کیا خوب نظر باز وہ بندہ ہے خدا کا

اللہ ری تیزی تری شمشیر نگہ کی
دم سرد جسے دیکھ کے ہو تیغ قضا کا

کہتے ہیں مہ نو جسے دیکھا اسے ہمنے
ہے ایک تراشیدہ ترے ناخن پا کا

کیا اس ترے بیمار کو امید شفا ہو
جس کو کہ اثر ہو نہ دعا کا نہ دوا کا

اے دوستو اس دلبر بے مہر کے آگے
کیا نام وفا لوں کہ وہ دشمن ہے وفا کا

سرکش جو بہت حسن پہ تو اپنے اے شمع
دیکھا کبھی جلوہ نہیں اس ماہ لقا کا

ناکام رہا گر دہن زخم زبان سے
اچھا ہوا شاکی نہوا تیغ جفا کا

تلووں سے ملا دیدہ پر آب کو کس کے
پھیکا ہے کف پا میں ترے رنگ حنا کا

نیسان سے اور اس چشم گہر بار سے میرے
دیکھو گے ظفر ہو گا کبھی خوب جھگڑا کا

دیگر

اگر بے پردہ شب ماہ مبیں دیکھا تو کیا دیکھا
نہ تجکو اے پردہ نشین دیکھا تو کیا دیکھا

کچھ ایسا ہو کہ دیکھے وہ ادھر چشم عنایت سے
ہمیں گر اس نے ہو کر خشمگیں دیکھا تو کیا دیکھا

ہماری عید تو ہے دیکھنے پر تیرے ابرو کے
ہلال عید کو اے مہ جبیں دیکھا تو کیا دیکھا

مزا جب ہے کہ بیٹھے سامنے اور ہم اسے دیکھیں
عزیزو چلتے پھرتے گر کہیں دیکھا تو کیا دیکھا

کہیں ہو پاس دیکھیں اس کو ہم دل کی صفائی سے
اگر ہم نے لگا کر دوربیں دیکھا تو کیا دیکھا

کہاں طاقت کو دیکھیں آنکھ بھر کر دم ہے آنکھوں میں
اسے گر ہمنے وقت واپسیں دیکھا تو کیا دیکھا

نہ دیکھا ہمنے جب اس عالم تصوی کا نقشہ ظفر گر نقش نقاشاں چیص دیکھا تو کیا دیکھا

دیگر

کام نہیں کسی سے کوئی بھلا ہو یا برا سب سے الگ ہوں میں مجھے کہتے ہیں سب اکل کھروا
مرغ چمن ہزار ہے مطرب خوش نوا تو کیا اس دل نالہ کش کی ہے سامنے پر وہ بی سرا
زاہد سنگدل اگر میکدہ میں کرے گذر دختر زر کو دیکھ کر اس کا بھی دل ہو بھر بھرا
تیرے مریض عشق سے وہ بھی نہ ہضم ہو سکے آٹھ پہر میں گر غذا اس کی ہو ایک مرمرا
کرتا ہے ذبح وہ مجھے ایک نگاہ ناز سے اور تو پاس یار کے نے ہے چھری نہ ہے چھا
دل میں ہے میرے غم بھرا دیدہ پر آے ہے مرا جھوٹی قسم نہ کھاؤ گا عشق کی میں بھرا پرا
عشق کے ہاتھ اے ظفر بیچ متاع جاں کو وہ زر نقد داغ دل دیگا تجھے کھرا کھرا

شورش غم سے پڑا دل پر پتنگا آگ کا یہ جلا ہو گا بڑی مشکل سے چنگا آگ کا
جامہ آبی کا اپنی آسمانی دیکھنا ہے شفق سے کیا تماشا رنگ رنگا آگ کا
نالہ سوزاں کی میرے گرمی ہنگامہ سے اس کے گرجی میں رہا شب ایک دنگا آگ کا
دیکھوں بجلی کو مستون نے یہ پوچھا ابر سے تو نے ڈالا ہے گلے میں کیا جھلنگا آگ کا
دل مرا پرا ونہ ہے آتش دخوں کے عشق سے مانتا ہر گز نہیں ڈر یہ پتنگا آگ کا
ہر بن مو سے ترے دیوانہ کی نکلی جو آگ بن گیا پتلا سراپا جسم ننگا آگ کا
رفع بے بادہ نہوں مستوں کی گرمی جگر کب بجھاتا ہے یہ شعلہ آب گنگا آگ کا
ہے خدا جانے یہ میری آہ سوزاں کیا بلا آسمان پر ایک لگاتی ہے اڑنگا آگ کا
لڑتی ہے بندوں سے جو اے ظفر فوج فرنگ دکھے ہے ہتھیار پاس اپنے تلنگا آگ کا

عارض کا صاف رنگ ترے گل میں آ گیا زلفوں کا پیچ و خم ترے سنبل میں آ گیا
کس چشم پر خمار کا ساقی پڑا تھا عکس جس سے کہ یہ نشا قدح مل میں آ گیا
کب تک کروں میں صبر کرو در دفراق سے ہے فرق میرے صبر و تحمل میں آ گیا
کیا شعلہ و شرار میں کیا مہر و ماہ میں جلوہ ترا تو ہم کو نظر کل میں آ گیا
دیکھا مجھے نہ تو نے اور آنکھوں میں آ گیا دم آخر کو یار تیرے تغافل میں آ گیا
کاکل میں تنگ آیا تو زلفوں میں آیا دل زلفوں میں تنگ آیا تو کاکل میں آ گیا
جلدی سے قاصدوں کے ہوا کچھ نہ اے ظفر وہاں سے جواب خط کا تامل میں آ گیا

دیگر

شمع کا داغ جگر ہے بزم میں کیا گل بنا
بلکہ اوسکا دود دل ہمسر سنبل بنا

پھر دکھا آخر خزاں ہےکوئی دن ہے یہ بہار
اس چمن میں آشیاں اپنا نہ اے بلبل بنا

مل گیا دریا میں جب قطرہ تو دریا ہوگیا
جزو جو کل میں ہوا گم جزو سے وہ کل بنا

میں وہ میکش ہوں کہ میری خاک سے بھی بعد مرگ
یا سبو ئے مے بنایا کوئی جام مل بنا

دل کا زنجیر بلا سے چھوڑ جا دنیا میں مسم کچھ تو اپنا تو نشاں
جب سے یہ شامت زدہ سودائی کا کل بنا

اے ظفر آئی قیامت بزم میں ساقی بغیر
یا سرایا چاہیا مسجد بنایا پل بنا

شور محشر میرے حق میں خندہ قلقل بنا

دیگر

نہیں یہ سوز محبت نے ہموکو داغ دیا
ہمارے خانہ دل کے لئے چراغ دیا

مطلع ثانی

ہمیں جو عشق نے یہ سینہ داغ داغ دیا
ہمارے سیر کو گھر میں خدا نے باغ دیا

تمہاری زلف کے کوچہ میں مجکو شانہ نے
بتا مرے دل گم گشتہ کا سراغ دیا

بنا کے خال سیہ خط سبز پر اپنے
بٹھایا آپ نے طوطی کے پاس زاغ دیا

جو مانگی عشق سے فرہاد قیس نے جاگیر
تو اس کو کوہ دیا اور اس کو راغ دیا

کرشمہ ہے یہ تری چشم مست کا میکش
چمن میں جو کف نرگس پہ دھرا ایاغ دیا

نہیں نشیب وہ شاہان ہفت کشور کو
ہمیں جو فقر نے ہے گوشہ فراغ دیا

شگفتہ غنچہ دل کیوں نہو کہ اس گل نے
ہمیں جو بوسہ دیا ہو کے باغ باغ دیا

سخنوری میں ظفر کون تم سے ہو ہمسر
خدا نے ہے یہ تمہیں کو دل و دماغ دیا

نکوئی یار پایا اور نکوئی آشنا پایا
جسے یاں دوست جانا اس کو دشمن جانکا پایا

پھر ہم ڈھونڈ ھتے مدت تلک راہ محبت میں
رفیق اپنا نکوئی بھی ترے غم کے سوا پایا

قمر کو نسبت اس عارض سے کیا ہم نے ملا دیکھا
اسے اس سے جدا پایا اسے اس سے جدا پایا

کسی سے کس لیے پوچھیں صنم خانہ کا رستہ ہم
کہ اپنے اس صنم کا ہمنے دل ہی میں پتا پایا

ملایا تیرے خال رخ کو جب خال سویدا سے
قسم ہے ہمنے دونوں میں نہ فرق اک نکتہ کا پایا

خط اس نے نامہ بر سے لے لیا پڑھ کر چھپا ڈالا
الٰہی شکر غیروں نے یہ میرا مدعا پایا

سنا یوسف کو بھی اور اک جہانکو آنکھ سے دیکھا
مگر تجھ سا حسین ہم نے نہ ہرگز دوسرا پایا

ذرا بھی دل ہلا تیرا نہ کافر میرے نالہ سے
فرشتے کانپ اٹھے عرش بریں کا ہلکیا پایا

ظفر کیونکر نہ یہ ظلم و ستم مجھ پر روا رکھیں
کہ مجھکو ان ستمگاروں نے اپنا مبتلا پایا

مانگ کی لیکھ پر ہر رات سویرا دیکھا
کوچہ زلف میں ونکو بھی اندھیرا دیکھا

دور ساغر ہی میں گذرے ہیں دن جون خورشید
ساقیا اٹھ کے جو منہ صبح کو تیرا دیکھا

ابلق چشم کی اللہ رے تیری شوخی
کہ او لیل ایسا نہ کوئی بھی پچھیرا دیکھا

دل کو چیتا مرے ناخن کے خراشوں سے تمام
بہتر اس دست جنون سے نہ چیتر دیکھا

خدا مرا دیکھ لیا ایک دفعہ اس نے تو کیا
حرف مطلب نہ کووی غور سے میرا دکھا

حلقہ زلف سے تم بچ نہ سکے حضرت دل
اس بلا نے تمہیں کس طرح سے گھیرا دیکھا

ہم سے غربت زدہ ٹھہرے نہ ٹھکانے کہیں
لیتے سب جانوروں کو بھی بسیرا دیکھا

خاک مجنون نے کیا وادی وحشت میں مقام
کہ بگولے کے سوا کوئی نہ ڈیرا دیکھا

ہم نہ کہتے تھے ظفر بچ نہ ڈال اس کے ہاتھ
نہ پسند اس نے کیا لیتے ہی پھیرا دیکھا

دیگر

انہیں جب پیار سے وہیں گولی بھر کے لیلونگا
دہن کے بوسہ بھی میں لب کو لب پر دھیر کے لیلونگا

فقیرا اے یار ہو جاؤں گا نیں تیری محبت میں
زمین تکیہ کے خاطر پاس تیرے گھر کے لیلونگا

پرکھ پر جوہری کے مول لینے کا نہیں موتی
در وندان سے میں تیرے مقابل کر کے لیلونگا

لب میگو نکے تیرے لیگا بوسے گر لب ساغر
تو میں اے بادہ کش بوسے ترے ساغر کے لیلونگا

ہلا دونگا جہاں کو دیکھنا زیر زمین بھی میں
ذرا کروٹ جو ہاتھوں سے دل مضطر کے لیلونگا

جو توڑے شیشہ مے محتسب نے مار کر پتھر
تو بدلے میں کسی دن اس سے اس پتھر کے لیلونگا

کرونگا کعبہ میں جا کر ظفر کیا گر ہےگا ڈھپ
تو بوسے اس بت کافر کے سنگ در کے لیلونگا

دیگر

کیون فریب اس کے ہے دل دیکھے کے بل کھاتا
کرتا ہے بات وہ پچھے قسم اول کھاتا

زلف عارض پہ ہے اس شوخ گلستان رو کے
یا چمن میں ہے کوئی مار سیہ بل کھاتا

دیکھا ہے قاتل سفاک ترا کشتہ ناز
خون کے دریا میں ہے غوطے سر مقتل کھاتا

بوسہ لوں سبب ذقن کا ترے سرو رواں
نخل سے سرو کے ہو کوئی اگر پھل کھاتا

چشم گریاں سے جو میرے نہ مقابل ہوتا
تو ہوا کے طمانچے کبھی بادل کھاتا

کھا لیا آج ہی گر غم نے مجھے خوب ہوا
آخرش کھاتا ہے یہ آج نہیں کل کھاتا

ہوں وہ سرگشتہ جنوں میں کہ بگولے کی طرح
اے ظفر دیکھ کے چکر مجھے جنگل کھاتا

وہ دیکھے بے صرح کچھ بیر کرنا
مجھے ڈر ہے الٰہی خیر کرنا

بتوں دل میں جو میرے اب سے تم
ہوا منظور کعبہ دیر کرنا

طیور وسدرہ وطوبیٰ کو سکھلانے
ہمارا طائر دل طیر کرنا

غضب ہے توپ پر عاشق کو رکھکر
فرنگی زاد تیرا فیر کرنا

ہرے ہو تیغ پہ میرے زخم دل کے
پھر آکر اس دشمن کی سیر کرنا

نہیں اوس مصحف رخ پر مناسب
تجھے اے زلف لیبے پیر کرنا

ظفر جاتے وہ میرے پاس سے کیوں
اگر ہوتا نہ پاس غیر کرنا

کوئی دم فنا کی ہے منزل میں بیٹھا
بس اب تو ہے کس فکر باطل میں بیٹھا

مطلع ثانی
ہمیشہ رہا پر مرے دل میں بیٹھا

بظاہر نہ وہ میری محفل میں بیٹھا
لب لیام آکر مقابل میں بیٹھا

ہوا ماہ کیا کیا خجل جب وہ مہوش
اگر دوست بھی بزم قاتل میں بیٹھا

کشندہ مرا ہو گیا اے عزیزو
کہ جکڑا ہوا سلاسل میں بیٹھا

کہاں جائے سودا یئے زلف اٹھکر
غ تنگ تا ہہ کس کا ہے دل میں بیٹھا

رواں خون دل ہے جو آنکھوں سے ہردم
نہ باتیں بنا میری محفل میں بیٹھا

ہو بیہودہ گو ہو ظفر اس سے کہدو

چھپا ہوا ہے جگر میں میرے یہ نیش مژگاں یار کیسا
کھٹکتا ہردم ہے ساتھ دم کے الٰہی سینہ میں خاکسار کیسا

جو مست اس چشم مست کے ہیں نہیں ہو پھر ان کو ہوں ساقی
کہ جام کیسا شراب کیسی نشا ہے کیسا خمار کیسا

بندھا جو اشکوں کا تار دیکھا تو اسنے ہنسکر تجھ سے پوچھا
کہ تو نے اپنے گلے میں ڈالا یہ موتیوں کا سا ہار کیسا

اڑا تا کیا خاک سر پہ مجنون چلا ہے زنداں سے سوئے ہاموں
اڑی ہے دیکھو یہ گرد کیسی اٹھا ہے دیکھوں غبار کیسا

کرے جو تجھ سے تپاک پیرا جو تجھ پر اے شعلہ خو ہو شیدا
پھر اس کو ہوش وحواس کیسے پھر اسکو صبر وقرار کیسا

یہ لے کے تیر وکماں کا جانا شکار کا ہے فقط بہانا
تجھے کسی کو ہدف بنانا ارے ستمگر شکار کیسا

ظفر جو پھیری ہے اس نے چتوں خفا ہے مجھ سے وہ شوخ پر فن
بنا دیا اس کو میرا دشمن ہے دوستدار کیسا

بنا بسمل ہے کیا تجکو ہے اے قاتل دعا دیتا
لب ہر زخم سے ہردم ہے اس کا دل دعا دیتا

تماشا ہے کہ تو اے بد زباں دشنام دیتا ہے
اور اس کے بدلے تجکو ہے ترا مائل دعا دیتا

جو پوچھا ہم نے مجنوں سے کہو کیا شغل رہتا ہے
کہا میں ہوں تمہیں اے مرشد کامل دعا دیتا

صدا آئی نہیں قلقل کے ساقی شیشہ مے سے
تجھے وہ جانکر ہے رونق محفل دعا دیتا

قل ایذا طلب یوں میرا ان ایذا دہندوں کو
دعا دے تجھ کو جیسے ہے سائل دعا دیتا

تجھے اے صید افگن دیکھ تو کس کس محبت سے
ترا صید محبت ہے دم بسمل دعا دیتا

ظفر اشکوں سے میرے جب مدد پہونچے ہے دریا کو
تو میری چشم تر کو ہے لب ساحل دعا دیتا

یوں تیرے ہجر میں دل ہے لوٹتا
وہ الٹے پھر گئے مد نظر کیا تھی ہوا یہ کیا

کیا کہدیا ہے کان میں باد بہار نے
توقع ہم کو تجھ سے چشم تر کیا تھی ہوا یہ کیا

ہلتی ہے زلف کب خط رخسار پر ترے
کوئی پوچھے خطائے نامہ بر کیا تھی ہوا یہ کیا

کیا جانے ذبح ہونے میں آتا ہے کیا مزا
تمنا ہم کو اے بیداد گر کیا تھی ہوا یہ کیا

ہے شیخ گوشہ گیر دیا سے بھلا وہ مست
لگی لو ہم کو شب سے تا سحر کیا تھی ہوا یہ کیا

سرکت کے بھی ہوا نہیں ٹھنڈا شہید عشق
ہمیں نالوں سے امید سحر کیا تھی ہوا یہ کیا

ہیں یوں تو اس غزل لو تنے سبھی
تمہاری وسع آ گیا اے ظفر کیا تھی ہوا یہ کیا

دیگر

جب عاشقی میں دل دل نے مرا پاس کھو دیا
میں نے بھی اس کا ایسا کیا پاس کھو دیا

مفلس کے ہوش کیا رہیں اس کی تو عقل کو
جائے چرخ تو نے باعث افلاس کھو دیا

اقرار نامہ ان کی محبت کا ہم انہیں
دکھلائیں کیا کہ ہمنے وہ قرطاس کھو دیا

مضمون یہ آ گیا تھا خموشی کا اپنے ہاتھ
یاروں سے کی جو آن کے بکواس کھو دیا

خورشید جو چھپا تو یہ آیا نشے میں شوخ
سونے کا وہ فلک نے کہاں طاس کھو دیا

افسوس اپنے اشک کی جانی نہ ہم نے قدر
کیا بے بہا نگینہ الماس کھو دیا

نے دل رکھا نہ جاں رکھی میں نے عشق میں
جو کچھ کہ اے ظفر تھا مرے پاس کھو دیا

اگر مرے دل سوزاں گل ہوتا
کبھی چمن میں نہ گل کا چراغ ہوتا

وہ رشک گل جو گلستان میں میکشی کرتا
تو غنچہ ہوتا گلابی ایاغ گل ہوتا

ہر ایک خار یہ فیض قدم سے مجنون کے
نمود سے سر دامان داغ گل ہوتا

جو زشت خو ہیں انہیں کیا ہو روئے خوب سے عشق
سنا نہیں کبھی معشوق زاغ گل ہوتا

اگر یہ جانتا ہے تنگ عرصہ کار بہار
شگفتہ یوں نہ کبھی با فراغ گل ہوتا

چمن میں نالہ بلبل کو کون پھر سنتا
تری طرح سے جو نازک دماغ گل ہوتا

چمن میں جائے کبھی جب اے ظفر وہ رشک چمن
تو اس کو دیکھ کے ہے باغ باغ گل ہوتا

جب آ کے میرے قتل کو قاتل الٹ گیا
مضطر ہوئی یہ سن کے قضا دل الٹ گیا

آتا نظر ہے یوں فلک سبزہ داژ گوں
جیسے ہو جام زہر یلا ہل الٹ گیا

جان اولٹی پھر گئی میرے آ کر لبوں تلک
یہ آ کے راہ روسر منزل الٹ گیا

عاشق کے دل کو یہ ترا ما سیاہ زلف
بس کاٹی ہے جو روشائل الٹ گیا

ساقی مثال شیشہ مہ روتے روتے آج
دم میرا بن ترے سر محفل الٹ گیا

عالس وہ کیا عمل نہو جس کا کتاب پہ
سنگ مزار عاشق بیدل الٹ گیا

بیتا بیوں سے دل کی پس از مرگ اے ظفر
قضا نے میرا کفن اپنے سر پہ باندہ لیا

دیگر
اوٹھا کے ہم نے جو زخم جگر پہ باندھ لیا

جب اس نے ناز سے تیغہ کمر پہ باندھ لیا
ارادہ اسنے ترے تاج زر پہ باندھ لیا

یہی علاج تھا پٹی کی جاترا رومال
کہ تو نے اس کو چڑھا جو نظر پہ باندھ لیا

یہ کہدو شمع سے گلگیر چھوڑنے کا نہیں
عزیز و بیرہی اس رہگذر پہ باندھ لیا

ترا تار نظر بھی جب کمر یلا
تصور رخ روشن قمر پہ باندھ لیا

گذر ہو کیونکر مرا وہاں کہ مجھ سے لوگوں نے
حصار خط رخ سمیر پہ باندھ لیا

سمجھتے ہم ہیں غلط ہیں اس آنکھ کو جس نے
پکڑ لیا جسے اور او سکو درپہ باندھ لیا

نگاہ بد سے رہے تا کہ حسن بے آسیب
اسہ کہ جسنے ہے طوفان ظفر پہ باندھ لیا

وہ آدمی تھا مرا چور چور کہکر رات
گلے میں باندہ کے پتھر ڈبو دو دریا میں

کی اگر تو نے مرے قتل کی تدبیر لے آ
سر یہ حاضر ہے مرا شوق سے شمشیر لے آ

لب تک آدل سے نے تنہا شب تنہائی میں
جان کو ساتھ تو اے نالہ شبگیر لے آ

یوں تو آئین گے نہیں ہیں وہ کشیدہ خاطر
تجھ میں کچھ اے کشش دل ہے جو تاثیر لے آ

روز لے جاتی مجھی کو ہے ادھر اوسکو بھی
کبھی ہر پھر کے ادھر گردش تقدیر لے آ

گر نہ آئے دل دیوانے تو کہ زلف سے تو
کر کے سودا زدہ کو بستہ زنجیر لے آ

ہم نے ہے دل میں بنایا غم دلدار کا گھر
کہدو اس سے کہ مکاں ہو چکا تعمیر لے آ

ہیں وہ روٹھے ہوئے آنے کے نہیں آج ظفر
عید کا روز ہے جا ہو کے بغلگیر لے آ

جان جائے گا وہ بت کافر میں نے اب یہ جان لیا
چھوڑ ا اس نے پاس مرے کیا دین لیا ایمان لیا

ہوتا ناحق خون آلودہ خوب کیا اس قاتل نے
میرے وقت کشتن اس نے دامن کہ گردن لیا

بھیس بدل کر شب کو چلے تھے غیر کے گھر وہ چوری سے
ہم نے اوکی چال سے اوکو رشتہ میں پہچان لیا

لوہو تھو کا رشک سے اسدم عاشق کا یہ رنگ ہوا
تو نے غیر کے ہاتھو نسے بنوا کے جو منہ میں پان لیا

جو ہیں مسافر راہ عدم کے ان سے اتنا پوچھو تو
تم نے اپنے ساتھ سفر کا کیا کیا ہے سامان لیا

جتنا چھانا اتنا پایا کر کر اس کو چھانا خاک
ہم یہ کہیں کس منہ سے ہم نے خوب جہانکو چھان لیا

بیٹھ کے مثل کف پا اٹھے نہ اس کے کوچے سے
کچھ ہی ہووے اب تو ظفر یہ دل میں ہمنے ٹھان لیا

اگر بے پردہ ہمسے وہ بت کافر ادا ہوتا
میسر ہم کو دنیا ہی میں دیدار خدا ہوتا

چھپاتا مجھ سے زیر زلف تو کیوں خال رخ اپنا
ستارہ گر مرا چمکا ہوا اے مہ لقا ہوتا

اگر تھوڑی سی مرچیں بھی نمک میں مسکر قاتل
لگا دیتا مرے زخموں کے منہ کو کیا مزہ ہوتا

خدا سے ڈر نہ کہ ہم پر روا جور و ستم اپنے
کہ ظالم دل ستانا ہے غریبوں کا برا ہوتا

نہ ملتا اس طرح میں خاک میں گر میرے جانب سے
نہ ہوتا تو مکدر دل ترا مجھ سے صفا ہوتا

تری اس بیوفائی پر فدا ہوتی ہے جان اپنی
خدا جانے اگر تجھمیں وفا ہوتی تو کیا ہوتا

خطر ہے کیا اگر دشمن ہے میرا وہ بت کافر
نہیں اے حضرت دل کچھ بھی بحکم خدا ہوتا

خدا نے خیر کی جلدی بجھائی آگ اشکوں نے
وگرنہ سوز دل سے آج میں جل ہی گیا ہوتا

ظفر کچھ درد ہوتا تا کہ بیدردکو میرا
اگر درد محبت میں دل اس کا مبتلا ہوتا

دیگر

جبکہ مجھے اندیشہ عقبی دنیا میں ہے بہلاتا
پھر تو بہلتا جی نہیں میرا لاکھ طرح ہوں بہلاتا

طلع ثانی

نالہ کروں کیا سانس بھی لینی اب تو جی سے کھلاتا
چشم سے میں کچھ اشک بہا کر دل کو ہوں اپنے بہلاتا

مطلع ثانی

اپنوں میں مل جل کے غافل ناحق جی ہے بہلاتا
ناتا گوتا یہیں تک ہے وہاں کون کسی کا کہلاتا

دیتا اٹھا کر رخ سے اپنے زلف کو جو وہ رشک قمر
شمع تو کیا ہو سکتی مقابل تا نبے ہرگز مہ لاتا

منزل راحت دشت جنوں ہو کیوں نہ ترے دیوانے کو
کیا کیا اس کے تلوؤں کو ہے خار بیابان سہلاتا

ہوتا اگر معلوم کہ دیگی کھول نسیم صبح اسے
غنچہ چمن میں رخت کو اپنے کر کے نہ ہرگز تہ لاتا

تو جو رنگ میں ہولے کے واں بیٹھے ہے ساتھ رقیبوں کے
مجکو ہے میرا دیدہ پر خون خون جگر میں نہلاتا

ہوتا مفتوں گر نہ مرا دل اس کی چشم فتاں کا
کیون مجھے وحشت ہوتی ظفر اور کیوں میں وحشی کہلاتا

دیگر

جسم میں عاشق کے تیرے تھا جو کچھ لوہو بنا
وہ بوقت جوش گریہ آنکھ کا آنسو بنا

تھی ہے تیغ صفاہانی حلب میں بھی ابھی
آئینہ لے کر ذرا اپنا خم ابرو بنا

دیکھو کھیل اس چشم کے وحشی کے بعد از مرگ بھی
اس کی مٹی کا کھلونا گر بنا آہو بنا

جائے گا گر روبرو اس کے بگڑ جائے گا منہ   ناصحا بیٹھا ہمارے پاس تو باتیں بنا
کس طرح ٹپکیں نہ سر پتھر سے ہم اے سنگدل   غیر کے سر کے لئے تکیہ ترا زانو بنا
مجھ سے تو ہوتا ہے ٹیڑھا بگڑ جڑا اے رقیب   میں بناؤنگا تجھے سیدھا اگر قابو بنا
دل رہا اپنا اسیر حلقہ دام بلا   اے ظفر جس دن سے اس کا حلقہ گیسو بنا

دل میرا اس رشک کا جو مسکن بن گیا   سینہ پر داغ گویا ایک گلشن بن گیا
دوستی نے تیری مجھ سے کر دیا سبکو برا   اپنا بیگانہ ہوا اور دوست دشمن بن گیا
اپنی دینداری پہ کیا کیا ناز تھا زاہد کو پر   اس صنم کی دیکھ کر صورت برہمن بن گیا
بزم عشرت تجکو تجھ بن بزم ماتم ہوگ ی   نغمہ شادی لب مطرب پہ شیون بن گیا
میرے گریہ نے کیا جو خشکی لب کا علاج   صاف ہر آنسو برنگ موم روغن بن گیا
گر لگا تیر اسکے سینہ میں مرے اچھا ہوا   جھانکنے کو دل کے مرے ایک روزن بنگیا
روئے ہم اپنی اسیری پر تو یہ دریا بہا   حلقہ گرداب اپنا طوق گردن بن گیا
نے اثر کرتا ہے نالہ اور نہ کچھ تاثیر آہ   دل خدا جانے ترا پتھر کہ آہن بن گیا
ہو گیا پانی مرے نالوں کی گرمی سے جو خشک   پاٹ دریا کا ظفر صحرا کا دامن بن گیا

دیگر

نہ ہے یہاں دیر کا چرچا نہ حرم کا چرچا   اپنے گھر میں تو ہے اس اپنے صنم کا چرچا

حسن مطلع

تھا جو خوباں ستمگر میں ستم کا چرچا   اور وہ تیغ ستم سے ترے چمکا چرچا
نہ کہیں تذکرہ دریا کچ ہے ابر کا ذکر   جابجا اب تو ہے اس دیدہ نم کا چرچا
کیونکہ خنداں ہو نہ گل کیوں نہ ہو شبنم گریاں   اس چمن میں جو رہے شادی و غم کا چرچا
تن گل خوردہ کو جسدن سے ہمارے دیکھا   کوئی کرتا نہیں گلزار ارم کا چرچا
ذکر ساقی کا ہے یا ساغر مے کا مذکور   نہ یہاں جام کا چرچا ہے نہ جم کا چرچا
خط پشت لب لعلیں کو دیکھا دے اپنے   ہو جہاں کچھ خط یاقوت رقم کا چرچا
بات بھی کرتا نہیں کوئی جہاں دم نکلا   اے ظفر سارا ہستی میں ہے دم کا چرچا

رستہ میں یا پاس سے جسدم نکل گیا   میں نے تو جانا یہ کہ مرا دم نکل گیا
تاثیر تیرے گریہ نے کیا کی اے نگر   دل کا بخار دیدہ پرنم نکل گیا
پھر کس کے ہاتھ آتا ہے جس وقت قید سے   تیرا اسیر کاکل برہم نکل گیا

جو معرکہ میں عشق کے ثابت قدم رہے
ٹھہرا نہ ان کے سامنے رستم نکل گیا

اوس نے نہا کے زلف نچوڑی بھلا ہوا
جو اس سیاہ مارمین تھا سم نکل گیا

دیوانگی میں کرتے ہیں میرا لہو جو کم
کیا پہلے آنسو ونمیں ہے خوں کم نکل گیا

پہلو میں کل سے اپنے اسے دیکھتا نہیں
یارب کدھر مرا دل پر غم نکل گیا

دیکھے عذاب سوز محبت میں اس قدر
دل سے ہمارے خوف جہنم نکل گیا

پھر خواب میں بھی ہم نے دیکھا وہ اے ظفر
آنکھوں کے سامنے سے جو عالم نکل گیا

ہم نے کل ایک عجب آفت جاں دیکھا تھا
پر نہیں یاد ہمیں یہ کہ کہاں دیکھا تھا

کیونکہ خوش ہو کے نہ بہتا مرے دلمیں غم یار
اس نے ایسا کبھی کا ہیکو مکاں دیکھا تھا

گڑ گیا شرم سے اتنا جو زمیں میں شمشاد
کیا تراقد کہیں اسے سرور رواں دیکھا تھا

تو نے دل کس کا جلایا تھا خدا جانے کہ رات
ہم نے اٹھتے ترے کوچہ سے دھواں دیکھا تھا

بت پرستی سے مجھے ہوتا تھا مانع زاہد
جب تلک اس نے نہیں حسن بتاں دیکھا تھا

کھل کھلا کر جو ہنسے باغ میں گل وقت بہار
تھا یہ باعث کہ نہیں روز خزاں دیکھا تھا

لگ گیا قفل خموشی سے جو منہ کو تیرے
خواب میں کس کا ظفر حال وہاں دیکھا تھا

دیگر

غلط گو ہے کہے جو چپ رہے سے کچھ نہیں ہوتا
یہاں چپ ہی کچھ اچھی ہے کہے سے کچھ نہی ں ہوتا

ہنسے جام لب لب بھی تو کیف ہوا ہے ساقی
صراحی کے تو خالی قہقہے سے کچھ نہیں ہوتا

سہے ظلم ان ستمگاروں کے کوئی کس توقع پر
کہ یاں ظلم وستم بھی تو سہے سے کچھ نہیں ہوتا

مجھے بہاتے ہیں اپنے نالہاے زار اے بلبل
مرا دل خوش ترے اس چہچہے سے کچھ نہیں ہوتا

دکھاوے تو رخ تو خط پہ خط سبز کی سبزی
کہ حاصل لطف سبزی لہلہے سے کچھ نہیں ہوتا

نہیں بجھنے کی دلکی آگ گرچہ میرے چشموں سے
بہا دریا تو کیا دریا بہے سے کچھ نہی ں ہوتا

خط آنے پر بھی ہے عالم وہی اس روے روشن کا
ظفر یہ نور یہ سورج گہے سے کچھ نہیں ہوتا

دیگر

کچھ دیدۂ گریان ہی سے آنسو نہیں تھمتا
زخم جگرودل سے بھی لوہو نہیں تھمتا

تھامے دل دیوانہ کو کیا کوئی کہ جب تک
ہوتا نہیں پا بستہ گیسو نہیں تھمتا

اے صید فگن چشم غضبناک سے تیری
بھاگے ہے جو ڈر کر تو پھر آہو نہیں تھمتا

کیوں ہو کے خفا ایسا چلا آج یہاں سے
سب تھامتے ہیں اور وہ بدخو نہیں تھمتا

سرکیوں نہ اڑیں سیکڑوں شمشیر زنی سے
اک روز ترا ہاتھ جفا جو نہیں تھمتا

تو کہتا ہے جانیکو بتا جائے گا کیونکر
بینہ آج تو اے شوخ پہ یرو نہیں تھمتا

دیگر

کرتا اس رخ پہ ہے کیا جلوہ نمائی سہرا　　آئی ہے دیکھنے کو ساری خدائی سہرا
شکر للہ کہ اللہ نے دکھایا یہ دن　　دیا اس کے رخ تاباں پہ دکھائی سہرا
سیم و زر کرتا مر و مہر سے ہے چرخ نثار　　دیکھ کر چاند سے مکھڑے پہ طلائی سہرا
عکس رنگ گل رنگیں سے بنا دیتا ہے　　گوندھنے والے کے ہاتھوں کو حنائی سہرا
تہنیت لکھے عطارد وہی نے کیا سہرے کی　　زہرہ بھی شوق میں اس سہرکی گائی سہرا
کثرت گل سے ہے ہر شاخ لڑی پھولوںکی　　گوندھ کر باد بہاری ہے جولائی سہرا
شرف مہر سے ہوتا ہے مشرف تو روز　　رکھتا اس رخ کے بدولت ہے بڑائی سہرا
کھلتی کلیاں نہیں سہرے میں مگر کرتا ہے　　دل یک خلق کی یہ عقیدہ کشائی سہرا

آفریں کرنے ترے معنی روشن پہ
یہ اگر سنتے بہائی و سنائی سہرا

نامہ بر خط کسی عنوان یہ ادھر لے تو جا　　لے نہ لے پڑھ کے وہ سرنامہ کو پر لے تو جا
میری بالیں پہ ٹھہر یا نہ ٹھہر کوئی دم　　پر کبھی آن کے تو میری خبر لے تو جا
میں ہوں برباد وبلا سے مگر اس کوچے میں　　تو مری خاک کو اے باد سحر لے تو جا
ابھی ہوئی ہے تجمل شمع ذرا بزم میں تو　　اپنے دل سوز کو بادیدۂ تر لے تو جا
اڑ کے جا سکتے چمن تک نہیں مرغان قفس　　اے صبا ان کا اوڑا کر کوئی پر لے تو جا
دیکھیں کیا یار کو منظور ہے معلوم تو ہو　　دل کا پیغام تو اے پیک نظر سے تو جا
شوق دیدار ہو یا آرزوئے بوس و کنار　　تو وہاں جائے تو کچھ تحفہ ظفر لے تو جا

دیگر

ظفر ہوتا ہے رنج و غم میں دل کیسا ہی آلودہ　　مگر صورت کو اس کے دیکھ کر ہے شاد ہو جاتا
یہ سہرا شاہ کے نور بصر کج ہے سہرا　　یہ سہرا ماہ کے جان جگر کا ہے سہرا
عجب طرح کی یہ شان و شکوہ کج ہے بیاہ　　عجیب طرح کی یہ کروفر کا ہے سہرا
رہے نشاط زہے خرمی کہ دیکھنا آج　　ہوا نصیب پدر کو پسر کج ہے سہرا
چڑھا طرب کا جو دریا تو آیا کشتی میں　　یہ نور چشم شہ داد گر کا ہے سہرا
جو لعل ہیں گل ہیں احمر تو موتیا ہوتی　　یہ سہرا پھولوں کا لعل و گہر کا ہے سہرا
چڑھا طرب کج جو دریا تو آیا کشتی میں　　حجاب چہرہ شمس و قمر کج ہے سہرا
جو لعل ہیں گل احمر تو موتیا ہوتی
جواب حسن مر مصر کا ہے نور جمال

وہ تیرا چاند سا مکھڑا کہ جس پہ ماہ لقا
بندھا ستاروں کے تار نظر کا سہرا

کہے ہے فہم و ذکا کج یہ ترا کہ تیرے سر
تمام دانش و عقل و ہنر کا ہے سہرا

ظفر ہے آج قلم ایسی پھلجھڑی اپنی
کہ باندھ دیتی یہ گلہائے زر کج ہے سہرا

ہمیشہ ہے وصل و جدائی کا دھندا
بتوں کی ہے الفت خدائی کا دھندا

اگر بیٹھے رندوں کی صحبت میں زاہد
تو دے چھوڑ سب پارسائی کا دھندا

جو ہو تا ہے آخر وہ ہو کر رہے گا
کرے کون بخت آزمائی کا دھندا

پریشان رہے عمر بھر پر نچھوڑا
تری زلف نے کج ادائی کا دھندا

مبارک رئیسوں کو کار ریاست
گدا کو ہے کافی گدائی کا دھندا

نہیں خضر کے پیچھے گر اور جھگڑے
تو ہے ساتھ اک رہنمائی کا دھندا

ظفر اس سے بہتر ہے نا شنائی
کہ مشکل ہے یہ آشنائی کا دھندا

غیر کے ہاتھوں سے پی تو نے شراب اچھا کیا
رشک سے دل کو کیا میرے کباب اچھا کیا

کھوئی میری آبرو رو رو کے کوے یار میں
تو نے رسوا مجکو اے چشم پر آب اچھا کیا

لیتے ہیں کہنے دو اس کے لوگ دیوانہ مجھے
یار نے مجکو عنایت یہ خطاب اچھا کیا

شکوہ میں کس کس خرابی کا کروں تیرے دلا
جو کیا تو نے سوائے خانہ خراب اچھا کیا

ہوتا عیسی سے نہ برسوں میں بھی چنگا یہ مریض
اے اجل تو نے اسے آکر شتاب اچھا کیا

سوزوں سے رات دن ہیں آتش دوزخ میں ہم
عشق نے ہم کو گرفتار عذاب اچھا کیا

اپنے ابرو پر بنایا نقطہ خال سرمہ سے
واہ واہ کیا تم نے مطلع انتخاب اچھا کیا

لے گیا کوچے میں اس بیداد گر کے کیوں مجھے
یہ نہ تو نے اے دل پر اضطراب اچھا کیا

ٹکڑے ٹکڑے تو ہوا خط کی طرح قاصد مگر
جو کیا اس نے ظفر اس سے جواب اچھا کیا

حال غم لکھ کر تجھے بھیجوں بہت گمراہ کیا
تجکو اے بندے خدا کے ہے مری پرواہ کیا

قامت رعنا کا تیرے جب سے ہے ہمکو خیال
دل سے نکلی ہے ہمارے ایک سیدھی آہ کیا

بیطرح چاہ زنخدان کی ہوئی ہے دلکو چاہ
دیکھیں ڈانو اڈول کرتی ہے اسے یہ چاہ کیا

لاغری سے عشق نے دیکھو لگائے پر مجھے   اوڑتا پھرتا ہوں ہوا سے میں پرنگ گاہ کیا
اس پری کو دیکھ کر دیوانہ یہ جو بن گیا   بیٹھے بیٹھے ہو گیا دل کو مرے اناگاہ کیا
ہمپہ گر تیغ آزمائی اب تجھے منظور ہے   کر تو بسم اللہ دیکھے ہے اجل کی راہ میں

یہ ستارے کی ہے گردش اے ظفر گھبرا نہیں   دیکھنا تیرے بنا ناکام ہے اللہ کیا

تیرا اس نے کمان سے کھینچا   اور تیغا میان سے کھنچا
نقشہ نقاش سے ترا بہتر   ہم نے ہے اپنے دھیان سے کھنچا
اتنی طاقت کہاں کہ نالہ دل   جائے اس ناتواں سے کھنچا عجب اندزوآن سے کھنچا
کھینچا اس نے جو ہم پہ عجز ناز   وار پر امتحان سے کھنچا
تو نے اے بدگماں ہزاروں گو   ہاتھ دونوں جہاں سے کھنچا
تیرے عاشق نے عشق میں ترے   رنج اپنی زبان سے کھنچا
اے ظفر بدزباں نے دنیا میں

دیگر

لے کے دل دیتے نہیں کیوں نہ ہو درپھر دنگا
شوخ چشموں کو اگر دیکھے کوئی کیا دیکھے   نادہندوں کے سدا رہتا ہے گھر پر دنگا
غم و حسرت کا ہے ہنگامہ ہمیشہ دل پر   کہ مچا دیتے ہیں یہ ایک نظر پر دنگا
ہر جگہ دولت دنیا کا ہے عالم میں فساد   نالہ و آہ کا ہر دم ہے جگر پر دنگا
فتنہ انگیز ہے وہ چال تمہاری جس سے   ہے کہیں مال پہ دنگا کہیں زر پر دنگا
دل پہ اندوہ کا انبوہ نہ سمجھو کہ یہ ہے   سر ہر کام ہے ہر راہگذر پر دنگا
منزل امن ہے عالم میں رہ خیرو صلاح   ونگفنی فوج کی سردار کے سر پر دنگا

ردیف الباي موحدہ   غرض کہ آپ بھی ہیں واہ ذوفنوں کیا خوب

جو کچھ کہوں تو بتاؤ مجھے جنوں کیا خوب   دل اپنا دوں تمھیں میں اپنی جاں دوں کیا خوب
تم ایک بوسہ نہ دو مجکو اور یو ہیں مفت   اے ظفر ہے روش فتنہ و شر کا دنگا
بھولائے نیم نگہ میں جو اک جہاں کے ہوش   تمہاری چشم کو بھی یاد ہے فسوں کیا خوب
چمک کو دیکھ کے اس کی پڑے نہ برق کو کل   ترے ہی پا نو نمیں کفش کلابتوں کیا خوب
جو خوب رنگ حنا چاہتے ہو ہاتھوں میں   تو دیکھو رکھتا ہے سرخی ہمارا خوں کیا خوب
تمہاری بزم میں غیروں سے ہووے سرگوشی   ہم آہ بیٹھے رہیں چپکے سرنگوں کیا خوب
ہزار خوب ہوں عالم میں خوبرو لیکن   ترے مقابلہ میں انکو میں کہوں کیا خوب
بہا رہے ہیں جو یہ اشک میرے دیدۂ تر   بجھیگی ان سے مری سوزش دروں کیا خوب

بہار لالہ چمن بن ندکھی انکو دکھی　ظفر ہیں یار کے رخسار لالہ گوں کیا خوب
صورت شبنم نہ یہاں ہر گل سے سرگوشی ہے خوب　اس چمن میں غنچہ کے مانند خاموشی ہے خوب
خواب میں کس کے لب میگوںکا بوسہ لے لیا　آج جو ہم کو نہیں کچھ ہوش بیہوشی ہے خوب
جو کہا غیروں نے تم سے تم نہ رکھو دل میں یاد　یاد رکھو ایسی باتوں میں فراموشی ہے خوب
عید کے دن بھی نہیں ہوتے بغلگیر آن کے　ان دنوں غیروں سے جو ان کو ہم آغوشی ہے خوب
جس جگہ اہل ہنر کے بے ہنر ہوں عیب جو　واں ہنر کے فاش کرنے سے ہنر پوشی ہے خوب
چڑھ رہی آنکھیں ہیں تیرے چہرہ ہے اترا ہوا　کی کسی کے ساتھ تو نے آج مے نوشی ہے خوب
تاب حسن یار دریا میں پڑے جیسے ظفر　کر رہی ہر موج دریا بادلہ پوشی ہے خوب

دیگر

یوں گم ہو جذب عشق کی تاثیر یا نصیب　اتنی ہو ان کے آنے میں تاخیر یا نصیب
تقدیر کے بگاڑ کی تدبیر کیا کریں　بنتی نہیں ہے کوئی بھی تدبیر یا نصیب
دل کو ہوئی نصیب نہ میرے شگفتگی　گا ہے برنگ غنچہ تصویر یا نصیب
اس بیوفا نے قتل پہ باندھی میرے کمر　سمجھا مری وفا کو وہ تقصیر یا نصیب
منت ہی کے بہانہ سے دیوانہ کو ترے　طفلی میں بھی نصیب ہو زنجیر یا نصیب
سیراب تشنگان شہادت نہونے پائے　بے آب ہو گئی تری شمشیر یا نصیب
اس شہسوار حسرت فتراک میں ترے　جی دے تڑپ تڑپ کے یہ نخچیر یا نصیب
کیونکر کہوں میں ان کو برا وہ برے نہیں　کرتی برائی مجھ سے ہے تقدیر یا نصیب
یا خم اٹھا کے منہ سے لگا لیتے تھے مدام　یا کانپتا ہے دست قدح گیر یا نصیب

دیگر

دیتے ہیں تجکو ہم دل بیتاب کے کباب　کیاطرفہ تر ہیں ماہی بے آب کے کباب
مژگاں پہ ٹکڑے یہ دل پر خوں کے ہیں کہاں　ہیں تیغ پہ لگے ہوئے سرخاب کے کباب
کھائیں دل برشتہ نہ کیوں پی کے اشک ہم　دیتے مزے ہیں ساتھ مے ناب کے کباب
یہ دشمنوں کے ساتھ تری گرم جوشیاں　کرتے ہیں دل کو رشک سے احباب کے کباب
زاہد تمام عمر مزے ہی لیا کرے　دے بادہ کش جو منہ سے کوئی چاپ کباب
کرتے ہیں نسر طائر گردوں کو تفتہ دل　شعلہ سے اپنی آہ جگر تاب کے کباب
کہتے ہیں جس کو عشق وہ ہے اس بلا کی آگ　ہو جائیں جس سے طائر سیماب کے کباب
جیسے کئے ہیں ٹکڑے مرے دل کے عشق نے　ایسے بنے نہ ہاتھ سے قصاب کے کباب
جو آبروئے عشق میں عشق میں آنسو کو اے ظفر　ہے ایسے منہ پہ گوہر خوش آب کے کباب

منعم و مفلس ہیں دونوں بزم ہستی میں خراب　　　مال مستی میں ہے یہ وہ فاقہ مستی ہیں خراب
ہیں بھویں تیر وہ آفت ہوویں جس کے ہاتھ سے　　　وہ جہاں یک ضربت تیغ دو دستی میں خراب
یہاں ترقی و تنزل سے مثال گرد باد　　　گہ بلندی میں ہیں ہم اور گاہ پستی میں خراب
صرف ہو جام وسبو میں خاک اپنی ساقیا　　　تانہو مٹی ہماری مے پرستی میں خراب
تنگدل کو یوں خرابی میں رکھے دست فراغ　　　جس طرح سے ہووے کوئی تنگدستی میں خراب
قیس اور میں عشق میں دونوں ہیں آوارہ مگر　　　وہ ہے جنگل میں خراب اور میں ہوں بستی میں خراب
حق پرستی کا جنہیں دعوے تھا اپنی اے ظفر　　　عشق کے ہاتھوں سے ہیں وہ بت پرستی میں خراب

ہے تیرے قد کے سامنے سروچمن خراب　　　ہیں تیرے رخ کے آگے گل یاسمن خراب

مطلع ثانی

دل کو کرے گا خوب یہ دیوانہ پن خراب　　　اس کے ابھی سے ڈھنگ برے ہیں چلن خراب
جس طرح وقت صبح کے فانوس میں ہو شمع　　　یوں حال دل جلونکا ہے زیر کفن خراب
کریگی صوفیوں کو خراباتیوں کی طرح　　　اک پل میں چشم ساقی یماں شکن خراب
جیسے نہیں چمن میں تو اے رونق چمن　　　بلبل خموش گل ہیں پریشاں چمن خراب
پروانہ کو یہ اپنے جلانے کی لو لگے　　　پھرتا ہے گرد شمع پے سوختن خراب
اپنے صفائے گوہر دنداں جو تو دکھائے　　　کوڑی کے تین تین ہوں در عدن خراب
قاتل سنبھل کے قتل کر ایسا نہو کہ ہو　　　چھینٹوں سے میرے خون کی ترا پیرہن خراب
تو اور بحروقافیہ میں لکھ غزل ظفر　　　اس طرح کو کہیں اگر اہل سخن خراب

دیگر

ہمارا اور عالم ہمکو اس عالم سے کیا مطلب　　　کسی سے کیا غرض ہمکو کسی کو ہم سے کیا مطلب
تماشے سب جہاں کے ہم نے دیکھے ساغر مے ہیں　　　قسم آنکھوں کی ساقی ہمکو جام جم کیا مطلب
جراحت میں مرے کچھ نون مرچیں پیسکر بھر دو　　　کہ ہے یہ زخم عاشق کا اسی مرہم سے کیا مطلب
عرق آلود عارض تیرے دیکھوں اے گلستا نرو　　　مجھے کیا کام گلشن سے گل و شبنم سے کیا مطلب
سیہ بختی اپنے اس بلا کے بیچ میں آیا　　　وگرنہ دل کو میرے زلف درخم سے کیا مطلب
جو یہ سمجھے کہ ملتا ہے وہی جو کچھ ہے قسمت میں　　　رہا اونکو ظفر پھر بیش و کم سے کیا مطلب

رولیف الباری فارسی

یا تو وہ ہر روز اس شیریں شمائل سے ملاپ
یا کبھی برسوں میں بھی ہوتا ہے مشکل سے ملاپ

یار کے ابرو کج ہے میل ماہ نو سے کیا
بلکہ ہو رخسار کا بھی ماہ کامل سے ملاپ

یون جو مل بیٹھے تو کیا ہے دل لگی کا جب مزا
دونوں ہم تم ایکدن ہوں دل کا ہو دل سے ملاپ

چومتا ہوں میں لب ہر زخم سے اس تیغ کو
جو کہ رکھتی ہے زیادہ دست قاتل سے ملاپ

دنیا سا بھی لگ چلنے والا تو تو خال خال
جو بڑھائے لگے خال رخ سے تل تل سے ملاپ

گر فرادہ کہ پہونچوں منزل مقصود کو
عشق سے مل جل بچھوڑا اس سر منزل سے ملاپ

جس کو ہو جہل مرکب اس سے کوسوں دور بھاگ
اے ظفر اچھا نہیں ہے ایسے جاہل سے ملاپ

ساتھ میرے چلے چلو چپ چپ
راہ میں تم نے کچھ کہو چچ چچ

گھر چل کر شکاتیں کرنا
یہاں نے مجھ سے گلہ کرو چپ چپ

کہیں ایسا نہو سنیں دو چار
مجھ کو تم ایک بوسہ دو چپ چپ

راز پنہاف فغاں سے کھلتا ہے
حضرت دل بس اب رہو چپ چپ

میرے جاتے ہی ان کے غیروں سے
پھر لگی ہونے گفتگو چپ چپ

بوسہ چشم سرمہ سا دیدش
منہ سے کیا مجھ سے کہتے ہو

بولتے تم تو کیا غضب کرتے
سو ستم کرتے ہو بتو چپ چپ

ابھی صیاد کی لگی ہے آنکھ
نہ کرو شور بلبلو چپ چپ

دل کسی غنچہ لب کو تم نے دیا
اے ظفر تم جو رہتے ہو چپ چپ

گر موسم گرمی میں ہوئی تیز بڑی دھوپ
ہر سوزش دل سے مرے ڈھنڈی وہ پڑی دھوپ

پہونچے جو مرے نالہ سوزاں کی نہ گرمی
خورشید سے ہوتا یہ قیامت کڑی دھوپ

اجس جلوہ سے یوں خشک لہو کے ہوئے آنسو
جس طرح سکھا دے کوئی پھولوں کی لڑی دھوپ

زلف ورخ جاناں سے ہیں برسات کے دن روز
کم کر دی جو دن کش تری مسی کی دھڑی دھوپ

دانتوں کی چمک انجم شب تاب دکھا دے
یا ابر کے دامن میں سے چھن چھن کے جھڑی دھوپ

ہے عکس فگن زلف سے اس کج رخ پر نور
کھاتی ہے ظفر باغ میں ہر شاخ کھڑی دھوپ

میرے نفس سرد کی سردی سے اکڑ کیا

کیوں دانت نکالے ہے تو اے رشک قمر ڈھانپ
درج دہن تنگ میں یہ گوہر ڈھانپ

اے پردہ نشین حسرت دیدار میں تیرے
ہم چپکے پڑے روتے ہیں منہ دو دوپہر ڈھانپ

بیغم ہوں کیوں الم سے دل عاشق بھر
لیتی ہے اے باغ محبت کی سپر ڈھانپ

مارا ہے مجھے غمزا پنہاں سے جو تونے تو منہ تو مری گور پہ بادیدہ تر ڈھانپ
کثرت سے ستاروں کے فلک چھپ نہیں سکتا لین گے اسے اس نالہ سوزاں کے سر ڈھانپ
تر ہو عرق شرم سے کیا کیا رخ خورشید لوں سینہ میں اپنے جو تہ میں داغ جگر ڈھانپ
نازاں ہو نہ دکھلا کے کسی کو ہنر اپنا تو ڈھانپ سکے عیب کس کا تو ظفر ڈھانپ

سبب ہے کیا جو وہ یوں اپنے مہربان ہیں چپ نہ بولتے ہیں نہ ہنستے ہیں غنچہ ساں ہیں چپ
وہ لے رہے ہیں مزے ناوک ستم کے ترے پڑے ہوئے جو ترے صید نیم جان ہیں چپ
دکھاتے اپنی وہ تمکیں ہیں اور ہم حیرت غرض کہ چپ میں وہاں وہ تو ہم یہاں ہیں چپ
بندھا ہے ہم سے وہ مضمون خال لب تیرا کہ جس کو سن کے ہوئے سارے نکتہ ہیں چپ
زباں ہے منہ میں ہمارے بھی پر ترے ڈر سے ہمیشہ رہتے ہم اے شوخ بدزبان ہیں چپ
بیاد ہو کہ خزاں مثل بلبل تصویر ترے فریضہ اے رشک گلستان ہیں چپ
ظفر نہیں ہے اگر باغبان کا کچھ کھٹکا تو آج کیوں ہوئے مرغان بوستا ں ہیں چپ

ردیف التای فوقانی

شانہ اس زلف کے ڈالے ہے شکن میں انگشت کون یوں دیتا کالے کے دہن میں انگشت
کر دیا فاختہ کو عشق میں انگشت نما سرونے اپنی اٹھائی چمن میں انگشت
کریں اس چشم مقلس سے اگر ہم چشمی تو کروں چشم غزالاں ختن میں انگشت
دیکھ اس مانگ کو دانتوں کے تلے انجم نے کہکشاں نے ہے دیا چرخ کہن میں انگشت
خوانشاں ہے جو کسی پاے برہنہ کی خراش کیا حنائی ہوئی ہر خار کی بن میں انگشت
پوچھے قاتل کو اگر کوئی تو کشتہ تیر دے اوٹھا تیری طرف اپنی کش میں انگشت
دست نازک پہ ظفر اس کے ہو بار نگین ہو اگر خاتم یا قوت یمن میں انگشت

دیگر

اللہ تری مشت کماندار تنگ چست بیٹھا مرے جگر میں ترا ہر خدنگ چست
کیونکر بچاؤں جاں کو میں چشم یار سے باندھی کمر جو قتل پہ خانہ جنگ چست
کیا کیا چمن میں رشک سے غنچہ ہوا ہے تنگ رنگین قبا جو دیکھی ترے بر میں تنگ جست
اس چشم پہ ہے یوں دل پہ داغ روزنا آہو یہ جست کرتا ہے جیسے پلنگ جست
دنبالہ چشم یار میں سرمہ کا دیکھنا ہے دست ترک مست میں کیا ہی لفنگ چست
کہتے تو کوچہ گرد کہیے جہاں نورد ہر کام میں ہے عاشق بے نام تنگ چشت
مژگان ہیں تیرے کس سے لڑائی پہ مستعد ہے صف کی صف جو صورت فوج فرنگ چست
زاہد پڑا ہے مست اگر میکدہ کو جائے ہو جائے پی کے جام مے لالہ رنگ چست
مضمون شوق کی مرے تاثیر سے ظفر جو نامہ بر گیا سو گیا بید رنگ چست

دل نے ماریوں گھات میں چشم بت دلجو کی جست　　جیسے آہو گیر کرتا ہے طرف آہو کی جست
دل تو کہتا ہے کہ تو کر جست بام یار پر　　پر نہیں ہے نا توانی سے مرے قابو کی جست
صید ناوک خوردہ پر زور سے چھری لے کر جو وہ　　دیکھے اس دم کوئی اس شوخ کماں ابرو کی جست
میں ہوں وہ چالاک وحشت میں کہ میرے وقت قصد　　ہوش اڑے فصاد کے بھی دیکھ کر لوہو کی جست
بانس پر نٹ سے کہا چالاکی ایسی ہو سکے　　جیسے جوش گریہ سے گال پہ ہے آنسو کی جست
ہے زمین پر گاہ اور گاہ ہے فلک پر مثل برق　　کیا کہوں شوخی سے میں شوخ آتش خو کی جست
جا نہیں سکتا دل اس کے سامنے آ کر ظفر　　وہ بلا ہے اس خدنگ غمزہ جادو کی جست

واسطے اس غیر کے ہر وقت ہو خلوت کا وقت　　ہو کسی وقت نہ میرے لئے فرصت کا وقت
صبحدم اٹھ کے نہ ہم دیکھیں ترا منہ کیونکر　　نور کا وقت ہے قرآن کی تلاوت کا وقت
قامت یار کا آجاے ہے جس وقت خیال　　میرے حق میں ہے وہ ہو جاتا قیامت کا وقت
آئے مدت میں ہیں وہ جائیں نہ برہم ہو کر　　ناصحا جا نہیں یہ وقت نصیحت کا وقت
اس کی فرقت میں عجب حال ہے اس وقت اپنا　　ہم پہ ہر وقت گزرتا ہے مصیبت کا وقت
کیا کہیں اپنی مصیبت کی جدائی میں ترے　　ہے وقت اور گیا مہر و محبت کا وقت
اس زمانہ میں ظفر مہر و محبت ہے کہاں

کیا غضب ہیں تیز ظالم آرہ ہائے غم کے دانت　　ہیں یہ گڑ جاتے جگر میں عاشق بیدم کے دانت
در نداں سے ترے نسبت نہیں کیا رشک گل　　گو دہان غنچہ میں ہوں ہر گوہر شبنم کے دانت
عشق اس آہو نگہ کا ہے قوی دست اسقدر　　مارے گر منے پر طمانچہ جھڑ پڑیں ضیغم کے دانت
اس فلک کو دشمن عالم نہ میں کیونکر کہوں　　پیستا ہے یہ ہمیشہ سر پہ اک عالم کے دانت
کان کے بالے کے موتی الجھے بالوں میں نہیں　　ہیں یہ اس مار سیاہ زلف خم در خم کے دانت
سامنے آئے مرے گر عشق کے میداں میں　　کھٹے کر دوں اک دم میں اے ظفر رستم کے دانت
آشنا کون رہا جس سے رکھیں ہم صحبت　　نہ وہ ہمدم نہ وہ ہمدرد نہ وہ ہم صحبت
زلف کے چھیڑتے ہی ایسے ہوئے وہ برہم　　روشن زلف پریشان ہوئی برہم صحبت
کم نصیبی یہ ہماری ہے کہ جو غیروں سے　　انکا اخلاص بڑھا ہم سے ہوئی کم صحبت
کرتے کس لطف سے آپس میں ہیں یہ سرگوشی　　شیشہ و جم میں ساقی رہے جم جم صحبت
عشق میں ہیں تو یہی اپنے مصاحب دونوں　　ہم رکھیں کس سے سوائے الم و غم صحبت
دیکھنا اس رخ روشن پہ عرق کے قطرے　　رکھتی کیا مہر درخشاں سے ہے شبنم صحبت
چرخ ہے تفرقہ پرواز غنیمت ہے ظفر　　کہیں دیاروں میں نبھ جائے جو یکدم صحبت

دیگر

اپنے جلسہ میں کہاں عیش وطرب کی بات چیت	یا ہے چرچا غم کا یا رنج وتعب کی بات چیت
مطلع ثانی	اور ہے معلوم ہوتی تلخ سب کی بات چیت
	گالیوں میں بھی ہے ان کی اپنی ڈھب کی بات چیت
لگتی ہے شیریں ہمیں اس پستہ لب کی بات چیت	یاد ہے اس پرغضب کو اس غضب کی بات چیت
وہ خفا ہو کر کہتے ہیں تو ہم ہوتے ہیں خوش	ہم نہیں کر سکتے ان سے کچھ طلب کی بات چیت
قتل کر ڈالے ہزاروں کو ابھی اک بات میں	ہے خدا جانے یہ کب کا ذکر کب کی بات چیت
وہ خوشی سے اپنے دیتے ہیں کوئی بوسہ ہمیں	تو نے اے شانہ سنی اس بے ادب کی بات چیت
باتیں اگلی سی عنایت کیں ہیں اب تم میں کہاں	میکدہ ہے ہم ہیں اور ربت غب کی بات چیت
زلف سرگوشی کرے ہے رکھ کے اس کے منہ پہ منہ	اے ظفر اس نے نہیں یہ بے سبب کی بات چیت
مدرسہ ہے تو ہے واعظ اور ذکر حور عین	
حرف رنجش درمیان آنے کا ہے کچھ تو سبب	

دیگر	ہیں ہم بھی عجب کوئی بلا نوش بلا چٹ
کیا بوسہ تری زلف کا شب لے ہی لیا چٹ	لیگا وہ ابھی دل سے کوئی بات بنا چٹ
ڈر اس بگڑنے کا نہیں ڈر ہے تو یہ ہے	دینگے یہ تجھے چٹکیوں میں دکھا اوڑا چٹ
جائیں گے چٹک غنچے اگر باغ میں بلبل	زلفوں کی ہمیں لیتی بلائیں ہیں چٹا چٹ
شانہ کی کبھی ایک چٹکی نہیں انگلی	آتا ہے تو آجاتا ہے بس منہ میں مزا چٹ
جب بوسہ لعل نمکین یاد کسیکا	کرجائے گا عاشق ترا اے ہوش ربا چٹ
تو زہر بھی دے گا تو اسے شہد سمجھ کر	جب تک نہ کرے ریش کو رندوں میں صفا چٹ
ہو یکسر مو دل میں نہ زاہر کی صفائی	جب دل میں کھچاوٹ ہوئی یہ ٹوٹ کیا چٹ
ہے تار محبت بھی عجب رشتہ نازک	کرجائے ہے اک روز ظفر سب کو قضا چٹ
اچھے سے نہ کام اس کو نہ مطلب ہے برے سے	لیکن نہ بت غیروں میں باتیں بنا کے کاٹ
ظالم بلا سے سر کو تو اس مبتلا کے کاٹ	دن جس طرح کٹیں یہ مصیبت اٹھا کے کاٹ
اے دل اوٹھا نہ ہاتھ محبت سے ہجر میں	شبنم چمن میں دے ابھی ہیرا کھلا کے کاٹ
ہمسر جو تجھ سے گل ہو تو اس کا جگر تمام	چھیڑا اگر ہے دل نے تجھے اس کو جا کے کاٹ
اے مار زلف یار مجھے کیوں ڈسے ہے تو	دیتے ہیں رات ہجر میں اس مہ لقا کے کاٹ
گن گن کے تارے کرتے ہیں ہم صبح اس طرح	چورنگ کاٹ تیغ نگہ کا دکھا کے کاٹ
حاضر ہیں چاروں سینہ ودل جان اور جگر	

منظور کوہ غم کا ہے گر کاٹنا تجھے   نالہ کو اپنے تیشہ ظفر تو بنا کے کاٹ

جس وقت ترے تجھ سے طرف دار گئے ٹوٹ   جو جو کہ ترے دل میں تھے پندار گئے توٹ

مطلع ثانی

اب تو ترے پیمان سبھی یکبار گئے ٹوٹ   آگے تو یہ تھا چادر رہے چار گئے ٹوٹ
ٹکرایا سر اپنا تری فرقت میں یہ ہمنے   سب گھر کے ہمارے درو دیوار ٹوٹ
ہے رنج مجھے سینے کے کیوں ابلے پھوٹے   افسوس مرے گوہر شہوار گئے ٹوٹ
دل سنگ ہے گر تیرا تو کیا ان سے حذر کر   یہ نالے وہ ہیں جن سے کہسار گئے ٹوٹ
صیاد و جفا پیشا نے چھوڑ ابھی تو کسوقت   جب نالہ وہ ہیں جن سے کہ کہساد گئے ٹوٹ
اس طرح لگایا ہے گلے سے تجھے کس نے   جو آج گلے کے یہ ترے ہار گئے ٹوٹ
تیروں کو تری جب مرے سینہ سے نکالا   پیکاں کئی ٹوٹے کئی سوفار
عاشق جو ہوئے اسپہ ظفر کافر و دیندار   آپ آپ میں سب سمجھ و ز گئے ٹوٹ

دیگر

وہ کھا گئے سو بار مری آگے قسم جھوت   اور پھر ہے یہ دعوی کہ نہیں بولتے ہم جھوٹ
جو سوز محبت سے لگی آگ سے دل میں   تم اس کو بجھا سکتے ہو اے دیدہ نم جھوٹ
وہ چاہیں سو لکھیں ہمیں پر ہم انہیں قاصد   کیا دخل کریں خط میں جو یکحرف رقم جھوٹ
کیا دیکھا خدائی میں اگر تجکو نہ دیکھا   یہ بات ہے سچ ہاں نہیں اللہ صنم جھوٹ
ہے ابرو پرخم کا ترے اور پہ عالم   اور جیتنے بیا کیجے ترے لطف و کرم جھوٹ
جو ظلم و ستم کیجے ترے سچ ہے ستمگر   لیکن نہیں عاشق کا ترے قصہ غم جھوٹ
جو اور کہانی ہے وہ جھوت سراسر   کہتے ہیں کہ و مباز ہو تم دیتے ہو دم جھوٹ
دیتے ہیں ہم اوپنہ تو وہ ناز سے ہنسکر   کتنا وہ ظفر بولتے ہیں ہائے ستم جھوٹ
سو بار کہا آنے کو یکبار نہ آئے

چھپ گئے تھے آپ ہم کو دیکھ کر سچ ہے کہ جھوٹ

دیگر   اے صبا تو سچ بتا دے یہ خبر سچ ہے کہ جھوٹ

رات کو جاتے تھے تم غیرو نکے گھر سچ ہے کہ جھوٹ   ہم جو کہتے ہیں تمہیں رشک قمر سچ ہے کہ جھوٹ
ان کے آنے کی سنی ہے ہم نے اوڑتی سی خبر   دیکھتے ہیں جذب الفت میں اثر سچ ہے کہ جھوٹ
اپنا جلوہ تم دکھا دو سب کرتا معلوم ہو   پر خدا جانے لکھا اے نامہ بر سچ ہے کہ جھوٹ
کھنچتے ہیں آج اے دل ان کو ہم اپنی طرف   کوئی کیا جانے مرا سوز جگر سچ ہے کہ جھوٹ

خط میں تو ہے سر بسر مضمون الطاف و کرم — پر خدا جانے لکھا اے نامہ بر سچ ہے کہ جھوٹ
جب تلک جل بھن کے سرتاپایا نہ میں ہو جاؤں خاک — کوئی کیا جانے مرا سوز جگر سچ ہے کہ جھوٹ
عشق میں جو حال ہے میرا نہیں اس میں خلاف — قصہ مجنون خدا جانے ظفر سچ ہے کہ جھوٹ

قول بھی جھٹ قسم بھی بت گمراہ کی جھوٹ — جو کہے وہاںسے جانو قسم اللہ کی جھوٹ
لوگ کہتے ہیں تجھےمہروش ومہ رخسار — نہ تو یہ مہر کی ہے شکل نہ ہے ماہ کی جھوٹ
آشنا کون ہو اور چاہے تجھے کون کہ ہے — روش الفت کی غلط طرز تری چاہ کی جھوٹ
سنگدل ہے یہ وہ پتھر کہ نوموں کبھی — ہوئی لمیں ترے تاثیر مری آہ کی جھوٹ
تم جو ہر بات پہ ٹھہراتے ہو جھوٹا کہیے — دیکھی بات آپ نے کیا بندہ درگاہ کی جھوٹ
منہ سے لوگوں کے یہ سنتے ہیں آج آئیں گے وہ — پر خدا جانے خبر سچ ہے کہ افواہ کی جھوٹ
اے ظفر لمیں ہے جو تیرے وہ سے جانتے ہیں — بول محفل میں نہ یاران دل آگاہ کی جھوٹ

ہمارے پاس جب سوتے ہو تم نہیں کروٹ — چڑھے ہو آج سینہ پر کریں گے خوب چٹ پٹ
یہیں کر استراحت آج تو گھر سے نجا میرے — ادھر بچھا چھپر کھٹ ادھر بچھا ہوا سرکٹ
وہ پٹ پٹ غیر سے کرتے ہیں باتیں سامنے میرے — گریں کیونکر نہ مرے اشک حسرت آنکھ سے پٹ پٹ
تماشا قدرت حق کا نظر آئے تجھے زاہد — اٹھاوے وے بت کافر اگر منہ سے ذرا گھونگھٹ
نہ اٹھیں کشتہ رفتار تیرے شور محشر سے — سنیں جب تک نہ کانوں سے ترے پاؤں کی وہ آہٹ
پسینے سے ہمارے آج ہے بوئے گلابی آتی — ہوئے تھے خوب میں بس گلبدن سے بجو ہم عث بٹ
مجال آستاف بوسی ظفر یوں تو نہیں ہم کو — تصور سے مگر ہم چومتے ہیں یار کی چوکھٹ

ردیف الثائے مثلثہ

خدا جانے ترا کل سے نہ یہاں آنے کا کیا باعث — ہوئی تقصیر کیا ہم سے قسم کھانے کا کیا باعث
کوئی مفسد ملا رستے میں اس نے تم کو بہکایا — کہ یہاں تک آکے الٹے گھر کو پھر جانے کا کیا باعث
نہیں کھلتا کہ کس بیمار کو ہے یاس صحت سے — مقفل ہے جو دروازہ شفا خانہ کا کیا باعث
کوئی وحشت سے یہ پوچھے کہ ہم سے خاک زادوں کو — بگولے کی طرح صحرا میں روڑانے کا کیا باعث
تمہارے زلف سے اولجھے ہے شانہ اس سے برہم ہو — بگولے کی طرح صحرا میں دوڑانے کا کیا باعث
لگا دو منہ سے منہ میرے تم اپنا گھونگھٹ — کہ پیادے ساتھ سونے میں ہے شرمانے کا کیا باعث
چلے آؤ ظفر کے ساتھ ہنستے بولتے پیارے — برابر آتے آتے پیچھے رہ جانے کا کیا باعث

اس اندھیرے میں کہاں ڈھونڈیئے کتار کا کھوج

سایہ زلف میں گم ہے کمر یار کا کھوج
نہ رہا در کا پتہ اور نہ دیوار کا کھوج

سیل گریہ سے ہوئی خانہ خرابی ایسی
نہ ملا پر نہ ملا میرے دل زار کا کھوج

کوچہ زلف میں گوشانہ پھر اسر گرداں
کر جو ڈھونڈھا تو نیا یا بلبل گلزار کا کھوج

جب رخصت ہوئی پرواز قفس سے ہم کو
بستر غم پہ ترے عاشق بیمار کا کھوج

لاغری سے ہے یہ حالت کہ نہیں ہاتھ آیا
نہ کہیں جنس کا پایا نہ خریدا کا کھوہ

نہ وفا دیکھی نہ دیکھا کوئی خواہان وفا

مٹ گیا اس ترے حسرت کش دیدار کا کھوج

قطعہ
تر ہے دیں کا نشان اور نہ دیندار کا کھوج

رفتہ رفتہ روشن چشم نشان کف پا
کہ نہ پیکاں کا ملا اور نہ سوفار کا کھوج

زلف کافر تری برہم زن اسلام جو ہو

یوں گیا ہے گزر میرے ظفر تیرا اس کا

ہوا ہے عہد میں ظالم ترجفا کا رواج
کہاں ہے رسم محبت کہاں وفا کا رواج

جو دیکھیں خوں سے بھرے ہاتھ نگار کے سرخ
تو گلزار میں نہ ہرگز رہے حنا کا رواج

ترا مریض کرے کیا کہ درد فرقت میں
نہ ہے دوا کا رواج اور نہ ہے دعا کا رواج

جھکا رہی ہے جو یوں چشم سرگین نرگس
ابھی ہے کچھ چمن دہر میں حیا کا رواج

کرے نہ کیونکر وہ عاشق کا بے تامل خون
کہ جانتا ہی نہیں اسمیں خون بہا کر رواج

بدن پر سمجھے ہے مجنون برہنگ کو لباس
دیا جنوں نے اٹھا جامہ و ادا کا رواج

جہان مین پہلے تھے خون ادا پر ایسا نہ تھا
کیا کدورت دل نے یہ کم صفا کا رواج

وہ خط بھی لکھتے ہیں خط عباد سے ہو کو
کہ ہے فریب کی رسم ان میں اور دغا کا رواج

سمجھ کرو بچو ظفر دلبروں کو دل اپنا

دیکھو کس خوبی سے ہے ابرو میں اس دلجو کی کج
دیکھا ہو دیگا نہ ایسا شاخ میں آہو کی کج

چرخ کجرو سے نہیں جاتی ہرگز کجر دی
اے عزیز و ہے طبیعت سے کچھ اس بدخو کی کج

دیکھتا ہے خم شمشیر صفا ہانی کی کیا
اے مبصر دیکھ تو تلوار اس ابرو کی کج

سر نہ اوٹھا ضعف سے جھکلکر جو نرگس کی طرح
رہ گئی گردن مریض نرگس جادو کی کج

بانکپن کی چال چلتا جیسے ہے وہ مست ناز
ہے کہاں رفتار ایسی موج آب جو کی کج

مارا ہے کس کج ادائی سے خراجاتے اسے
قبر میں بھی جو تیرے کشتہ گیسو کی کج

بانکپن پھبتا ہے اس کو اے ظفر زیبا ہے سب
ہو کلہ کج یا کہ ہودستار اس مہ رو کی کج

تو لکھ کے خط بھیج زبانے خبر تو بھیج
پر آدمی جو بھیجے کوئی معتبر تو بھیج

پھولوں میں اپنے کشتہ کے ظالم گیا نہ تو
دوچار پھول آ سکے کبھی گورپر تو بھیج

کوئی تو روئے گور غریباں پہ اے فلک
آئے اگر نہ شمع کبھی ابر تر تو بھیج

صیاد نے نجانے دیا مجکو باغ تک
لیکن صبا کے ہاتھ دئے میرے پر تو بھیج

خط دے کے نامہ بر کو نہ بھیجا تو کیا ہوا
دیتا ہوں ہاتھ اشک کے لخت جگر تو بھیج

یا رب اجل ہی آئے نے آئے اگر وہ یار
پر دردول کا میرے کوئی چارہ گر تو بھیج

دل سے نہیں ہے اور کوئی چیز تحفہ تر
تو بھجتا ہے تحفہ اسے اے ظفر تو بھیج

ہم نہ ہیں مال کے محتاج نہ زر کے محتاج
ہیں فقط تیری عنایت کی نظر کے محتاج

خواہش بوسہ ہے تیرے لب شیریں سے مجھے
اے شکر لب نہیں ہم قندو شکر کی محتاج

نورافزا اے بصر جبکہ ہیں تیرے رخسار
وہ نہیں روشنی شمس و قمر کے محتاج

یا کبھی رہتے تھے گلشن ہی میں یا مدت سے
ہم قفس میں ہیں صبا گل کی خبر کے محتاج

اشک لخت و جگر اپنی جو یہ دامن میں
ان کے دولت نہیں ہم لعل و گہر کے محتاج

جو تری تیغ غم عشق سے ہوں سینہ سپر
وہ بجز داغ جگر ہوں نہ سپر کے محتاج

چشمہ و دجلہ و جو بحرو سحاب نیسان
اے ظفر سب میں ہیں مرے دیدہ تر کے محتاج

ہیں ترے شیفتہ ومال نہ زر کے محتاج
بھوکے اک ناز کے ہیں ایک نظر کے محتاج

جو کو بوسہ ہو میسر لب شریں کا ترے
اب شکر لب وہ نہ ہوں قندر و شکر کے محتاج

دیکھے کس کے بھروسے پہ دل اپنا اس کو
نالہ و آہ تو دونوں ہیں اثر کے محتاج

سامنے تیغ غم یاد کے سر باز وفا
ہوں بجز داغ محبت نہ سپر کے محتاج

اشک لخت جگر اپنے کی بدولت عاشق
ہوں نہ دیا میں کبھی لعل و گہر کے محتاج

نکہت گل کی روش رہتی ہے جو خانہ خراب
وہ مسافر نہیں اسباب سفر کے محتاج

دل سے ہے دل کو ظفر راہ نہو کی ہرگز
ان کے ہم اور ہمارے وہ خبر کے محتاج

ردیف الجیم فاری

تو ہاتھ قتل خلق سے اے خانہ جنگ کھینچ

ہر ال سر پہ تیغ نہ یوں بید رنگ کھینچ
لے جاتی آشنا کو ہیں مثل نہنگ کھینچ

تو وہ ہے بحر حسن کہ ظالم تری بھوین
کیا منہ سے لیں مصور چین و فرنگ کھینچ

اے شوخ تجھ سے عالم تصویر کی شبیہ
دب جائے تیرا دست نہ یہاں زیر سنگ کھینچ

فرہاد دیکھ کو کنی میں نہ ہاتھ ڈال
اے چارہ گر نہ سینہ سے اس کا خدنگ کھینچ

نکلا جو یہ تو جائے گا دم بھی مرا نکل
لے تیری زلف خم بخم اے شوخ و شنگ کھینچ

سر مارے پہ نچھوٹے جسے مار کر کمند
اے چارہ گر نہ سینہ سے اس کا خدنِ کھینچ
کھنچتا ہے مجھ سے اور بھی یہ غنچہ لب ظفر
لے تیری زلف خم بخم اے شوخ و شنگ کھینچ
لیتا ہوں دل سے آہ میں ہو کے تنگ کھینچ

نہ پیچ یا رائے دل نے کچھ رقیب کا پیچ
یہ اپنے بخت کا ہے پیچ اور نجیب کا پیچ
وہ پیچ کرتا ہے رہنے دے کیونکر پاس مجھے
کہ جان جاتا ہے باشندہ ہاں فریب کا پیچ
کھلے ہے دام کے رشتہ کا پیچ کب صیاد
پڑا ہوا ہے یہ تقدیر عندلیب کا پیچ
تمہاری زلف کا ہے پیچ وہ بلا کہ ڈر سے
بلا بھی دیکھ کے اس اژدر مہیب کا پیچ
مریض عشق ہو جانبر وہ اسے کیا ممکن
یہ نسخہ لکھنا دلاسے سے ہے طبیب کا پیچ
بگولا اس کو نہ سمجھ کہ دست غربت میں
یہ کھا رہا ہے غبار اب کسی غربت کا پیچ
سب اس زمانہ میں یکساں ظفر ہیں دشمن دوست
کہ جو ہے پیچ عدو کا وہی حبیب کا پیچ

پھیرلی اس نے مجھے دیکھ کے چتوں سچ مچ
ہو گیا پھر کے وہ مجھ سے مرا دشمن سچ مچ
باؔ میں کرتا ہے ہر گل چاک گریبا اپنا
کیا تجھے دیکھ کے دیوانہ گیا بن سچ مچ
کیا ستم ہے مرے جانب سے جو کچھ میرے عدو
جھوٹ موٹ اس سے کہیں جا کے وہ پرفن سچ مچ
گریہی جوش ہے گر یہ کا تو کوئی دم میں
پاٹ دریا کا بنے گا مرا دامن سچ مچ
گل جو پھولے نہیں جامہ میں سماتے ہیں صبا
آیا کیا باغ میں وہ غیرت گلشن سچ مچ
ابھی مرجاؤں اگر مجھ کو یقین ہو کہ وہ شوخ
آئیگا گور پہ میرے پس مردن سچ مچ
یوں ملی زلف ہوا سے کہ ڈرا میں دل میں
کاٹ کھائے گی ابھی ڈر کے یہ ناگن سچ مچ
برگ گل بنگئے برگ گل سوسن سچ مچ
جب مسی سے ہوئے رنگین لب نازک اس کے
بن گیا عشق میں اس بت کے برہمن سق چ
قشقہ ماتھے پہ ہے زنار گلے میں ہے ظفر

نقاش نقشہ کھینچ سکے اس کا گر تو کھینچ
کیا کھنچتا ہے دیکھیں وہان و کمر تو کھینچ
کیوں کھنچتا عبث ہے دلا آہ بے اثر
گر جانتا ہے کچھ بھی ہے اس میں اثر تو کھینچ
قمری پہ کیا کریگا ستم اور عشق سرد
ڈالا گلے میں طو دیا دار پر تو کھینچ
بولے گا اس کے سامنے اے غنچہ منے ہے کیا
باہر تو اپنا جیب خجالت سے سر تو کھینچ
کیوں دیر کر رہا ہے اگر میرے قتل پہ
تلوار تو نے باندھی ہے اے فتنہ گر تو کھینچ
کہتا ہے جذب شوق کہ میں کھینچ لوں پہاڑ
اس تنگ دل کو لائے کبھی یہ ادھر تو کھینچ
ایسے نہیں ہیں وہ تو چلے آئیں ابھی
تو ان کا انتظار ظفر دوپہر تو کھینچ

دیگر

ہم پہونچے وہاں جو لانگ کے گھر تین چار پانچ جاسوس آئے ساتھ نظر تین چار پانچ

مطلع ثانی

تجھ بن جو کاٹے میں نے پہر تین چار پانچ مجھ پر گئے برس وہ گذر تین چار پانچ
جیسا کہ آسماں پہ ہے یہ آسماں ایک ایسے ہیں میرے داغ جگر تین چار پانچ
ہیں ہم سے وہ پھرے ہوئے لیکن ہم آپ بھی کرتے روز پھرے ادھر تین چار پھانچ
ارواح تین غلط ہیں چار اور حواس پانچ ہیں یہ بڑے رفیق بشر تین چار پانچ
ہیں دوست گر بہت سے بہت اپنے ایک دو اور کم سے کم عدو ہیں اگر تین چار پانچ
رہتے ہیں روز کوچہ میں قاتل ترے پڑے دوتین چار لاشے تو سر تین چار پانچ
خالی نہیں ہے عیب و ہنر سے کوی بشر ہیں یہ ستون دین کے ظفر تین چار پانچ
بارہ امام ہی سے ہے اسلام کو قیام

ردیف الحائے مہملہ

دل عشق میں جو میری نہیں مانتا صلاح ٹھہرائی اس کے جی میں ہے کیا جانے کیا صلاح
بہتر میرے حق میں نکل جانا شہر سے اچھی نکالی تو نے جنوں مرحبا صلاح
کیوں ڈوبتا ہے ةاا زنخدان یار میں اے دل یہ تجکو دیتا ہے کو ن آشنا صلاح
بک بک کے سر پھرا تو اپنا کہ پھر چکے جو دل میں اپنے ٹھہر گئی ناصحا صلاح
بسم اللہ ایک تیغ ستم شوق سے لگا بہتر ہے اب تو بس نہی اسے پر جفا صلاح
سرگوشی اس سے زلف جو کرتی ہے دمبدم شاید ترے پھنسانے کی ہے کچھ دلا صلاح

دیتا ہے کون کوچہ قاتل میں اپنا سر جب تک کہ اے ظفر نہیں دیتی قضا صلاح

گرچہ بجھائیں یار مری سو کسی طرح پر ایک سے نہ دل کی بجھے تو کسی طرح
ناخن سے تیرے پاؤں کے ہمسر نہ ہو سکے اے مہروش فلک پہ مہ نو کسی طرح
ہر چند ہے نصیب پہ موقوف وصل یار یہ چھوڑیے نہ اس کی تگ و دو کسی طرح
اس رنگ گندمی کا دلا آدمی سے شوق جبتک ہے زندہ کم نہو تجکو کسی طرح
مانیں نصیحتیں کہو کس کس کی ناصحو دس کہتے ہیں کسی طرح اور سو کسی طرح
میں ضبط گر یہ کرتا ہوں سو سو طرح مگر اشکوں کی میرے تھمتی نہیں رو کسی طرح

خورشید وارجن کے ہیں دل روشن اے ظفر   پڑ جائے ان کا مجھ پہ بھی پر تو کسی طرح

دیکھے اس ابرو کی جو تصویر کو اچھی طرح   پھر مبصر دیکھے کب شمشیر کو اچھی طرح
بن پڑھے خط پرزے پرزے یکقلم تم نے کیا   پڑھ تو لینا تھا مری تحری کو اچھی طرح
دیکھا جب گردش کو تیری چشم کی اے فتنہ گر   ہم نے جانا گردش تقدیر کو اچھی طرح
اپنی کیا اچھی عمارت پر ہو نازاں غافلو   دیکھ لو اگلوں کی یہاں تعمیر کو اچھی طرح
کاتب قدرت نے گرد اس مصحف رخ کے لکھا   کیا ہے خط خوب سے تفسیر کو اچھی طرح
دل سے گھر اچھا نہیں ہے کوئی اے ناوک فگن   بیٹھنے دے اس میں اپنے تیر کو اچھی طرح
ہو رہیں گے خار بھی مانوس پر اتبو جنوں   پاؤں پڑنے دے میری زنجیر کو اچھی طرح
جو تجھے منظور ہے کرنا وہی پرایک بار   سن تو لے ظالم مری تقدیر کو اچھی طرح

دے کر دل اس سنگدل کو کر چکے ہم امتحان   اے ظفر اس آہ بے تاثیر کو اپنی طرح

فقط ہے کیا لب ترا شراب کی روپ   تار ہے طرہ مشکیں بھی مشکناب کی روح
عجب نہیں ہے نیر آہ سے میرے   ہوا یہ سہم کے جائے نکل عقاب کی روح
خیال آئے ہے تیری سرد مہری کا   تو کانپتی ہے مری اس جگر کباب کی روپ
تراجوروے کتابی اے گلستان رو   وہ اک کتاب گلستان ہے سو کتاب کی روح
پھنسا بلا میں ہوا' دل دیکھے گر نہ دیتا دل   تو مبتلا مری کیوں ہوئی اس عزاب کی روح
نہ سمجھو ا کو بگولا ملتی پھرتی ہے   یہ دشت وشت کسی خانماں خراب کی روح

نہ پہونچے اس گل رخسار کے پسینے کو   ظفر ہزار نکالے کوئی گلاب کی روح

زاہد و ہم اس صنم و دھیان چھوڑیں کس طرح   اپنا وہ ایمان ہے ایمان چھوڑیں کس طرح
بطرح دردو الم پیچھے پڑے ہیں جان کے   دیکھیے اب یہ ہماری جان چھوڑیں کس طرح
بن بولائے آج اس کے گھت میں ہم جاتے تو ہیں   پر یہ ہے دیکھئے دربان چھوڑیں کس طرح
غیر سے در پردہ کچھ کرتا ہے ان کو مشورہ   وہ نہ اپنا پروہ دلان چھوریں کس طرح
کوچہ قاتل میں تیرے ساتھ ہم کیونکر نجائیں   تجکو تنہا اے دل نادان چھوڑیں کس طرح
دل مرا حسرت کرتا خون اسے منظور ہے   غیر کے ہاتھوں سے کھانے پان چھوڑیں کس طرح
دل مرا چھوتا ظفر اس زلف سے پر دیکھئے   غمزہ و نازو اداؤ آن چھوڑیں کس طرح

بولا جو اک طرح سے صنم دوسری طرح
پھر یہاں بھی ہے خدا کی قسم دوسری طرح

اک طرح اپنی اوول ملاقات ہے سو ہے
کچھ اور ڈھونڈتے نہیں ہم دوسری طرح

گر اک طرح ظلم پہ کرتے ہیں صبر ہم
کرتے ہیں کچھ وہ اور ستم دوسری طرح

مجنوں کے جو قدم بقدم ایک طرح پہ ہو
رکھے کبھی نہ اپنا قدم دوسری طری

یکبار اک طرح پہ انہیں لکھے کوئی حال
گر خط کرے دوبارہ رسم دوسری طرح

ہاتھ اس کا مطع ایک تو ہو ایک طرح پہ
اور دوسرا جو ہاتھ قلم دوسری طرح

جب اک طرح پہ رہتے نہیں دم پہ وہ ظفر
ومباز ان کو دیتے ہیں دم دوسری طرح

کیون لے گے اب وہ مجھے گنہگار کی صلاج
دس پانچ دن سے اور ہے دو چار کی صلاح

مطلع ثانی

اس کے خلاف کب ہو دل زار کی صلاح
دل کی وہی صلاح جو دلدار کی صلاح

کافی ہے اک نگاہ تری میرے قتل کو
دینے کا میں نہیں تجھے تلوار کی صلاح

رکھیں گے ہم خیال خط سبز کا ترے
ہم بزم دل پہ مرہم زنگار کی چلاح

امکان کیا کہ آئے وہ میری طرف کبھی
جب تک کہ لے نہ اپنے طرفدات کی صلاح

برگشتگی بخت کا دیکھو مرے اثر
یہاں آتے آتے پھر گئی طرز کی صلاپ

مر جایئے نہو جیے منت کش مسیح
بگی ہے اس دل بیمار کی

ناصح ترے کہے پہ عمل مجھ سے کیوں کہ ہو
انتو بگی اس دل بیمار کی صلاح
دیوانہ نہ کیا جو مان لے ہشیار کی صلاطاح اے صکاح

جی چاہتا ہے میرا غمی دل بیان کروں
پرائے ظفر نہیں میرے غمخوار کی صلاح

آنکھ کیوں کرتا ہے ٹیڑی رکھ نظر سیدھی طرح
ہم سے ملنا ہے تو مل اے عشوہ گر سیدھی طرح

کچھ نصیب اپنے تھے سیدھے اے دل خانے خراب
ہم چلے آئے جو وہاں سے اپنے گھر سیدھی طرح

درد فرقت سے ہوں لیتا اس طرح میں کروٹیں
رہتی بستر پہ نہیں دم بھر کمر سیدھی سیرح

ہیں تو مژگاں اس کے ٹیڑے پر مرے دل میں چھبیں
مثل پیکاں و سناں وبیشتر سیدھی طرح

اس روش سیدھا بنایا رشک قامت نے ترے
سرو گلشن میں رہیں گے عمر بھر سیدھی طرح

مرانالہ دیگا سارا تیرا ٹیڑھا پن نکال
دیکھ چل اے آسمان کینہ ورسیدھی طرح

بانکا انکے بھروسا کیا کہ میں وے بولتے
دوپہر ٹیڑھی طرح اور دوپہر سیدھی طرح
ہم میں سیدھے سیدھے ہم سے بات کر سیدھی طرح

جو ہوں ٹیڑھیتر چھے دکھلائیں ان کو اپنا بانکپن
ہر غزل کی اپنی ہے ٹیڑھی زمین سنگ لاخ   ہم میں سیدھےسادےہم سے بات کر سیدھی طرح

آہ کے دیکھ شرارے علی الصباح   ٹھے ست نگیں فلک پہ ستارے علی الصباح
کیا قہر ہے کہ غیر کے گھر رات کو رہو   اور آؤ وہاں سے گھر میں ہمارے علی الصباح
سنبل چمن میں کیو نکہ نہو عرق آہ شرم   منہ دھوکے وہ جو بال سنوارے علی الصباح
ہوتا تجھ سے خواب میں جو شبکو ہمکنار   روتا ہے بیٹھ کر وہ کنارے علی الصباح
خورشید کو نہ کیونکر چڑھے تپ جو تفتہ دل   پھاے کو داغ دل سے اتاد علی الصباح
گزرا وہ روز ہجر مجھے مثل روز حشر   جس دن وہ اپنے گھر کو سدھارے علی الصباح
مژدہ دیا صبا نے ظفر کیا کہ ہنس پڑے   گل کھلکھلائے باغ میں سارے علی الصباح

ردیف الخاے معجمہ

چبھی مژہ کی جو بخت دل خراب میں سیخ   دکھائی دی وہ پرائی ہوئی کباب میں سیخ
ہمیشہ نان پر آسمان کے ہاتھوں سے   خط شعاع کی قرص آفتاب میں سیخ
نشہ بغیر گزک بے مزا ہے اے ساقی   کباب کیا ہوئے خالی دھری ہے تاب میں سیخ
بری نظر سے جو دیکھے تجھے وہ اے مہوش   تو کرے آہ مری چشم ماہتاب میں سیخ
یہ دیکھو شعبدہ برق کر کے آگ میں لال   لپٹ دیتی ہے کیا چادر سجاب سحاب میں سیخ
کباب اسلئے اس خوش دماغ کے نے لگائے   نہ دھوکے پہلے کبابی اگر گلابی میں سیخ

بندھا خیال کبابوں کا رات کو ج و ظفر   تو کہکشاں بھی لگی نشہ شراب میں سیخ

ہے اس کی چشم کی گردش سے آسمانکو چرخ   اور آسمان کر گردش سے ہے جہانکو چرخ
قریب اس رخ روشن کے دیکھ کرور گوش   فروغ دے نہ مہ ش زہرہ کے قران کو چرخ
بتوں کے ہاتھ سے لٹواے ہے زمانہ میں   ہمارے دین کو ایمان کو دل کو جان کو چر
کرے نہ جلوہ شام و شفق پہ ناز اتنا   جو دیکھ لے ترے رنگ مسی و پان کو چرخ
ہزار قصر و محل ہوں تو دے مٹا آخر   مثال نقش کف پاترے نشان کو چرخ
عجب نہیں ترے ابرو کے سامنے دل سے   او تاردے مہ نو کی اگر کمان کو چرخ

نہیں یہ کاہکشاں گرمی فغان سے مرے   نکال دیتا ہے منہ سے ظفر زبا کو چرخ

وہ کیا شراب ہے شیشہ میں آسمان کے تلخ   کیا ہے عیش کو جس نے کہ اک جھانکے تلخ
نہ کیوں تلخ مجھے اپنی جان شیریں ہو   کرے کلام وہ شیریں ادا جو آن کے تلخ
جو بات دوست کی ہو تلخ بھی تو پی جائیں   ہم اس کو ایک دو اپنے حق میں جان کے تلخ
کرے ہے تیرا خط سبز تلخ کام مجھے   کہاں سے لایا ہے ظالم یہ بنگ چھانکے تلخ
ستم ہے منہ کے وہ میٹھے ہیں دل کے زہر بھرے   بلے سے دل کے وہ میٹھے ہوں اور زبانکے تلخ

غم اس کا آیا ہے دل کو جلا کے تلخ نہ کر   ظفر کباب نہ رکھ آگے مہمان کے تلخ

ردیف دال مہملہ

اب اس کے ہیں جو مے خوشگوار میں آلود   تو چہرہ سرخ ہے آنکھیں خمار میں آلود
ذرا سنبھل کے چھری پھیر اے شکارا فگن   کہ آستیں نہو خوں شکار میں آلود
نے کیوں ہوا بہ گہر بار آب شرم میں غرق   جو زلف ہو عرق روے یار میں آلود
ہمیشہ چھانتے ہیں خاک و شت وحشت کی   نہ کیو نکر ہم ہوں سراپا غبار میں آلود
کہاں ہے مجھ میں دم اتنا کہ نشتر فصاد   لہو سے ہووے تگہ جسم زاد میں آلود
ترے پسینے کی خوشبو سے اے گل خوبی   تمام جامہ ہے عطر بہار میں آلود
ظفر وہ کھولے اگر اپنی :لف مشکیں کو   ہوا کے جھوکے ہوں مشک تیار میں آلود

تجیں ہے خواب دیدہ بیخواب سے بعید   او صبر و تاب ہے دل بیتاب سے بعید
کس طرح دل کو سوز محبت میں ہو قیام   آتش میں ٹھہرنا تو ہے سیماب سے بعید
عالم کو گرڈبوئے یہ طوفان گریہ سے   سمجھو نہ میرے دیدہ پر آپ سے بعید
جو دیکھا ان بتوں میں ہے بہنے وہ زاہد   نزدیک میرے ہے گل سیراب سے بعید
تشبیہ دینی روے عرقناک کو ترے   نسبت نہیں ہے حلقہ گرداب سے بعید

میرے وفور گریہ سے ہالہ کو ماہ کے   ہے کیا ظفر عنایت احباب سے بعید

پھانس الفت کی نہ ایدل دیکھ نشتر سے کرید   ڈھب بنے تو سوزن مژگان دلبر سے کرید
دیکھ تو کتنے نکلتے ہیں ترے پیکاں تیر   میرے سینہ کو ذرا تونوک خنجر سے کرید

جب ذرا بھرنے لگی ہے پائے مجنوں کی خراش — دے ہے نوک خار صحرا پھر نئے سر سے کرید
مل گئے ہیں خاک میں کتنے ہی تیرے ہاتھ سے — پر نہیں کرتا کوئی ظالم ترے ڈر سے کرید
ہاتھ آتا ہے نصیبوں سے دفینہ اے حریص — خاک تو بفائدہ مت خواہش زر سے کرید
ناخن حسرت نے چھیلا سینہ باہر سے مرا — کاؤ کاؤ غم نے ڈالا دل کو اندر سے کرید

خاک میں میری دبی ہے آتش دل اے ظفر — گر باور تو کہدو اوس ستمگر سے کرید

رہے ہے دل میں محبت کے شورو شرکا فیا — مٹے گا دیکھیے یارب یہ کیونکر گھر کا فساد
جلایا آہ کے شعلہ نے خیمہ افلاک — بڑھا ہے دیکھو تو کیا سوزش جگر کا فساد
لڑائی مجمیں اور اس میں مفسدوں کے سبب — نہ ہے ادھر کا فساد اور نہ ہے ادھر کا فساد
بشر نہ جانیے شیطان ہے وہ فساد انگیز — ہمیشہ کام ہے دنیا میں جس بشر کا فساد
ہزار فتنہ محشر سے بھی زیادہ ہے — جو نکلے دم تو مٹے دم میں عمر بھر کا فساد
یہ دم کے ساتھ ہیں دنیا کے مفسدے سارے — تو یاز میں کا یازن کایا ہے زر کا فساد
بچشم غور جو دیکھا ظفر زمانے میں

بر سر مہر ہے ستم ایجاد — دوستو مجکو دو مبارکباد
دشت میں قیس کوہ میں فرہاد — دونوں کہتے ہیں مجکو یا استاد
بچ چکا جیتا اس کے ہاتھ سے میں — عشق ہے میرے واسطے جلاد
خاطر گل ہے نازک اے بلبل — نہ کر اتنی چمن میں تو فریاد
خاک سے کشتگاں قامت کے — نخل پیدا جو ہو تو ہو شمشاد
برق خنداں ہے ابر گریاں ہے — کوئی یاں شاد ہے کوئی ناشاد
دیکھ کر حال بید مجنوں کا — آیا صحرا میں ہمکو مجنوں یاد
ہم ہووے خاک عشق میں تیرے — ہو گئی بلکہ خاک میں برباد
دے دیا اتنو دل ظفر ہمنے اس ستمگر کو ہر چہ بادا باد

ردیف الذ جل مجمہ

تسلی بخش دل ہے یار کی تصویر کا کاغذ — مصور ہے یہ کاغذ بھلی عجب تاثیر کا غذ
مجھے اے نامہ پر مضمون وصل یار کی دولت — یہ ہے نامہ کاغذ نسخہ اکسیر کا کاغذ
دل بیتاب کو تسکین ہو کیا قاصد کی باتونسے — نہ آئے جب تلک اس یار کی تحریر کا کاغذ
مرے خط ہی کو رکھ دیتا ہے اپنے تری کے زد پر — بناتا ہے نشانہ جب کبھی وہ تیر کا کاغذ

لکھوں اس مہ جبیں کا میں جو وصف عارض روشن
تو ہمسر نور میں ہو ماہ تنویر کا کاغذ

لکھا میں چاہتا ہوں شکوہ اس کو سرد مہری کا
مرے نالہ کو تا قاصد چاہیے کشمیر کا کاغذ

ظفر مضمون چاک سینہ نے تاثیر کی آخر
کیا ہے چاک اپنے عاشق دلگیر کا کاغذ

لکھنے بیٹھا جو نشے میں وہ شرابی کاغذ
تو کیا بادہ گلگوں سے گلابی کاغذ

کیا عجب چاک کرے رشک سے حسن خط کے
سو کتابوں کے ترا روئے کتابی کاغذ

اپنے دل سوز کا انگاروں پہ رکھدی افسوس
یوں وہ میکش سر دوکان کبابی کاغذ

نامہ بر تو میرے کاغذ کو چھپا کر لیجا
تجکو ڈر ہے کہ نہ لائے یہ خرابی کاغذ

عشق نے جب سے دیا ہے مجھے دیوانہ خطاب
کوئی میرا نہیں بے مہر خطابی کاغذ

بن پڑھے اسپہ مرے گریہ کا مضمون کھلجائے
نامہ بر ہو مرے نامہ کا جوابی کاغذ

کیا عجب گر اثر شوق سے میرے اوڑ کر
اے ظفر پہونچے کبوتر کا شتابی کاغذ

جب کہ در پردہ کہیں سے لگے آنے کاغذ
ان کو ناچار پڑے سب سے چھپانے کاغذ

جوش گریہ کا برا ہو کہ تری نامہ کو
دیا آنکھوں سے بھی ہمکو نہ لگانے کاغذ

جتنے خط میرے گئے شوخ کماندار کے پاس
اپنے تیروں کے بنائے وہ نشانے کاغذ

یہ نوشتہ کی ہے خوبی کہ وہاں پہونچا یا
نیچے چوکھٹ کے لگے روز دبانے کاغذ

آوں کیا خاک کہ تعویذ عداوت کے عدو
گو کہ افلاک زمیں کے ہیں پرانے کاغذ

ابتک انجم سے قبالوں پہ ہیں مہریں روشن
لگے گلریز بنا کر وہ جلانے کاغذ

شرح سوز غم الفت نے کھلایا یہ گل
اشک خوں سے جسے رنگیں ہو بنانے کاغذ

رکھ دو وہ لکھ کے ظفر ان کے سرہانے کاغذ

دیگر

پیے دھو کر تری ہیکل کے تعویذ
دیئے پھینک اور بسمل دل کے تعویذ

گراں ہوں دست نازک میں تمہارے
جو برگ گل سے بھی ہوں ہلکے تعویذ

نہ چمکے شرم سے شب کو ستارے
ترے جھومر میں ایسے جھلکے تعویذ

وہ کرتے ہیں جو ہم سے گرم جوشی
جلاتے ہیں عدو جل جل کے تعویذ

مفید اس چشم کے بیمار کو ہوں
جو ہوں لکھے ہوئے کاجل کے تعویذ

لڑائی میرے اس کے تھی جو منظور
لکھے دشمن نے دن منگل کے تعویذ

رکھے ہے خواب بندی کے غم ہجر
ظفر بستر تلے مخمل کے تعویز

ردیف الرائے مہملہ

کھلے گا خط کے کھلنے سے مرا بھیدا اور بھیدی پر
سیاہی چڑھ گئی اے نامہ بر اب تو سفیدی پر

شتر غمزے کئے ترخ خمیدہ پشت نے کیا کیا
شتر آسا سرے نالے نے اس اس کی ناک چھیدی پر

امید وصل گر ہوتی تو کیا جانے کیا کرتے
فدا کرتے ہیں اپنی جان تک اس ناامیدی پر

کیا ہے کوہ کا یہ حال میرے جوش گریہ نے
کہ جیسے ڈال دے پانی کوئی مٹی کریدی پر

اٹھا کر آج میری جنس دل لے ہی چلا تھا وہ
ظفر کہنے سے اپنے دوتوں کے اسنے دیدی پر

تمہاری گالیاں کھاتا ہوں میں بوسہ کے لالچ پر
کہوں گا سچ یقین ہویا نہو تمکو مرے سچ پر

مری اک بات سے بھی تم جور کتے ہو خدا جانے
لگے ہے آپ کا دل کس طرح اوروں کی کچ کچ پر

کھچا کچھ بھر دیے ہیں عشق نے دل میں غم وحسرت
نہیں ہوتی ہے نیت سیروں کی اس کھچا کھچ پر

سفارش لاکھ پر پیچ گر کرے کوئی نہیں سنتا
وہ ظالم جبکہ آجاتا ہے اپنی بات کی بچ پر

کہا سب نے مرے دل کو کہ پیچ ما گیسو سے
بچا ہرگز نہ یہ شامت کا مارا اتنی بچ بچ پر

چمن کو یاد کر کر ہم قفس میں اس قدر پھڑکے
کہ بازو ٹوٹ کر دونوں ہوئے لوہو میں پچ پچ پر

ظفر دل کا محل مضبوط ہوتا ہے تو ہمت سے
نہ موقوف اس کا استحکام چونہ پر ہے نے گچ پر

کیا عجب جسنے کہ مارا دل غمناک میں تیر
نہ وہ بنوا کے لگائے وہ مرے خاک میں تیر

سرکشی ہے مزا تیری یہی اے گردوں
کہکشاں دیتی ہے ہر شب جو تری ناک میں تیر

ان کو انجم نہ کہو آتے ہیں سوفار نظر
بیٹھے آہو نکے مرے سینۂ افلاک میں تر

کس کمان دار نے کی دوت میں دور اندازی
کوسوں ہر سمت پڑے ہیں خس وخاشاک میں تیر

جو کہ دنیا میں ہیں آلودہ یہ کاوش ہے انہیں
ہے ہر اک رونگٹا گویا تن ناپاک میں تیر

دیکھنا جذب محبت کہ نہ نکلا ہرگز
رہ گیا ٹوٹ کے اس کا دل صد چاک میں تیر

عشق کے رستہ میں ہر گام پہ جی سہمے ہے
ہیں بہ ستے ظفر اس راہ خطرناک میں تیر

دیگر

زلف سیہ کی تیرے لٹک اے شوخ پری رخسار ہے اور
یہ تو بلا کچھ اور ہے کافر یہ تو کچھ اسرار ہے اور

سوتے سوتے چونک اٹھے وہ شب جو میرہ نالوں سے
بولے یہ تو نالاں کوئی آج پس دیوار ہے اور

آتا ہے جو دیکھنے کو اپنے مریض الفت کے
دیکھ کے تیری آنکھوں کو ہو جاتا وہ بیمار ہے اور

کیک اوڑا ہی لیتا کبکی چال تری اے فتنہ خرام
لیک اوائی جاتی کب ہے یہ تو کچھ رفتار رہے اور

چشم کا لڑنا سب نے دیکھا جائی کسی نے دلکے نہ ڈھنگ
جو کہ اسے لڑوانا ہے وہ پہلو میں عیار ہے اور

غیر طبیب عشق ہو کس سے تیرے مریض غم کا علاج
اس کی دوا کیا جانے کوئی۔ ہو کچھ آزاد ہے اور

عشق ہے شاہنشاہ ظفر تم اس کی درگہ عالی میں
جانے ہو تو ادب سے جاؤ وہ تو کچھ دربار ہے اور

دیگر

نپوچھو دوستو تم ہم سبحال دل کہیں کیونکر
کہ یہ تو قصہ کہنے کے نہیں قابل کہیں کیونکر

الجھتا آکے ہے سودائیوں سے اس کی زلفو نکے
تجھے اے ساحر نافہم ہم عاقل کہیں کیونکر

مہ نو جب کہے ابرو کو تیرے دیکھکر عالم
تو عارض کو نہ تیرے ہم مہ کامل کہیں کیونکر

مرے پیغام دہان لیجا کے قاصد و لمبیں کہتے ہیں
کہ کہنا یہاں تو ہے اگ حرف بھی مشکل کہیں کیونکر

ترے ہاتھوں سے ہو کر مضطرب کیا کیا تڑپتا ہے
ہم اس دل کو نہ اپنے طائر بسمل کہیں کیونکر

لب ہر زخم دل جب تک کہ سینہ میں نہ گویا
تو گزرید ل زخمی پر اے قاتل کہیں کیونکر

تغافل ہی میں دیتا ہے آخر کام عاشق
ظفر ہشیار ہے وہ ہم اسے غافل کہیں کیونکر

دیگر

نہ رکھ کسی سے طریق تمردی میں بیر
کہ اے صنم ہے ہمیشہ خدا خدی میں بیر

بنایا دشمن انہیں اپنا چھیڑ کر میں نے الہی لڑتے ہیں کیوں
کہ ان کو مجھ سے پڑا ایک گدگدی میں بیر

مدرسہ میں طالبعلم
پڑھا انہوں نے ہے کیا درس مبتدی میں بیر

نہ آیا وادی مجنوں میں ناقہ لیلے
غضب ہے تیرے بھی اے ساربان حدی میں بیر

کوئی ہزار کرے امر لابدی میں بیری
کوئی ہزار کرے امر الابدی میں بیر

ڈھونڈے کوئی کیا یار کا در چھوڑ کے در اور
اس گھر کے سوا تو نظر آتا نہیں گھر اور

ہم دیکھتے ہیں ان کی نظر آج ادھر اور
معلوم ہوا اونکو ہے کچھ مد نظر اور

جس وقت ہووے اشک فشاں دیدہ تر اور
دل اپنا جلا اور بڑھا سوز جگر اور

اس منزل ہستی سے کوئی آکے عدم سے
کیا چین سے بیٹھے کہ ہے در پیش سفر اور

گل پھولے سمائے نہیں جامہ میں سبا کیوں
کچھ اوڑتی ہوئی آئی ہے کانوں مین اور

رسوائے جہاں کیا ہوئے گر یہ سے ہم اے دل
ہم کو تو ڈبو دیگا ابھی دیدہ تر اور

جس دن سے تصویر ہے رخ و زلف کا تیرے
اوس دن سے مرا حال ہے شام اور سحر اور

ہر چند کہ تیروں سے ہے سینہ مرا غربال
اس پر بھی کہے جاتا ہوں دلک اور جگر اور

گہ روتے ہو گہ ہنستے ہو گہ چپ گہے نالاں
حال آپنا ہم دیکھتے ہیں آج ظفر اور

ہے محبت ان بتوں کے دل میں آجاتی کچھ اور
کفر تو یہ ہے پر اس میں ہے مسلمانی کچھ اور

تیرے جی میں ابرو پر خم کا عالم اور ہے
ہیں ستمگر جو ہر تیغ صفاہائی کچھ اور

خون دل ہے یا وہ جگر رنگ ولخت دل کباب
اس سے بھی اے دل سوا ہو گی پشیمانی کچھ اور

کر کے جو اقرار آئے تھے بجالائے نہ ہم
حضرت دل کا ہے یہ سامان مہمانی کچھ اور

در دنداں اور ہیں درعدن کچھ اور ہیں
لعل لب کچھ اور ہیں لعل بدخشانی کچھ اور

دل سے کیا چھوٹے خیال زلف ہے شامت کی مار
لکھی ہے اس کی تو قسمت مین پریشانی کچھ اور

یون تو عالم میں ہزاروں ہیں سخندان اے ظفر
پر تمہارا ہے یہ انداز سخندانی کچھ اور

دیگر

لگ گیا دل تو بتان دلربا کی راہ پر
آئے یہ کافر کہو کیونکر خدا کی راہ پر

سر ہتھیلی پر نہ رکھ لے جب تک سر بار عشق
رکھ سکے کیونکر اپنا وفا کی راہ پر

دل کے ہر روزن سے تیرا زخمی تیر ستم
چشم بر رہ ہے سدا پیک قضا کی راہ پر

عشق لیجائے جدھر کیونکر ادھر جائیں نہ ہم
چاہیے پیرو کو چلنا رہنما کی راہ پر

کوچہ جاناں کے جانے کی نکاؤ ہے یہ راہ
خاک ہو کر آپڑے ہیں ہم صبا کی راہ پر

فتنہ محشر سے فتنے ہی وقت خرام
ٹھوکریں کھاتے پھریں اس پر جفا کی راہ پر

چاہتے ہیں کب نشان اپنا وہ مثل نقش پا
جو کہ مٹ جانے کو بیٹھے ہیں فنا کی راہ پر

دل سے ہوں کیونکر طریق آشنائی میں خلاف
آشنا وہ ہے کہ جو آشنا کی راہ پر

ہے صراط المستقیم اس کے لئے جنے ظفر
استقامت کی ہے تسلیم ورضا کی راہ پر

بڑھے جو عشق کے شعلہ سے دل کے داغ نور
نہ ہو نچے شمع کا نور اس کو نے چراغ کا نور

پڑے شراب میں گر عکس روئے ساقی کا
فزوں ہو نور سے خورشید کے ایاغ کا نور

کمر کو اس کی شب تار زلف میں ڈھونڈھے
کہاں ہے عقل میں یہ طاقت سراغ کا نور

وہ ماہ باغ میں جس وقت یار سے وہ چشمی
تو دیکھے پھر کوئی اس وقت صحن باغ کا نور

کرے جو خال رخ یار سے وہ چشمی
تو پھر یقین ہے کہ اوڑ جائے زاغ کا نور

بغیر تیرے وہ عاشق کے حق میں ما رستر
چراغ محفل یاران خوش دماغ کا نور

فروغ بخش قانعوں کے چہرہ پر
ہمیشہ ان کے ہے دلہائے بافراغ کا نور

کھلتا نہیں ہے حال کسی پر کہے بغیر
رپ دل کی جان لیتے ہیں دلبر کہے بغیر

میں کیوں کہوں تم آؤ کہ دل کی کشش سے وہ
آئیں گے دوڑے آپ مرے گھر کہے بغیر

کیا تاب کیا مجال ہماری کہ بوسہ لیں
لب کو تمہارے لب سے ملا کر کہے بغیر

بیدردتو سنے نہ سنے لیک درد دل
رہتا نہیں ہے عاشق مضطر کہے بغیر

ہم ہیں وہ خاکسار کہ مانند نقش پا
در پر جمادیا ترے بستر کہے بغیر

جو میں کہوں وہ سب کہی جاتی ہے غیر سے
آئے قرار اس کو نہ دم بھر کہے بغیر

صورت ہی میری دیکھ کے سب میرے دل کا حال
معلوم کرگیا وہ ستمگر کہے بغی ر

کیا خاکساری اپنی کہوں انسے جا کے میں
وہ ہورہے ہیں مجھ سے مکدر کہے بغیر

کیا ذکر کچھ کلام میں واعظ کے ہو مزا
محفل میں وصف بادہ ساغر کہے بغیر

جب دل ہو صاف آئینہ پھر وہ ہو کہ رشبت
جو دل میں آئے رہیے نے منہ پر کہے بغیر

کیا تاب اوف زبان سے کہوں تیرے بزم میں
کڈتا ہے شمع وار یو ہیں سر کہے بغی ر

تقدیر کے سوانہیں ملتا کہے سے بھی
دلواتا اے ظفر ہے مقدر کہے بغیر

دیگر

آتا ہے ایسا دشمن وہ تیز بار لے کر
جو سرااوڑائیں میرا تلوار تیز لیکر

مجنوں کو فصد کی جو حاجت پڑی جنومیں
نکلے نہ کیونکہ نشتر ہر خار تیز لے کر

کی دل نے یوں گوارا تیزی تری نگہ کی
پی جائی جیسے بادہ میخوار تیز لے کر

غمزے ہی کی چھری سے ہیں ذبح ہو چکے ہم
تو کیا کرے کا خنجر پیکار تیز لے کر

دل کو مرے جلاتے گرمی سے حسن کے ہیں
آتش ہمیشہ ترے رخسا د تیز لے کر

لاتا تو ہے خبر پر آتا ہے میرا قاصد
سو بار ست لے کر یکبار تیز لیکر

تندی خو جو تیری ہو وے علاج دل کا
پھر کھائے کیوں دوا یہ بیمار تیز لے کر

زخم جگر میں میرے کیا بھر رہے ہو مرہم
تم پیس رکھو سرچیں دو چار تیز لے کر

خواہان ظفر ہیں دل کے دلبر کچھ اندنومیں
اس جنس کو دکھایا بازار تیز لے کر

دیگر

ہے ابرو پر خم تری شمشیر کی تصویر
بینی بھی ہے سیدھی تری اک تیر کی تصویر

تصویر سے مجنون کے مشابہ ہو عجب کیا
وحشت میں ترے عاشق دلگیر کی تصویر

دل اپنا گرفتہ ہوا حوال پریشان
دیکھی جو تری زلف گرہ گیر کی تصویر

گھر ہے محل خلد سے کیا تیرا مشابہ
گویا وہ مکاں ہے اسی تعمیر کی تصویر

خنجر ہو ترا حلق سینہ میں ترا تیر — یوں چاہیے کھنچی تری نخچلر کی تصویر
حیران رہے خود صورت تصویر مصور — کھنچا گر اس عالم تصویر کی تصویر

قربان ظفر میں قلم شوق کے اپنے — کھینچے ہے مرے دل پہ مرے پیر کی تصویر

عشق میں کیونکر جبیں ہم اپنا سینہ کوٹکر — جی میں ہے کھائیں ہرے کا نگینہ کوٹر
واوا کیا صانع قدرت نے آنکھوں میں تری — بھر دیے موتی سے اے ماہ شیبہ کوٹکر
تیغ ہمسر تیرے ابرو کے نہ کوئی بن سکے — تیغ گر رہ جائیں لوہا لے قرینہ کوٹکر
ہاتھ ٹوٹیں محتسب تیرے کہ تو نے سنگدل — ریزہ ریزہ کر دیا پتھر سے مینا کوٹکر
گر کبھی ہو وصل کی یکشب تو ہم اس کے عوض — دن گزاریں چھاتی اپنی اک مہینا کوٹکر
پارہ پارہ کر دیا سنگ ستم سے ہے ستم — اے پری رو تو نے دل کا آبگینہ کوٹکر

ظلم بد جوہر سے کیا نقصان شریفوں کو ملے — کب گھٹائے قدر لوہا کمینہ کوٹکر

وہ فروغ محبت سے دلکے داغ کا نور — نہ ہو تجھے شمع کا اور اس کو نے چراغ کا نور
پڑے شراب میں گر عکس روئے ساقی کا — تو آفتاب ہے ہتاب ہو ایاغ کا نور
نظر لگائے اگر اس کے خال عارض کو — تو یہ دعا ہے کہ اوڑ جای چشم زاغ کا نور
تجل چمن میں ہو کیا روشنی صبح بہار — جو دیکھے چہرہ خوبان رشک باغ کا نور
نظر میں وحشیوں کے جوش ماہتاب سے آج — عجب طرح کا ہے دامان کوہ وراغ کا نور
وہ ماہ گر ہو تو اس چاندنی محل سے بھی — زیادہ ہو دے مرے گوشہ فراغ کا نور
ظفر سخن کی مرے روشنی بڑھائی ہے — نگاہ دیدہ یاران خوش دماغ کا نور

جو دل رکھے اور کرے منہ سے بیاں اور — ہر بات پر اس کے ہو مجھے کیوں نہ گماں اور

دن اور ہے رات اور زمین اور زماں اور — رہتے ہیں ز خود رفتہ جہاں ہے وہ جہاں اور
یکبار کیے نذر دل وجاں ترے دونوں — اب کیا تجھے دیں ہم کہ نہ دل اور نہ جاں اور
دے جام پہ گر جام پیا پے مجھے ساقی — میں بس نہ کہوں منہ سے کہے جاؤں کہ ہاں اور
جل جائے گی اے برق نہ دو دیکھ مقابل — ہے سوختہ جانوں کا دم شعلہ فشاں اور
کچھ چشم تر اور سوز جگر پر نہیں موقوف — افشائے محبت کے بہت سے ہیں نشان اور
کس طرح غم یار کو میں دل سے نکالوں — جائے یہ کہاں اس کا ٹھکانا ہے کہاں اور

کیا ہوویگا اک چاک کو سینہ کے سیے سے .
دل میں تو ہزاروں میں ہیں ابھی زخم نہاں اور

یہ شوق شہادت کی ہے تاثیر کہ قاتل
ہوتی ہے مرے خون سے تری تیغ رواں اور

دوں دل میں جگہ کیونکہ نہ اس پردہ نشین کو
اس سے نہیں بہتر کوئی پردہ کا مکاں اور

محفل سے اوٹھا غیر کو اور اس کی عوض تو
رکھ دے مری چھاتی پہ کوئی سنگ گراں اور

تو گھر کو سدھار اپنے خدا کے لئے ناصح
ہوتا تری زباں سے ہے مجکو خفقاں اور

سینہ خوب برستا ہے جو ہوتی ہے ہوا بند
بہتے ہیں ظفر اشک دم ضبط نغاں اور

ردیف الرائے ہندی

میں نہیں کہتا کہ دل تو نے لیا جان تو چھوڑ
پر خدا کے لیے کافر مرا ایمان تو چھوڑ

مطلع ثانی

بیڑیاں چھوڑ پر زلف پریشان تو چھوڑ
دولت حسن پر تو کوئی نگہبان تو چھوڑ

اسقدر دست درازی نہ کر اے وحشت جنوں
چھوڑ ثابت نہ اگر جیب کو دامان تو چھوڑ

کرتے دنیا کو ہو سا مان عبث تم اتنا
غافلو جاؤ گے یاں کا یہیں سامان تو چھوڑ

جنبش ابرو پر خم سے دل بسمل پہ
ہاتھ اک کھینچ کے شمشیر صفا ہان تو چھوڑ

ہووے اس حور لقا پر جو پری دیوانی
اور اگر کچھ نہ کرے دے وہ پرستان تو چھوڑ

تیر ثابت نہ چھوڑا کوئی دل میں تو نے
پر جگر میں کوئی ٹوٹا ہوا پیکان تو چھوڑ

دل کبوتر ہے مرا جال میں زلفوں کے ترے
تو نچھوڑ اس کو اگر سمجھے ہے گردان تو چھوڑ

شیوہ ا
روش آن و ادا اپنی تو اک آن تو چھوڑ

جب کہا میں نے کہ چھوڑونگا نہ میں آج تمہیں
لگے کہنے کہ ذرا پردۂ دالان تو چھوڑ

لے گئے ساتھ ظفر سب وہ مرا صبر و قرار
لیکن البتہ گئے حسرت و ارمان تو چھوڑ

ردیف الزائے معجمہ

یوں ہوا دل میں مرے یار کا پیکان عزیز
جس طرح آیا ہو گھر میں کوئی مہمان عزیز

بخدا اے بت بدکیش کہ ہمکو تجھ سے
نہ تو ہے دین عزیز اور نہ ایمان عزیز

عزت اس روے کتابی کی کرے کیونکر
ہووے کس وجہ مسلمان کو نہ قرآن عزیز

شمع رو جس کے لگے دل کو ترے وصل کی بو
مثل پروانہ اسے اپنی نہیں جان عزیز

ناصحا ہاتھ اوٹھا فکر رفو سے کہ ہمیں
دست وحشت سے نہیں اپنا گریبان عزیز

نہ کھلا ہم پہ یہ مضمون کہ عدم میں جاکر
کیونکہ ہمیں خط نہیں لکھتے کسی عنوان عزیز

اے ظفر ہے وہ ستمکار نہایت سفاک
دل نہ دے اپنا اسے دیکھ کہاماں عزیز

دیگر

کس وقت گھورتا ہے تمہیں یہ غلام تیز
کرتے ہو تیز ہو کے جو ایسے کلام تیز

تیزی ہے میکشوں کی طبیعت میں اور بھی
ساقی شراب دے ہے جوان کو مدام تیز

لایا جواب خط کا ہے شاید کہ باصواب
قاصد کا کچھ خوشی سے ادھر ہے خرام تیز

کیا جانے کیا ارادہ ہے ان کا کہ ہر طرف
کاغذ کے دوڑنے لگے گھوڑے مدام تیز

کرتا ہے سنگ سرمہ سے تیغ نگاہ کو
وقت قتل عاشق بے ننگ و نام تیز

کس طرح کوئی ابلق لیلو نہار کو
روکے لگام جائے ہے یہ بدلگام تیز

گرمی ہے کیا ہی یار کے چہرے میں زیر زلف
دیکھا نہ آفتاب کو یوں وقت شام تیز

صیاد و ظلم پیشہ نے کچھ آج بے طرح
کی ہے چھری برائے اسیران دام تیز

تیزی طبع کے لئے مے ہے ظفر مفید
کر دیتا کند ذہن کو ہے ایک جام تیز

دیگر

لے میرے پے قتل تہ تیغ دو دم تیز
تو دونوں بھویں اپنی بنادیگی خم تیز

مطلع ثانی

معلوم نہیں نامہ میں ہے کیا رقم تیز
جو نامہ پہ آتا ہے اوٹھائے قدم تیز

ست آئے کہ تیز آئے مری آنکھ سے آنسو
بے تجکو غم ست ہے اے دل نہ غم تیز

سب حال کہے دے ہے مرا ابن کہے سب سے
کندی حواس اور یہ ہر لحظہ دم تیز

اس عاشق بیدا پہ ستمگر نہ روا دکھ
یہ سستی الطاف اور اتنا ستم تیز

کو دیکھے تجھے یہ کہے واللہ نہ دیکھا
جانا نہ گرم ایسا نہ ایسا صنم تیز

سرکش ہو عدو گرسر میدان کتابت
ہو خنجر تیز اے ظفر اپنا قلم تیز

کر تو خوشی سے حرف و حکایات چند روز
اے یار پھر کہاں کہ یہ ہے بات چند روز

دنیا مثال فاحشہ جاتی ہے جس کے پاس
رہتی ہے اس کے پاس یہ بد ذات چند روز

تو جانے گرم و سرد زمانہ کو اس لئے
گرمی کبھی ہے اور کبھی برسات چند روز

بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا زاہدوں کی طرح
تو اوٹھ کے کر لے سیر خرابات چند روز

ہو جلد ہوشیار کہ جاتے ہیں ہاتھ سے
غافل نشاط و عیش کے مہیات چند روز

کچھ لطف زندگی کا اگر ہے اسی میں ہے   ہے یہ جو دوستوں کی ملاقات چند روز
فرصت بہت ہے کم ہے غنیمت سمجھ ظفر   ہنس بول کر بسر ہو تو اوقات چند روز

کرے ہے کس لئے تلوار تو تیز   نظر کیا کم ہے تیری جنگجو تیز
مرے گر زخم کو دھوتا ہے جراح   تو دھوکر لیکر شراب مشکبو تیز
سر چاک جگر دست جنوں نے   کئے ناخن ہیں پھر بعد از رفو تیز
گل خاک شہید خنجر ناز   رکھے ہے بو برنگ ناز بو تیز
مزا ہو پیسکر زخم جگر میں   بھرے مرچیں اگر وہ تند خو تیز
پیام وصل میں ہے یاس و امید   کبھو سست آئے ہے قاصد کبھو تیز
ہزار آتش زبان دشمن ہیں لیکن   ظفر سب پر ہے وقت گفتگو تیز

دیگر

گیا نہ ہجر کا دل سے غم و ملال ایک روز   امید وصل میں ہے ہو گیا وصال اک روز
اگر نہ آیا وہ دو چار روز کیا ہو گا   بغیر اس کے مجھے ہزار سال اک روز تو زندگی مجھے ہو جاوے
گی و بال ایک روز
خیال زلف پڑا اگر یونہیں خیال مرے   کرے گا ایک زمانے کو پائمال اک روز
خرام ناز سے تو رفتہ رفتہ فتنہ خرام   دکھا وے یوں اگر اپنا اے جمال اک روز
چمک چمک کے نہ ہر روز نکلے یوں خورشید   کہ ہر کمال کے ہے واسطے زوال ایک روز
کمال حسن پہ اے مہ جبیں غرور نکر
گلی میں یار کے کر خوب گریہ و زاری   بخار دل کا ظفر اپنے نکال اک روز

دیگر

آج ہے ٹھنڈی ہوا دے تو شراب اک جام تیز   چاہیے ہمکو نشا اے ساقی گلفام تیز
تیزی رفتار سے قاصد کے ہم پر کھل گیا   آج لایا ہے وہاں سے کچھ نہ کچھ پیغام تیز
قتل کو میرے نگاہ تیز کافی تھی تری   اے ستمگر تو نے کس واسطے صمصام تیز
غیر سے آہستگی میں بات کرنی پیار سے   اور ہم سے بولنا یوں اے بت خود کام تیز
جوش وحشت میں ترے مجنونکو یہ پرواہ نہیں   خار دریا ہیں صحرا میں سر بہ گام تیز
گرمی رخسار تیری ہے قیامت زیر زلف   اسقدر ہوتا نہیں خورشید وقت شام تیز
بوسہ مانگو تو طبیعت اس کی ہو جاتی ہے کند   اے ظفر ہو جائے ہے دینے کو دشنام تیز

یوں سیہ قن پہ زلف شکن در شکن دراز   چاہ عقیق کے لیے جیسے رسن دراز

عاشق کو تیرے ہوگا نہ آرام جیتے جی   جا کر کرے گا پانوں وہ زیر کفن دراز

ناحق زبان شمع نہ گلگیر کٹتا   کرتے نہ وہ زبان جو سرانجمن رادز

بارے کیا وے تیشہ آخر نے مختصر   تھا جو کہ قصہ عشق کج اے کوہکن دراز

مارے ہے بے زبان دہن زخم لاف عشق   یہ تو زبان دراز نہیں ہے دہن دارز

تشبیہ اس کو دوں قد موزوں سے کیا تر ے

جانے دے تو نہ چھیڑ ظفر ذکر زلف یار   ہو جائے گا زیادہ وگرنہ سخن دراز

بارش کے تار ہیں مرے مژگان تر کا عکس   خورشید چرخ ہے مرے داغ جگر کا عکس

تالاب پر وہ ماہ جو دیکھے ہے چاندنی   پانی میں رقص کرتا ہے کیا کیا قمر کا عکس

رخسار تر ا آئینہ ہے جس میں خط سبز   طوطی باغ حسن کا ہے بال و پر کا عکس

مہ گھر میں آفتاب کے ہے یا کہ جلوہ گر   جام شراب میں ہے رخ سیمبر کا عکس

کہتے ہیں آپ کو وہ ہنر ور زمانہ میں   جن پر کبھی پڑا ابھی نہیں ہنر کا عکس

سمجھو نہ اس کو عقد ثریا فلک پہ ہے   اس ماہ جبیں کے کان کے عقد گہر کا عکس

وہ آئینہ میں اپنا اور اپنے ظفر کا عکس

دیگر

ہر تار زلف کھول نہ اے خود پسند بس   بس ہو چکے ہزاروں اسیر کمند بس

جس کو سناؤں درد دل آئے نہ اس کو تاب   سنتے ہی یہ کہے کہ بس اے دردمند بس

برباد خاک ہو چکی اس خاکسار کی   اے شہسوار روک عنان سمند بس

اس روئے آتشیں پہ جو خال آ گیا نظر   بس بس اب آگے کیجئے زبان اپنی بد بس

اتنی زبان دراز نہویاں بھی ہے زبان   اے آہ سوزناک نہو تو بلند بس

ڈرتا ہوں جل نہ جاوے کہیں خیمہ فلک   تم آج پی گئے ظفر اس سے دوچند بس

رکھ دے پیالہ جتنے کہ پیتے تھے روز مے

دیگر

سناؤ اور جو تم دل کو اس غریب کے بس   یہ خاک ہو تو چکا رشک سے رقیب کے بس

نہ ہو جو اصل نصیبوں میں کیا چلے تدبیر   کسو کا چلتا نہیں آگے کچھ نصیب کے بس

رہے محلہ میں بھی اس کے ہم تو دور رہے   گئے جو غیر مکانوں میں سب قریب کے بس

خدا پہ چھوڑ دو بیمار عشق کو اپنے   علاج دیکھ چکے تم ہر اک طبیب کے بس

نہ مشک میں تھی یہ خوشبو نہ آگے عنبرین   کئے ہیں طرہ مشکیں سے اس حبیب کے بس

ذرا بھی پائی نہ گرمی گلو نکے دل میں صبا
یہی تھی نالہ پر سوز عندلیب کے بس

کہے ہے عشق ظفر عقل کا نہ مان کہا
تمام ہو چکے آداب اس ادیب کے بس

جمع کر سکتے نہیں صاحب تدبیر حواس
منتشر کرتی ہے جب گردش تقدیر حواس

کھو اس رعد فرشتے سے نہ غرا اتنا
تیرے کھو دیگا مرا نالہ شبگیر حواس

لاۓ زنداں میں جب اس زلف کے سودائی کو
اور بھی اس کے گئے دیکھ کے زنجیر حواس

سمجھے بیجا و بجا خاک کہ پیری کے سبب
رہے تیرے نہ بجاۓ فلک پیر حواس

دل کی دل ہی میں رہی منہ سے نہ کچھ دل کی کہی
گم ہوۓ سامنے اس کے دم تقریر حواس

تیغ ابرو سے ہمیں سینہ سپر میں ورنہ
اچھا چھوٹے اوڑا دیتی ہے شمشیر حواس

نہیں معلوم ظفر یاد ہے اس کو کیا پیچ
کہ بھلا دیتی ہے وہ زلف گرہ گیر حواس

بعد آزادی بھی دے ہے رنج تاثیر قفس
ہوش اڑ جاتے ہیں گر دیکھوں ہوں تصویر قفس

تم چمن میں کر رہے ہیں آشیاں اپنا درست
کرتا ہے صیاد فکر دام و تدبیر قفس

سیکڑوں جانیں ترے ہاتھوں سے اے صیاد وش
یوں گرفتاری میں ہیں جیسے عصافیر قفس

باد شاخ گل دلا کر کو کرتی ہے فگار
ہے بجا چوب قفس کو گر کہوں تیر قفس

جبکہ بلبل کر دیا منصب ہزاری عشق نے
کی مقرر اس کی خاطر پہلے جاگیر قفس

مجکو صیاد جفا پیشہ نے ڈالا قید میں
نے قصور دام ہے اس میں نہ تقصیر قفس

شاخ گل میں چاہیے لٹکانا اس کا اے ظفر
بڑھتی اس لٹکے سے ہے بلبل کی توقیر قفس

باب الشین معجمہ

اشکوں سے مرے رہتی ہے دن رات کی بارش
برسوں سے یہاں ہے یونہیں برسات کی بارش

آتے ہیں خیال اتنے محبت میں تمہارے
رکھتی ہے مرے دل پہ خیالات کی بارش

رونے سے مرے یار کو یاں آنے سے روکا
مانع ہوئی افسوس ملاقات کی بارش

اب اس کے عوض گالیوں کی رہتی ہے بوچھار
تھی آگے جو الطاف عنایات کی بارش

ہے ابرو مژگاں سے ترے دل پہ ہمارے
تیروں کی سی کثرت سے اشارات کی بارش

میخے برسے اگر شیخ میں کچھ بھی ہو کرامت
ہوتی نہیں باتوں سے کرامات کی بارش

کیچڑ ہو کہ پانی وہیں جا پہونچینگے ظفر ہم
کب روکتی ہے راہ خرابات کی بارش

دیگر

نہ خبر لی مری اس بیخبری کو شاباش
مرگیا میں تری بیدادگری کو شاباش

نامہ بر لے ہی کے تو آنا مرے خط کا جواب
آفریں تجھکو ترے نامہ بری کو شاباش

خوب اس زلف کے سودے میں دلا تو اولجھا
تجکو اور اس تری آشفتہ سری کو شاباش

کیا پرواز کی تکلیف سے آزاد مجھے
کہوں کس طرح نہ بے بال و پری کو شاباش

نظر مہر سے اس مہر لقانے دیکھا
کچھ تو تاثیر کی آہ سحری کو شاباش

عیب جوئی میں ہیں جو اہل ہنر کے اونسے
مجھے محفوظ رکھا بے ہنری کو شاباش

دل سے جاتا ہی نہیں تیرے ظفر اس کا خیال
خوب شیشہ میں اتارا ہے پری کو شاباش

دیگر

کیا ابر و بہار سے ساقی نسیم خوش
رکھی ہے دیکھ دوش پر اپنے گلیم خوش

خوش آئی بوئے مشک کسی جب دماغ سے
اس زلف عنبریں کے بھری ہو شمیم خوش

ان تیرے سرخوشوں کے لئے کوئی میفروش
آب و ہوائے خوش سے ہے ساقی نعیم خوش

تیرے مریض عشق کو مرنے کی ہے خوشی
دیکھا سوائے اس کے نہ کوئی سقیم خوش

گر ہو پسند اسے مہ پردہ نشیں تجھے
ہے چشم منتظر مری خوش دل حریم خوش

بیت الحزن میں یار ترے غمزدونے پاس
ہے داغ ہمنشیں خوش مرغم ندیم خوش

جو ہے یہاں مسافر نا خوش ہے اے ظفر
پایا نہ اس سرا میں کوئی بھی مقیم خوش

تمکو ہے بوسے دل اپنا دوں چہ خوش
تم ہو خوش میں وا ہ ما خوش ہوں چہ خوش

میں ن خوشامد بھی اگر اس کی کروں
ہو کے وہ نا خوش کہے ہے یوں چہ خوش

ہے وہ جاناں دشمن جانی مرا
دوست اپنا اس کو میں جانوں چہ خوش

تو پیہ خوش خوش وہاں غیروں میں مے
کھاؤں میں یاں رشک سے افیوں چہ خوش

اٹھ گیا جو پاس کر کے غیر کا
اس کو پھر میں پاس بٹھلاؤں چہ خوش

وادی وحشت میں میری طرح سے
خاک اڑائے تو بھی اے مجنوں چہ خوش

وہ خطا داروں میں ٹھہرائیں مجھے
ان کو میں خط لکھ کے بھجواؤں چہ خوش

ہوں وہ مشکل زلف برہم اور میں
ان کی زلفوں کی بلائیں لوں چہ خوش

اے ظفر دامن سے اس سفاک کے
کوئی دھوڈالے ہمارا خوں چہ خوش

جیسے نکالی تو نے ہے اے ہمنشیں تراش
لاکھوں حسیں ہیں ایک کی ایسی نہیں تراش

کرتی ہے اس کی ساعد نزک سے ہمسری
پھینکوں چمن سے شاخ گل یاسمیں تراش

دل کو تراشا کاوش مژگاں نے اس کے یوں
جیسے تراشا ہے نگیں کو نگیں تراش

بوسے کو اس زمین کے فلک سے جھکے ہلال
جس جائے پھینکے ناخن ماہ جبیں تراش

یک قطرہ خوں نہیں غم و اندوہ کے سوا
باور اگر نہیں دل اندوہگیں تراش

سردہ کوئی س مجھ کے دل سرد کو مرے
ڈر ہے کہ وہ چھری نہ ڈالے کہیں تراش

منظور ہے ظفر کو لکھے وصف چشم یار
نرگس کے دے قلم کوئی اے ہمنشیں تراش

دیگر

تیرے وہ ہام خدا ہے صنم سنگ تراش
بت تراشی نہ کریں دیکھا سے سنگ تراش

باغبان دیکھنا انگشت پہ فندق جو تری
ڈالتا رشک سے شاخ گل اورن تراش

جنگجویوں کو جو ہتی ہے لڑائی منظور
دل سے مضمون کرتی لیتے ہیں پے جنگ تراش

دست نازک کو نکر رنجہ ادھر لا شمشیر
دکھ دے سر آپ ہی تا عاشق بینگ تراش

تیغ سے موج تبسم کے مرا غنچہ دہن
باغ میں دے جگر غنچہ دل تنگ تراش

اس کے خاتم کے لئے پارہ دل سے مرے
اے نگیں ساز نگیں لعل کا خوش رنگ تراش

خوشنویس ایسا ہے تو دیکھ کے ہوتے ہیں خجل
تیرے خامہ کے ظفر صاحب فرہنگ تراش

دیگر

نہو کیوں تجھ بزم عشرت میں گردش
کہ جوں ساغر مے ہے قیمت میں گردش

بھنور کی طرح رکھتی ہے آشنائی
مرے ساتھ بحر محبت میں گردش

وہ کب ٹھہرتے ہیں زمیں پر کہ جنکے
فلک کی طرح ہے طبعیت میں گردش

جلا شمع کے گرد پروانہ پھر کر
ہوئی رہنما سوز الفت میں گردش

بگولے کے مانند مجکو ہمیشہ
لئے پھرتی ہے دشت وحشت میں گردش

پھرا مہر زردار ہو کر جہاں میں
رہے اہل دولت کو دولت میں گردش

ظفر ہم جو رہتے ہیں آوارگی میں
نصیبوں کی ہے یہ حقیقت میں گردش

ردیف الصاد مہملہ

کیوں نہ غم کھائے کہ ہے اس کی یہی خوراک خاص

میرے غمخواروں میں ہے میرا دل غمناک خاک
پر یہ میرا صید دل ہے قابل فتراک خاص

اور یوں تو ہزاروں ہیں شکارا ے شہسوار
پر یہ میرا صید دل ہے قابل فتراک خاص

وہ سمند ناز کو کرتا ہے کیا کیا گرم خیز
ہے اسی کے واسطے یہ توسن چالاک خاں

قاصدان اشک جو رہتے رواں ہیں رات دن
واسطے دل کے خبر لاتی ہے یہ ڈاک خاں

ابر نیسان سے برستے کب ہیں لعل لخت دل
یہ تو ہیں برسانے والے دیدہ غمناک خاں

خاکساروں میں تم اپنے خاں کہتے ہو ہمیں
اور ملتے ہیں سو ہم خاک میں ہیں خاک خاص

یوں قتل عام کرتے ہیں وہ سب ناز و ادا
پر ظفر اس کام کا ہے غمزہ سناک خاص

سمجھتا ہے جسے یاروں میں تو خاص
تری ہوتی ہے اس سے گفتگو خاص

حسیں تو اور بھی ہیں خاسے خاسے
مگر سب میں ہے تو اے ماہرو خاص

مرے چاک جگر کے واسطے سے
مگر سب میں ہے تو اے ماہرو خاص

جلانا عاشق شیدا کو ناحق
ترا تار رفو خاں

کرم ہے عام تیرا پر مجھی پر
یہ ہے تری ہی خوا ے شعلہ خاں

گلی میں تیرے جائیں دوست کیونکر
ستم کرتا ہے تو اے جنگجو خاص

یہی ہے اب خاصہ عاشقوں کا
کہ وہ تو ہو گئی جاے عدو خاں

ظفر پیتے ہیں وہ دل کا لہو خاص

دیگر

دیکھا سو بار یہاں ماہ پر انوار میں نقص
لیک پایا نہ کبھی ہم نے رخ یار میں نقص

سرد مہری میں جو گرم ہو آتش خو
ہے یہ مرے آثر آہ شرربار میں نص

سخت جانوں پہ کر وار کہ جی ڈرتا ہے
کہیں آ جائے نہ قاتل تری تلوار میں نقص

سبزہ صحن چمن اور ہوا زیب چمن
خط سے آیا نہ بہار گل رخسار میں نقص

کہتے تھے رہنے کو دو روز نہ ٹھہرے اک دم
واہ اے عہد شکن اتنا بھی اقرار میں نقص

کھولدے طرہ مشکیں کی جو تو ایک گرہ
سمجھے وہ اپنا کمالات کے اظہار میں نقص

کرے ظاہر نہ کمال اپنے ظفر اہل کمال

دیگر

لگ گیا کاری جگر پر جس کے زخم تیر حرص
دم رہا جب تک رہا بیتاب وہ نخچیر حرص

حرص کے ہاتھوں نہ کیونکر کشمکش میں ہوں حریص
حرص دامنگیر ان کی وہ ہیں دامن گیر حرص

سیکڑوں قیصر و محل بنجائیں گے اور بن گئے
پر نہیں ہونے کی پوری معموں تعمیر حرص

رکھیں میدان توکل میں قدم کیا وہ حریص
جو کہ ہیں روز ازل سے پاے در زنجیر حرص

مال کے بھوکے ہیں لیکن مال قسمت میں کہاں
اہل دنیا کھاتے ہیں تیر ہوس شمشیر حرص

رکھتے ہیں ذلت روا اپنی جو دنیا میں حریص
یہ قصور ان کا نہیں اے ظفر تقصیر حرص

سب آفتیں بری ہیں پرا لفت علی الخصوص
سب غم ہیں سخت پرا لفت علی الخصوص

ہر ناز غمزہ اس کا قیامت سے کم نہیں
اور پھر وہ جلوہ قد رقامت علی الخصوص

کوئی ہے چشم یار جب ایمائے قتل عام
ہوتی مرے طرف ہے اشارت علی الخصوص

ہے صاف جوش میں نقصان آبرو
اور پھر یا ئمیں گریہ کی شدت علی الخصوص

ہم وحشیوں کو چین سے وحشت بٹھا چکی
اور اس نگاہ و چشم کی وحشت علی الخصوص

سب ان کے ناپسند مضامین دوستی
اور اس میں دشمنوں کی شکایت علی الخصوص

جتنے کہ شیوہ خوب تھے دنیا سے اٹھ گئے
اور اے ظفر طریق مروت علی الخصوص

ردیف الضاد معجمہ

رکھتا نہیں ہے ہم سے جو وہ بیوفا غرض
تو ہم بھی بغیرض ہیں ہمیں سا سے کیا غرض

ہم ان کے ملتجی ہوں نہ کیوں وصل کے لیے
دنیا میں کب نکلتی ہے بےالتجا غرض

مطلب نہ ظلم سے ہے نہ تیرے ستم سے کام
ہم کو وفا سے اپنی ہے اے پر جفا غرض

کام اپنا ہو گیا نگہ یار سے تمام
اب تجھ سے کیا رہی ہے ہمیں اقتضا غرض

ناحق بناؤں اپنے لئے اور مدعی
کیا جاؤں میں وہاں مجھے کچھ مدعا غرض

کوئی برا کہے ہمیں یا عشق میں بھلا
ہم کو برے بھلے سے نہیں ناصحا غرض

ہم اس چمن میں غنچہ تصویر ہیں ہمیں
مطلب نسیم سے ہے نہ تجھ سے صبا غرض

دل جانتا ہے جیسے یہ کافر ہیں سنگدل
ڈالے نہ ان بتوں سے کسی کی خدا غرض

کیا حال آشناؤں کا تجھ سے ظفر کہوں
ہیں آشنا غرض کے ہیں آشنا غرض

دیگر

ساقیا پہونچے ہے تیرے جام سے عالم کو فیض
منہ نہیں ہم کو لگاتا اک نہیں ہے ہم کو فیض

ہوں نہ صاحب دل کبھی محتاج فیض جام جم
بلکہ ان کے ساغر دل سے ہو جام جم کو فیض

رکھتی ہے جاری ہمیشہ آنسوں سے فیض نہر
دیکھنا منظور ہے کیا میری چشم نم کو فیض

عشق میں ہے بس غنیمت ہم کو غم اور غم کو ہم
پہونچا ہے غم سے ہمکو فیض ہم سے غم کو فیض

ہو تو شاید کچھ تمہارے ہی لب جانبخش سے
ورنہ ہو عیسی سے کیا اس عاشق بیدم کو فیض

عمر بھر کھایا کیے تم حضرت دل پیچ و تاب
کیا اوٹھایا چھوڑ کر اس کاکل پر خم کو فیض

ہے نفخت فیہ من روحی سے ظاہر اے ظفر
جو کہ پہونچا خالق کونین سے آدم کو فیض

دیگر

تیرے دیوانہ کو کیا گانے بجانے سے غرض　　سینہ کوبی سے غرض شوق مچانے سے غرض

مطلع ثانی

سوزش دل کے بجھانے سے نہیں ہمکو غرض　　بلکہ رونے سے غرض آنسو بہانیسے غرض

خط لکھیں کیوں نہ نہیں نصف ملاقات ہے خط　　ہے ہمیں شوق ملاقات جتانے سے غرض

پر کدورت ہو کہ ہے صاف ترا دل لیکن　　ہمکو کوچے میں ترے خاک اڑانے سے غرض

اپنے گھر آج مرے گھر سے ہے جانا منظور　　ورنہ کیا غسل کے ہے انکو بہانے سے غرض

میری باتوں میں اگر ہووے نہ بو الفت کی　　تو پھر اس شوخ کو کیا ناک چڑھانے سے غرض

دے کے دل اپنا اسے اب سے ہوے بے پروا　　ہم نہیں رکھتے ظفر ایک زمانے سے غرض

ردیف الطائے مہملہ

کس کس کے نام آئے ہیں اس عشوہ گر کے خط　　ہیں آج دونوں ہاتھوں میں جو نامہ بر کے خط

مطلع ثانی

دلوا دے یاد کوئی انہیں یاد کر کے خط　　تکیہ تلے وہ بھول گئے میرا دھر کے خط

تاباں ہیں نور عشق سے مثل خطوط مہر　　ہیں گرد جو نہٹوں سے داغ جگر کے خط

کرتا ہے کہکشاں کو شب تار میں خجل　　اس مہ جبیں کے مانگ کا بالو نہیں سر کے خط

سو ٹکڑے دل کے ہو گئے پر جسم پر کہیں　　ظاہر پڑا نہ وار سے تیغ نظر کے خط

حال اپنا لکھ کے آئے جو رونا کبھی مجھے　　بہ جائے خوش گریہ اس چشم تر کے خط

تاثیر کچھ تو کی ہے مرے دود آہ نے　　آیا نکل جو رخ پہ ہے اس سیمبر کے خط

ہے یہ خطر کہ نکرے نہ قاصد کے دے اوڑا　　پھینکا بلا سے قینچی سے اس نے کتر کے خط

ہوں لاکھ خوشنویس اگر خط نسخ میں　　پو ہر کسیکا خوب نہ خط سے ظفر کے خط

دیگر

جب لکھا اسے عذر مین تفصیہ کے خط　　اس خطاوار کا پھینک اس نے دیا چر کے خط

خط کے پہونچانیکی قاصد سے نہیں ہے امید　　بھیجتے ہم تو بھروسے پہ ہیں تقدیر کے خط

اللہ اللہ ری نزاکت کہ رخ نازک پر　　پڑتے بالوں سے ہیں اس زلف گرہ گیر کے خط

دسترس ہاتھ تک اس کے جو نہیں قاصد کو
رکھ تو دے سامنے وہ اس بت بے پیر کے خط

سرد مہری کے جتانے کا یہی ہے عنواں
اس نے لکھا مجھے کاغذ پہ جو کشمیر کے خط

جس نے تصویر پہ دیکھا نہ کبھی ہو ہالہ
دیکھے چہرہ پہ وہ اس عالم تصویر کے خط

جس کا خط آپ کبوتر اثر شوق سے ہو
باندھے بازو پہ وہ کیوں مرغ ہوا گیر کے خط

ہے سپر اس کی حفاظت تو بدن پر تیرے
نہ پڑے ایک بھی سودا رہے شمشیر کے خط

شوق پابوس کہ دیکھا جو ظفر ہر خط میں
اسنے تلوں سے ملے عاشق دلگیر کے خط

دیگر

زر ہے کیا میروں کی ہے ملاقات شرط
بلکہ نقد دل و جاں بھی ہے مدارات کو شرط

رکھتے ہر وقت ہیں جو لطف و کرم کا شیوہ
ہوتا اک وقت نہیں ان کی عنایات کو شرط

کچھ تپش دل میں ہو تو چشم سے برسیں آنسو
یعنی ہاں تھوڑی سی گرمی بھی ہے برسات شرط

نعمت خلد ہے موقوف کرم پر اس کے
ترک کرنا نہیں دنیا کی ہے لذات کو شرط

نہیں بیوقت کوئی امر کہ از بہر نماز
ضبط اوقات ہے مردان خوش اوقات کو شرط

سر کا رکھنا نہیں آساں تہ شمشیر ستم
اے ستمگار اک حوصلہ اس بات کو شرط

جانے دل زلف میں بے داغ جنت کیونکر
کہ چراغ از پے رہرو ہے ظفر رات کو شرط

دیگر

اونکی ظاہر آشنائی ہے فقط
ورنہ پنہاں بیوفائی ہے فقط

کیوں لڑائی آنکھ اسنے غیر سے
میرے اس کے یہ لڑائی ہے فقط

دل کو سودا ہے جو غش ہے زلف پہ
اس میں کیا ہے کج ادائی ہے فقط

ہمکو کافی منزل مقصود تک
عشق ہی کی رہنمائی ہے فقط

جان تک دیگا جلا یہ شوز عشق
آگ بھی دل میں لگائی ہے فقط

گر سخن میں عشق کی گرمی نہیں
اے ظفر ہرزہ درائی ہے فقط

کیا لکھوں قاصد اسے اشکوں کی طغیانی میں خط
حرف مٹ جائیں گے سارے بھیگ کر پانی میں خط

ہو لکھا تقدیر کا معلوم کس عنوان ہمیں
وہ پڑھا جاتا نہیں ہے جو کہ پیشانی میں خط

قتل کرنے کو ہمارے کم نہیں شمشیر سے
ہد موں سرمہ کا چشم دلبر جانی میں خط

کیا قبا سے پڑا تو سے کام مجنوں کو کہ ہیں
ناخن دست جنوں سے تن پہ عریانی میں خط

ہم ترے روئے کتابی کو ہیں مصحف جانتے
ملتا ہے عارض کا تیرے خط قرانی میں خط

بندھ گیا ہے جب سے اس زلف پریشان کا خیال
ہم شکستہ لکھتے ہیں اکثر پریشانی میں خط

صفحہ عالم پہ ہیں جتنے سخنداں اے ظفر
لکھتے ہیں تیری غلامی کا سخنداں تو میں خط

ردیف الظائے معجمہ

ہم تو چلتے ہیں لو خدا حافظ
بتکدہ کا بتو خدا حافظ جاؤ بس ہاتھو خدا حافظ

کر چکے تم نصیحتیں ہم کو
سنتے ہیں گفتگو خدا حافظ

آج کچھ اور طرح پر ان کی
دل کا چارہ گرو خدا حافظ

گر یہی ہیں ہمیشہ زخم پہ زخم
دم رخصت کہو خدا حافظ

کیوں نہ رخصت ہو دم مرا جب تم
دل بیتاب کو خدا حافظ

آج ہے کچھ زیادہ بیتابی
ہر نفس جبکہ ہو خدا حافظ

کیوں حفاظت ہم اور کی ڈھونڈیں

چاہے رخصت جو راہ عشق میں عق ,
اے ظفر جانے دو خدا حافظ

ردیف العین

صنم کو میں نے دیکھا خواب میں جاگے مرے طالع
تماشا اک خدائی کا نظر آیا ز ہے طالع

نصیب اس مہروش کا وصل ہے ان کو کہ میں جن کو
بھلے دن اور بھلی قسمت بھلے بخت اور بھلے طالع

میرے گھر آتے آتے رات کو وہ پھر گئے او لٹے
کچھ ایسے یک بیک برگشتہ میرے ہو گئے طالع

نکل بھاگے گا ہو یگا اگر چہ سات تا لو میں
پر پر یوا یسے ہیں گردش میں اس دیوانہ کے طالع

لگایا منہ سے اپنے جام مے اے ماہرو تو نے
تماشا ہے کہ یکجا مہر و مہ دونوں ہوئے طالع

خدا لایا لب بام اس بت خورشید طلعت کو
وگر نہ میرے تو یار و بلند ایسے نہ تھے طالع

بھلائی کے عوض وہ جو برائی ہم سے کرتے ہیں
قصور ان کا ظفر کیا ہے کہ ہیں اپنے برے طالع

دیگر

کافت اس طرح سے دنیا کی ہو خیرات میں رفع
جو غبار آندھی کا ہو جائے ہے برسات میں رفع

وہ لبوں میں ترے اعجاز مسیحائی ہے
کہ صدا آزاد اگر ہوں تو ہوں اک بات میں رفع

جام مے تک نہیں پہونچی ابھی نوبت کہ ہوئی
رنج میخوار کی ساقی کی ملاقات میں رفع

کیوں لگا تا نہیں تو کھینچ کے قاتل شمشیر
قصہ یک عمر کا تا ہوا ابھی اک ہات میں رفع

واعظا فائدہ کیا مدرسہ میں بک بک سے
شبہ جو دل کا ہے ہوگا وہ خرابات میں رفع

وہ رہیں آ کے اگر شب کو ہمارے گھر میں
اگلے پچھلے گلے سب انسے ہون اک رات میں رفع

مدواے فخر جہاں تا ہوں ظفر کے دل میں
سب ملال آپ کے الطاف وعنایات میں رفع

نہ آبرو کی طمع ہے نہ گھر نہ ور کی طمع
جو بدمعاش ہیں ان کو ہے مال وزر کی طمع

مطلع ثانی

نہیں ہے ہمکو سوا وصل سیمبر کی طمع
فقط ہے عین عنایت سے اک نظر کی طمع

رواں ہو پر چا اگر لیکے دل کا قاصد اشک
نہ کچھ ہو نامہ کی حاجت نہ نامبر کی طمع

طمع کا چھوڑنا آساں نہیں کہ زیر رہیں
بشر کے ساتھ ہی جاے ہے یہ بشر کی طمع

تصور لب ودندان یار کی دولت
نہ ہم کو لعل کی خواہش نہ ہے گہر کی طمع

مگس کی طرح سے چپیے گا منہ کوا ے طماع
نکر حلاوت دنیا سے تو شکر کی طمع

اوٹھا چکا تر ا عاشق ہے دو جہاں سے ہاتھ
نہ اب ادھر کا ہے لالچ نہ ہے ادھر کی طمع

وہ تیرے محو دہان وکمر کا پوچھے حال
نہ اب ادھر کا ہے لالچ نہ ہے ادھر کی طمع

شکست دیجے کسی طرح نفس سرکش کو
نہیں ہے اس کے سوا اور کچھ ظفر کی طمع

دیگر

ہوگیا دل صنم ہوش ربا کے تابع
کیا کریں ہم کہ ہیں مرضی خدا کے تابع

کوئی جاناں کی ہوا سے نہیں جاے گا خلاف
دل پر سوز کہ ہے شعلہ ہوا کے تابع

ہم تو مرنیکو ہیں موجود اگر آ ے قضا
پر قضا اپنی ہے اس تیغ ادا کے تابع

خواہ آزاد کرے خواہ گرفتار رکھے
دل سودا زدہ ہے زلف دوتا کے تابع

دیکھیے رخصت نظارہ ادھر ہو کہ نہو
نگہ یار تو ہے شرم وحیا کے تابع

میں رہ عشق میں ہوں کیوں جنوں کا محکوم
راہ رو چاہیے ہو راہ نما کے تابع

کوئی آتی ہے ظفر لب پہ شکایت ان کی
جو کہ ہر حال میں ہیں اس کی رضا کے تابع

دیگر